www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

پانچواں دور

تمہید

دیکھنا! وہ لالٹینیں جگمگانے لگیں۔ اٹھو اٹھو استقبال کر کے لاؤ۔ اس مشاعرہ میں وہ بزرگ آتے ہیں جن کے دیدار ہماری آنکھوں کا سرمہ ہوئے۔ اس میں دو قسم کے باکمال نظر آئیں گے۔ ایک وہ کہ جنہوں نے اپنے بزرگوں کی پیروی کو دین آئین سمجھا۔ یہ اُن کے باغوں میں پھریں گے۔ پرانی شاخیں زرد پتّے کاٹیں چھانٹیں گے اور نئے رنگ نئے ڈھنگ کے گلدستے بنا بنا کر گلدانوں سے طاق دایوان سجائینگے۔ دوسرے وہ عالی دماغ جو فکر کے دخان سے ایجاد کی ہوائیں اڑائیں گے اور برج آتشبازی کی طرح اس سے رتبہ عالی پائیں گے۔ انہوں نے اس ہوا سے بڑے بڑے کام لئے۔ مگر یہ غضب کیا کہ گرد پیش جو وسعت بے انتہا پڑی تھی اس میں سے کسی جانب میں نہ گئے۔ بالاخانوں میں سے بالا بالا اڑ گئے۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ بعض بلند پرواز ایسے اوج پر جائیں گے۔ جہاں آفتاب تارا ہو جائیگا۔ اور بعض ایسے اڑینگے کہ اُوہی جائینگے۔ وہ اپنے آئین کا نام خیال بندی اور نازک خیالی رکھیں گے۔ مگر حق یہ ہے کہ شاعری ان کی ساحری اور خود اپنے وقت کے سامری ہونگے۔ ساتھ اس کے صاحب اقبال ایسے ہونگے کہ انہیں پر ستش کرنے والے بھی ویسے ہی ہاتھ آئیں گے۔ ان بزرگوں کی نازک خیالی میں کچھ کلام نہیں لیکن اتنا ہے۔ کہ اب تک مضمون کا پھول اپنے حسن خداداد کے جوبن سے فصاحت کے چمن میں لہلہاتا تھا۔ یہ اس کی پنکھڑیاں لیں گے۔ اور ان پر موقلم سے ایسی نقاشی کرینگے کہ بے عینک کے نہ دکھائی دے گی۔ اس خیال بندی میں یہ صاحب کمال اُس قدرتی لطافت کی بھی پروا نہ کریں گے جسے تم حسن خداداد سمجھتے ہو۔ کیونکہ ان کی صنعت بے اس کے

www.urduchannel.in

اپنا رنگ نہیں دکھا سکتی ❖

پہلے بزرگ گردیش کے باغوں کا پتّا پتّا کام میں لاچکے تھے اب نئے پھول کہاں سے لاتے۔ آگے جانے کی سڑک نہ تھی اور سڑک نکالنے کے سامان نہ تھے۔ ناچار اس طرح استادی کا نقارہ بجایا اور ہمعصروں میں تاجِ افتخار پایا۔ یہ آخری دور کی مصیبت کچھ ہماری ہی زبان پر نہیں پڑی۔ فارسی کے متقدمین کو اس کے متاخرین سے مطابق کر لو۔ شعرائے جاہلیت کو متاخرین عرب سے مقابلہ کر لو۔ انگریزی اگرچہ میں نہیں جانتا مگر اتنا جانتا ہوں کہ اس کے متاخرین بھی اس درد سے نالاں ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ زبان جب تک عالم طفولیت میں رہتی ہے۔ تب ہی تک شیر و شربت کے پیالے لنڈھاتی ہے۔ جب پختہ سال ہوتی ہے۔ تو خوشبو عرق اُس میں ملاتی ہے تکلّف کے عطر ڈھونڈ کر لاتی ہے۔ پھر سادگی اور شیریں ادائی تو خاک میں مل جاتی ہے۔ ہاں دواؤں کے پیالے ہوتے ہیں جس کا جی چاہے پیا کرے ❖

اس موقع پر یہ کہنا واجب ہے کہ ان سے پہلے جو صاحب کمال لکھنؤ میں تھے وہ دلّی کے خانہ برباد تھے۔ وہ یا اُن کی اولاد اس وقت تک دلّی کو اپنا وطن سمجھتے تھے اور اہلِ لکھنؤ ان کی تقلید کو فخر سمجھتے تھے نہ کہ عیب کیونکہ وہاں اب تک کوئی صاحب کمال اس درجہ کا پیدا نہ ہوا تھا۔ اب وہ زمانہ آتا ہے کہ انہیں خود صاحب زبانی کا دعوے ہوگا اور زیبا ہوگا۔ اور جب ان کے اور دلّی کے محاورہ میں اختلاف ہوگا تو اپنے محاورے کی فصاحت اور دلی کی عدم فصاحت پر دلائل قایم کرینگے۔ بلکہ انہی کے بعض بعض نکتوں کو دلی کے اہل انصاف بھی تسلیم کریں گے۔ ان بزرگوں نے بہت قدیمی الفاظ چھوڑ دئے جن کی کچھ تفصیل چوتھے دیباچہ میں لکھی گئی۔ اور اب جو زبان دلی اور لکھنؤ میں بولی جاتی ہے۔ وہ گویا انہیں کی زبان ہے۔ البتہ شیخ ناسخ کے دیوان میں ایک جگہ زور کا لفظ بہت کے معنوں میں دیکھا گیا۔ شاید یہ ابتدا کا کلام ہوگا ❖

عابد و زاہد چلے جاتے ہیں پیتا ہے شراب ❖ اب تو ناسخ زور رند لاابالی ہوگیا

www.urduchannel.in

اساتذۂ دہلی کے کلام میں۔ آئے ہے۔ اور جائے ہے۔ اکثر ہے۔ مگر اخیر کی غزلوں میں انہوں نے بھی بچاؤ کیا ہے۔

شاہ نصیر مرحوم سن رسیدہ شخص تھے آغاز شاعری کا کنارہ جرأت اور سید انشا سے ملا ہوا تھا اور انجام کی سرحد ناسخ۔ آتش اور ذوق میں واقع ہوئی تھی اس لئے ابتدائی غزلوں میں کہیں کہیں ٹک بول جاتے ہیں۔ اور جس طرح جمع مونث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ چوتھے طبقہ میں بے تکلف بولتے تھے۔ ان کی ابتدائی غزلوں میں کہیں کہیں ہے چنانچہ میر کی غزل کا مطلع ہے۔

جفائیں دیکھ لیاں بیوفائیاں دیکھیں	بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں	میر تقی
کبھی نہ اس رخ روشن پہ چھائیاں دیکھیں	گھٹائیں چاند پہ سو بار آئیاں دیکھیں	شاہ نصیر

اسی طرح موصوف جمع ہو اور صفت لفظ ہندی ہو تو اب موصوف کی مطابقت کے لئے صفت کو جمع بولنا خلافِ فصاحت سمجھتے ہیں مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

عہد طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج	بیڑیاں منت کی بھی پہنی تو پہنے بھاریاں

تمہید شیخ امام بخش ناسخ کے حال کی

بزرگان قدیم کی عمدہ یادگار مخدومی مولوی محمد عظیم اللہ صاحب ایک صاحب فضل و عاشق کمال غازی پور زمینیہ (زمانیہ) کے رئیس ہیں اگرچہ بزرگوں کا حال تفصیل معلوم نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ قاضی القضاۃ مفتی اسد اللہ صاحب کی ہمشیرہ یعنی شاہ اجمل صاحب کی نواسی سے ان کی شادی ہوئی مولوی صاحب موصوف کے والد کی شیخ امام بخش ناسخ سے نہایت دوستی تھی۔ میرے دوستو! اگلے وقتوں کی دوستیاں کچھ اور دوستیاں تھیں۔ آج تمہارے روشنی کے زمانہ میں انکی کیفیت بیان کرنے کو لفظ نہیں ملتے جن سے اُن کے خیالوں کا دلوں میں عکس جاؤں۔ ہائے استاد ذوق

اب زباں پر بھی نہیں آ آ کہیں الفت کا نام | اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہو

غرض جذب جنسیت اور اتحاد طبیعت ہمیشہ مولوی صاحب کے والد کو غازی پور سے لکھنو کھینچکر لے جاتا تھا۔ مہینوں وہیں رہتے تھے۔ مولوی صاحب کا ۵ برس کا سن تھا۔ یہ بھی والد کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس وقت سے شیخ ناسخ کی خدمت میں رہے اور رسالہا سال فیض حضوری سے بہرہ یاب ہوئے۔ رنگینؔ تخلص انہی نے عنایت فرمایا جسے ۱۲ سال تلمذ نکلتے ہیں۔ عربی فارسی کی کتب تحصیلی الٰہ آباد اور لکھنؤ میں حاصل کیں۔ اردو۔ فارسی کی انشا پردازی میں کئی مجلد لکھ کر رکھ چھوڑے ہیں جانتے ہیں کہ ان کی فصل اب بالکل نکل گئی ہوا مخالف ہے اس لئے نہ آپ گوشۂ عافیت سے نکلتے ہیں نہ انہیں نکالتے ہیں۔ عہد جوانی میں سرکار سے بھی باقتدار او معزز عہدے حاصل کئے۔ اب بڑھاپے نے پنشن خوار بنا کر خانہ نشین کر دیا ہے۔ بندۂ آزاد کو اسی آب حیات کی بدولت اُن کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا اور انہوں نے سب حالات شیخ موصوف کے لکھکر گرانبار احسان فرمایا جو کہ اب طبع ثانی میں درج ہوتے ہیں۔ آزاد اُن کا صدق دل سے ممنون احسان ہے ہمیشہ عنایت ناموں سے ممنون فرماتے رہتے ہیں جن کے حرف حرف سے محبت کے آبحیات ٹپکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ اس زمانے کے لئے بالکل اجنبی ہیں۔ نئی روشنی والے کہتے ہیں کہ روشنی نہیں روشنی نہیں۔ جناب رنگینؔ اور بندہ آزاد کی آنکھوں سے کوئی دیکھے کہ دنیا اندھیر ہے۔

سراغ یک نگاہ آشنا از کس نمے یا بم | جہاں چوں نرگستان ہے تو شہر کور میباشد

اب تک زیارت نہیں ہوئی مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی انجان آدمی ایک نئے ملک میں جا پڑے جہاں وہ نہ کسی کی سمجھے نہ کوئی اس کی۔ اور وہ ہکا بکا ایک ایک کا منہ دیکھے اسی طرح وہ بھی آج کل کے لوگوں کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ کجا ناسخ و آتش کے مشاعرے اور کجا کمیٹیوں کے جلسے۔ شیخ صاحب اور خواجہ صاحب کے حالات جو انہوں نے لکھکر بھیجے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کے آنسو تھے حرفوں کے رنگ میں بہ نکلے ہیں۔ یہ درد

www.urduchannel.in

کوئی آزاد کے دل سے پوچھے کہ جب شیخ ابراہیم ذوق کا نام آتا ہے۔ چھاتی پر سانپ لوٹ جاتا ہے +

بنال بلبل اگر با منت سر یاری ست	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زار یست

شیخ ناسخ کا حال لکھتے لکھتے رکتے ہیں "کیا کہوں کہ میرے حال پر کیسی شفقت فرماتے تھے۔ دو دیوان خود لکھکر مجھے دئے۔ ایک مُہر عقیق پر کھدوا کر مجھے دی۔ اب تک موجود ہے۔ رعنی سلمہ اللہ نے جو پور اور غازی پور وغیرہ کے حالات بھی بھیجے جن کی بدولت دربار اکبری ہمیشہ شکر گذار رہیگا۔ خدا کرے کہ جلد وہ مرقع سج کر اہل نظر کی پیشگاہ میں جلوہ گر ہو۔

شیخ امام بخش ناسخ کا حال شیخ صاحب کی شاعری کا وطن لکھنؤ ہے مگر کمال سے لاہور کو فخر کرنا چاہیئے جو کہ ان کے والد کا وطن تھا۔ خاندان کے باب میں فقط اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے[۲۵] تھے۔ اور بعض اشخاص کہتے ہیں کہ اس دولتمند لاولد نے متبنیٰ کیا تھا۔ اصلی والد عالم غربت میں مغرب سے مشرق کو گئے۔ فیض آباد میں ان کی قسمت سے یہ ستارہ چمکا کہ فلکِ نظم کا آفتاب ہوا۔

خدا کی دین کا موسےٰ سے پوچھئے احوال	کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

غریب باپ سے صاحب نصیب بیٹے کے سوا وہاں بھی نصیبہ نے رفاقت نہ کی مگر اس دولتمند سوداگر نے کہ لاولد تھا بلند اقبال لڑکے کو فرزندی میں لے کر ایسا تعلیم و تربیت کیا کہ بڑے ہو کر شیخ امام بخش ناسخ ہو گئے۔ اور اس مجازی باپ کی بدولت دنیا کے ضروریات سے بے نیاز رہے۔ وہ مر گیا تو اس کے بھائیوں نے دعوے کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے مال دولت سے کچھ غرض نہیں۔ جس طرح ان کو باپ سمجھتا تھا آپ کو سمجھتا ہوں۔ اتنا ہے کہ جس طرح وہ میری ضروریات کی خبرگیری کرتے تھے اس طرح آپ فرمائیے۔ انہوں نے قبول کیا +

[۲۵] رعنی سلمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ان کے والد لاہور سے گئے تھے۔ بنفشہ اور زعفران وغیرہ اشیاء قیمتی کابل و کشمیر کی تجارت کرتے تھے۔ شیخ مرحوم بعالم خوردسالی ہمراہ تھے۔ والد اصلی اور خدا بخش کا کچھ ذکر نہیں لکھا۔

www.urduchannel.in

چچا نے زہر دیا

ناسخ فساد خون کے سبب سے ایک موقع پر فقط مینی روٹی گھی میں چوپڑ کر کھایا کرتے تھے۔ بدنیت چچا نے اس میں زہر دیا۔ لوگوں نے یہ مصالحہ لگایا کہ ایک جن ان کا دوست ہے اس نے آگاہ کیا۔ حکایت عنقریب روایت کی جاتی ہے، بہرحال کسی قرینہ سے انہیں معلوم ہوگیا۔ اسی وقت چند دوستوں کو بلا کر ان کے سامنے ٹکڑا کتے کو دیا آخر ثابت ہوا کہ فی الحقیقۃ اس میں زہر تھا۔ چند روز کے بعد وراثت کا جھگڑا عدالت شاہی تک پہنچا جس کا فیصلہ شیخ مرحوم کی حیات پر ہوا۔ اس وقت انہوں نے چند رباعیاں کہکر دل خالی کیا۔ دوان میں سے یہ ہیں۔

رباعی مشہور ہے گرچہ افترائے اعمام
پر کرتے نہیں غور خواص اور عوام
وارث ہونا دلیل فرزندی ہے
میراث نہ پاسکا کبھی کوئی غلام

رباعی۔ کہتے رہے اعمام عداوت سے غلام
میراث پدر پائی مگر میں نے تمام
اس دعوی باطل سے ستمگاروں کو
حاصل یہ ہوا کہ گئے مجکو بدنام

غور کرو تو بتنی ہونا کچھ عیب کی بات نہیں دنیا کی غربی میری جاڑے اور گرمی کی طرح بدلتی رہتی ہے۔ ایک امیر الامرا کو صرف چند پشت کے اندر دیکھو تو ممکن نہیں کہ ایک وقت اس کے گھر میں افلاس کا گذر نہ ہوا ہو۔ البتہ وہ بے استقلال قابل ملامت ہے کہ اس عالم میں رحمت الٰہی کا انتظار نہ کرسکے اور ایسے کام کر گذرے جو نام پر داغ دے جائیں۔ غرض شیخ صاحب کے اس معاملہ کو حریفوں نے بدرنگ لباسوں میں دکھایا ہے جس کا ذکر عنقریب آتا ہے۔ وہ فیض آباد میں تھے۔ لکھنو کے دارالخلافہ ہوجانے سے وہاں آئے اور وہیں عمر بسر کی **ٹکسال** ایک محلہ مشہور ہے۔ اس میں بیٹھکر شہ کے چاندی سونے پر سکہ لگاتے تھے اور کھوٹے کھرے مضمون کو پرکھتے تھے +

تحصیل علمی

فارسی کی کتابیں حافظ وارث علی لکھنوی سے پڑھی تھیں اور علمائے فرنگی محل سے بھی تحصیلی کتابیں حاصل کی تھیں۔ اگرچہ عربی استعداد فاضلانہ نہ تھی مگر رواج علم اور صحبت کی برکت سے فن شاعری کی ضروریات سے پوری واقفیت تھی۔ اور نظم سخن میں

ان کی نہایت پابندی کرتے تھے۔

شیخ ناسخ کی تعزیز شاگردی کے باب میں

شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے مگر ابتدا سے شعر کا عشق تھا۔ مولانا رعنی فرماتے ہیں مجھ سے خود شیخ صاحب نے آغاز شاعری کا حال نقل فرمایا کہ میر تقی مرحوم ابھی زندہ تھے جو مجھے ذوقِ سخن نے بے اختیار کیا۔ ایک دن اغیار کی نظر بچا کر کئی غزلیں خدمت میں لے گیا انہوں نے اصلاح نہ دی[۲۴]۔ میں دل شکستہ ہو کر چلا آیا اور کہا کہ میر صاحب بھی آخر آدمی ہیں فرشتہ تو نہیں۔ اپنے کلام کو آپ ہی اصلاح دونگا۔ چنانچہ کہتا تھا اور رکھ چھوڑتا تھا۔ چند روز کے بعد پھر دیکھتا۔ جو سمجھ میں آتا اصلاح کرتا۔ اور رکھ دیتا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر فرصت میں نظر ثانی کرتا اور بناتا۔ غرض مشق کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ لیکن کسی کو سناتا نہ تھا۔ جب تک خوب اطمینان نہ ہوا۔ مشاعرہ میں غزل نہ پڑھی۔ نہ کسی کو سنائی۔ مرزا حاجی[۲۵] صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا۔ سید انشا۔ مرزا قتیل۔ جرات۔ مصحفی۔ وغیرہ سب شعرا جمع ہوتے تھے۔ میں جاتا تھا۔ سب کو سنتا تھا۔ مگر وہاں کچھ نہ کہتا تھا۔ ان لوگوں میں جو لون مرچ سید انشا اور جرات کے کلام میں ہوتا تھا وہ کسی کی زبان میں نہ تھا۔ غرض سید انشا اور مصحفی کے معرکے بھی ہو چکے۔ جرات اور ظہور اللہ خاں نوا کے ہنگامے بھی طے ہو گئے۔

جب زمانہ سارے ورق الٹ چکا اور میدان صاف ہو گیا تو مینے غزل پڑھنی شروع

---

[۲۴] ان کی طبیعت اور زبان۔ دونوں سے میل کھانے والی تھیں۔ اور بے دماغی اس پر طرہ۔ افسوس میر صاحب نے جو الفاظ فرمائے ہونگے۔ سننے کے قابل ہونگے۔ مگر شیخ صاحب نے وہ کسی کو کب سنائے ہونگے

[۲۵] رقعات مرزا قتیل میں ان کا ذکر اکثر آتا ہے۔ نہایت رسا اور صاحب عقل اور با تدبیر شخص تھے۔ نواب سعادت علی خان اور صاحب رزیڈنٹ کے درمیان میں واسطہ ہو کر اکثر مقدمات سلطنت کو رو براہ کرتے تھے۔ لاکھوں روپیے کی املاک بہم پہنچائی تھی۔ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے اہل عالم کو امیرانہ شان دکھاتے تھے۔ علم و فضل اور شعر و سخن کا شوق تھا۔ اس لئے اکثر اہل کمال ان کے مکان پر جمع ہوتے تھے۔

www.urduchannel.in

کی۔ اس موقع پر مرزا حاجی صاحب۔ مرزا فتیل۔ اور حاجی محمد صادق خان اخترؔ نے بڑی قدردانی کی اور ان کے دل بڑھانے سے کلام نے روز بروز رنگ پکڑنا شروع کیا۔ لوگوں کے دلوں میں بھی یہانتک شوق پیدا ہوا کہ جو غزل کہکر پڑھتا تھا۔ پھر بھی مشتاق رہ جاتے تھے منظر[۲۵] اور گرم کو موت نے ٹھنڈا کیا۔ خواجہ حیدر علی آتش۔ شیخ مصحفی کے ارشد تلامذہ نے محاورہ بندی میں نام نکالا۔ ایک دفعہ کئی مہینے بعد۔ فیض آباد سے آئے مشاعرہ میں جو میری غزلیں سنیں تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھایا۔ اور اسی دن سے بگاڑ شروع ہوا انہوں نے آتش رشک کی جلن میں اس جانکاہی اور سینہ خراشی سے غزلیں کہیں کہ سینہ سے خون آنے لگا +

غرض شیخ صاحب کا شوق ہمیشہ مشاعرہ میں لے جاکر دل میں امنگ اور طبیعت میں جوش بڑھاتا تھا۔ اور آسودہ حالی اکثر شعرا۔ اہل فہم۔ اور اہل کمال کو ان کے گھر کھینچ لاتی تھی۔ ان کی صحبتوں میں طبیعت خود بخود اصلاح پاتی گئی۔ رفتہ رفتہ خود اصلاحیں دینے لگے۔ **بعض** سن رسیدہ اشخاص سے سنا گیا کہ ابتدا میں شیخ مصحفی سے اصلاح لیتے تھے مگر کسی شعر پر ایسی تکرار ہوئی کہ انہوں نے ان کا آنا بند کر دیا۔ یہ بطور خود غزلیں کہتے رہے۔ اور تنہا تخلص ایک شخص تھے۔ ان سے تنہائی میں مشورت کرتے رہے۔ جب اطمینان ہوا تو مشاعروں میں غزل پڑھنے لگے۔ لیکن مصحفی والی روایت قابل اعتبار نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے تذکرہ میں تمام شاگردوں کے نام لکھدیے ہیں۔ ان کا نام نہیں ہے (مولانا رعنی فرماتے ہیں)

ورزش اور ریاضت کا شوق بہت تھا

پہلوان سخن کو ابتدائے عمر سے ورزش کا شوق تھا۔ خود ورزش کرتے تھے بلکہ احباب کے نوجوانوں میں جو حاضر خدمت ہوتے اور ان میں کسی ہونہار کو ورزش کا شوق دیکھتے تو

---

[۲۴] اخترؔ اپنے زمانہ کے ایک جامع الکمالات شخص تھے اور اکثر شاعرانہ اور عالمانہ تنازع ان کے سامنے آکر فیصلہ ہوتے تھے۔

[۲۵] منظر اور گرم۔ شیخ مصحفی کے نامور شاگرد تھے۔

خوش ہوتے اور چونپ دلاتے، ۱۲۹۰ ڈنڑ کا تو معمول تھا کہ یا غفور کے عدد میں یہ وظیفہ قضا نہ ہوتا تھا۔ البتہ موقع اور موسم پر زیادہ ہو جاتے تھے اُنہیں جیسا ریاضت کا شوق تھا ویسا ہی ڈیل ڈول بھی لائے تھے۔ بلند بالا۔ فراخ سینہ مُنڈا ہُوا سر کھاروے کا لنگ باندھے بیٹھے رہتے تھے۔ جیسے شیر بیٹھا ہے۔ جاڑے میں تن زیب کا کُرتا۔ بہت ہُوا تو لکھنو کی چھینٹ کا دوہرا کرتا پہن لیا۔

خوش خوراک تھے

دن رات میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے۔ ظہر کے وقت دسترخوان پر بیٹھتے تھے۔ اور کئی وقتوں کی کسر نکال لیتے تھے۔ پان سیر پختہ وزن شاہجہانی کی خوراک تھی۔ خاص خاص میووں کی فصل ہوتی تو جس دن کسی میوہ کو جی چاہتا اس دن کھانا موقوف۔ مثلاً جامنو کو جی چاہا لگن اور سینیاں بھر کر بیٹھ گئے۔ ۴۔۵ سیر دہی کھا ڈالیں۔ آموں کا موسم ہے تو ایک دن کئی ٹوکرے منگا کر سامنے رکھ لئے۔ ناندوں میں پانی ڈلوا لیا۔ اُن میں بھرے اور خالی کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھٹے کھانے بیٹھے تو گُلّیوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اور یہ اکثر کھایا کرتے تھے۔ دو دیا بھٹے چنے جاتے۔ چاکو سے دانوں پر خط ڈال کر لون مرچ لگتا۔ سامنے بھنتے ہیں۔ لیمو چھڑکتے ہیں اور کھاتے جاتے ہیں۔ میوہ خوری ہر فصل میں دو تین دفعہ۔ بس۔ اور اس میں دو چار دوست بھی شامل ہو جاتے تھے۔

کھانا اکثر تخلیہ میں کھاتے تھے۔ سب کو وقت معلوم تھا۔ جب ظہر کا وقت قریب ہوتا تو رخصت ہو جاتے تھے (یعنی سلم اللہ فرماتے ہیں) مجھے چند مرتبہ ان کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا۔ اس دن نہاری اور نان تافتان بھی بازار سے منگائی تھی۔ پانچ چار پیالوں میں قورمہ۔ کباب۔ ایک میں کسی پرندہ کا قورمہ تھا۔ شلغم تھے۔ چقندر تھے۔ ارہر کی دال دھوئی ماش کی دال تھی۔ اور وہ دسترخوان کا شیر اکیلا تھا مگر سب کو فنا کر دیا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ ایک پیالہ میں سے جتنا کھانا ہے خوب کھا لو۔ اسے خدمتگار اٹھا لے گا۔ دوسرا سامنے کر دے گا۔ یہ نہ ہو سکتا تھا کہ ایک نوالہ کو دو سالنوں میں ڈال کر کھا لو۔ کہا کرتے تھے کہ ملا جلا کر کھانے میں چیز کا مزا جاتا رہتا ہے۔ اخیر میں پلاؤ یا چلاؤ یا خشکہ کھاتے تھے۔ پھر دال اور ۵۔۶ نوالوں کے بعد ایک نوالہ چٹنی یا اچار یا مربے کا۔ کہا کرتے تھے کہ تم جوانوں

www.urduchannel.in

سے تو میں بڑھا ہی اچھا کھاتا ہوں۔ دسترخوان اٹھتا تھا تو دو خوان فقط خالی باسنوں کے بھرے اٹھتے تھے۔ قوی ہیکل بلونت جوان تھے۔ ان کی صورت دیکھکر معلوم ہوتا تھا کہ ۴۔۵ سیر کھانا ان کے آگے کیا مال ہے۔

لطیفہ۔ زمانہ کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ بے ادب گستاخ دُم کٹے بھینسے کی پھبتی کہا کرتے تھے۔ اسی رنگ روغن کی رعایت سے خواجہ صاحب نے چوٹ کی۔

روسیہ دشمن کا یوں پاپوش سے کیجے نگار		جیسے سلمٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا

شیخ صاحب نے خود بھی اس کا عذر کیا ہے اور شاگرد بھی روغن قازمل کر استاد کے رنگ کو چمکاتے تھے۔ اور حریف کے رنگ کو مٹاتے تھے۔ فقیر محمد خاں گویا نے کہا تھا۔

گویا	ہے یقیں گل ہو جو دیکھے گیسوے دلبر چراغ		آگے کالے کے بھلا روشن رہے کیونکر چراغ
شیخ ناسخ	میں گو کہ حسن سے ظاہر میں مثل ماہ نہیں		ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہیں
جواب آتش	فروغ حسن پہ کب رو بر زلف چلتا ہے		یہ وہ چراغ ہے کالے کے آگے جلتا ہے

پہلوان سخن زور آزمائی کے چرچے اور ورزش کی باتوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔ محمی سلمہ اللہ کے والد بھی اس میدان کے جوانمرد تھے۔ رغبتوں کے اتحاد ہمیشہ موافقت صحبت کے لئے سبب ہوتے ہیں اس لئے محبت کے ہنگامے گرم رہتے تھے۔

لطیفہ آغا کلب حسین خاں مرحوم انہیں اکثر بلایا کرتے تھے اور مہینوں مہمان رکھتے تھے ان سے بھی فقط ذوق شعر کا تعلق نہ تھا۔ وہ بھی ایک شہزور۔ شہسوار۔ ورزشی جوان تھے سامان امیرانہ اور مزاج دوستانہ رکھتے تھے چنانچہ ایک موقع پر کہ آغا صاحب سورام سرحدّ نوابی پر تحصیلدار ہو کر آئے۔ شیخ صاحب کو بلا بھیجا کہ چند روز سبزہ و صحرا کی سیر سے طبیعت کو سیراب فرمایئے۔ ایک دن بعض اقسام کے کھانے خاص شیخ صاحب کی نیت سے پکوائے تھے اس لئے وقت معمولی سے کچھ دیر ہو گئی۔ شیخ صاحب نے دیکھا کہ حرم سرا کی ڈیوڑھی سے نوکر اپنے اپنے کھانے لے کر نکلے۔ بلا کر پوچھا کہ یہ کس کے لئے ہے؟ عرض کی ہمارا کھانا ہے۔ فرمایا ادھر لاؤ۔ ان میں سے ۴۔۵ کا کھانا سامنے رکھوا لیا۔ بیٹ

www.urduchannel.in

پوچھ کر باسن حوالے کئے اور کہا کہ ہمارا کھانا آئیگا تو تم کھالینا۔ آغا صاحب کو خبر جا پہنچی۔ لتنے وہ آئیں۔ یہاں کام ختم ہوچکا تھا ؎

جناب مخدوم و مکرم آغا کلبِ عابد خاں صاحب نے بھی اس حکایت کی تصدیق فرمائی اور کہا کہ ان کے مزاج میں شوریدگی ضرور تھی۔ اگرچہ میں ان دنوں میں خورد سال تھا مگر ان کا بار بار آنا اور رہنا اور ان صحبتوں کی شعرخوانیاں۔ خصوصاً مقام سورام کی کیفیتیں سب ہُو بہُو پیش نظر ہیں۔ انہیں بالاخانہ پر اتارا تھا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ بیٹھے ہیں کھاتے کھاتے سالن کا پیالا اٹھایا اور کھڑکی میں سے پھینک کر مارا کہ وہ! چا پڑا! سب دیکھا تو کچھ نہ تھا ؎

؎ مرزا محمد تقی خاں اور محمد شفیع خاں دو بھائی نادر شاہ کے مصاحب تھے ان میں سے محمد تقی خاں ان کے دیوان تھے شاہ مذکور کا قہرِ غضب عالم پر روشن ہے محمد شفیع خان کو جلتی آگ میں جلوا دیا یہ دل برداشتہ ہوکر ہندوستان میں آئے نواب منصور علیخاں صفدر جنگ کے بزرگوں سے اور ان کے بزرگوں سے ایران میں اتحاد تھا چنانچہ اسی سلسلہ سے یہاں ملاقات ہوئی۔ نواب صاحب کمال محبت سے پیش آئے اور بادشاہ دہلی کے دربار سے کچھ خدمت دلوانی چاہی۔ جب انہوں نے منظور نہ کی تو علاقہ اودھ سے دس ہزار روپیہ کی جاگیر کردی۔ شیخ علی حزیں بنارس میں تھے۔ ان سے اور انسے وطن میں بہت دوستی تھی۔ اس لئے بنارس میں جا کر رہے۔ شیخ مرحوم ابھی زندہ تھے کہ انہوں نے انتقال کیا۔ شیخ نے جو سرداب اپنے لئے بنوایا تھا اس کے پہلو میں دفن کیا۔ اور بہت سے اپنے شعر قبر پر لکھے کہ اب تک قایم ہیں۔ ان کے بیٹے کلب علی خاں مرحوم نے سرکار انگریزی میں بزرگوں کی عزت کو روشن کیا۔ راجہ بنارس خورد سال تھے۔ ان کے علاقہ کا کام سپرد ہوا۔ چنانچہ چار لاکھ جن کی آمدنی دہ لاکھ روپیہ تھی ان کے ماسٹے اور فوجداری کے کل اختیارات ان کے ہاتھ میں تھے۔ ان کے بیٹے ڈپٹی کلب حسین خان صاحب ہوئے۔ ان کے بیٹے آغا کلب عابد خان صاحب ہیں جو فی الحال امرتسر میں [illegible] کے اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں اور قابلیت اور متانت اور مروت اور سعادتمندی میں ایک سندی یادگار بزرگان سلف کی ہیں ؎

www.urduchannel.in

تقسیم اوقات

یہ بھی معمول تھا کہ پہر رات رہے سے ورزش شروع کرتے تھے۔ صبح تک اس سے فارغ ہوتے تھے۔ مکان مردانہ تھا۔ عیال کا جنجال رکھا ہی نہ تھا۔ اول نہانے اور پھر صحن میں کہ صفائی سے آئینہ رہتا تھا۔ مونڈھے بچھے ہیں۔ اندر ہیں تو فرش اور سامان آرایش سے آراستہ ہے۔ صبح سے احباب اور شاگرد آنے شروع ہوتے تھے۔ دوپہر کو سب رخصت اور دروازہ بند۔ حضرت دسترخوان پر بیٹھے۔ یہ بڑا کام تھا۔ چنانچہ اس بھاری بوجھ کو اٹھا کر آرام فرمایا۔ عصر سے پھر آمد شروع ہوئی۔ مغرب کے وقت سب رخصت۔ دروازہ معمور خدمتگار کو بھی باہر کیا۔ اور اندر سے قفل جڑ دیا۔ کوٹھے پر ایک کمرہ خلوت کا تھا۔ وہاں گئے کچھ سو رہے اور تھوڑی دیر بعد اٹھکر فکر سخن میں مصروف ہوئے۔ عالم خوابِ غفلت میں پڑا سناتا تھا۔ اور وہ خواب راحت کے عوض کاغذ پر خون جگر ٹپکاتے تھے (استاد مرحوم کا ایک مطلع یاد آگیا جس کا مصرع آخر اس انگوٹھی پر نگینا ہوگیا)

میرا گریہ تیرے رخسار کو چمکاتا ہے	تیل اس آگ پہ تل آنکھ کا ٹپکاتا ہے

شاگرد جو غزلیں اصلاح کو دیتے تھے۔ نوکر انہیں ایک کہاروے کی تھیلی میں بھر کر پہلو میں رکھ دیتا تھا۔ وہ بھی بناتے تھے۔ جب پچھلا پہرا ہوا تو کاغذ تہ ہوئے اور پھر وہی ورزش +

حقہ کا بہت شوق تھا

حقہ کا بہت شوق تھا۔ عمدہ عمدہ حقے منگاتے تھے۔ تحفوں میں آتے تھے۔ انہیں موزوں نیچوں سے سجاتے تھے۔ کلیاں۔ گڑگڑیاں۔ سٹک پیچواں۔ چوگانی مدرے وغیرہ وغیرہ ایک کوٹھڑی بھری ہوئی تھی۔ یہ نہ تھا کہ جلسہ میں دو حقے ہیں وہی دورہ کرتے ہیں۔ ہر ایک کے موافق طبع الگ حقہ اس کے سامنے آتا تھا۔ ان صحبتوں میں بھی شاگردوں کے لئے اصلاح اور افادہ ہو جاتا تھا۔

آداب محفل کا بہت خیال تھا۔ آپ تکیہ سے لگے بیٹھے رہتے تھے۔ شاگرد (جن میں اکثر امیرزادے شرفا ہوتے تھے) باادب بچھونے کے حاشیہ پر بیٹھتے جاتے۔ دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ شیخ صاحب کچھ سوچتے کچھ لکھتے جب کاغذ ہاتھ سے رکھتے تو کہتے۔ ہوں!

www.urduchannel.in

ایک شخص غزل سنانی شروع کرتا۔ کسی شعر میں کوئی لفظ قابل تبدیل ہوتا۔ یا پس و پیش کے بغیر سے کام نکلتا تو اصلاح فرماتے۔ نہیں تو کہہ دیتے یہ کچھ نہیں نکال ڈالو۔ یا اس کا پہلا یا دوسرا مصرع اچھا نہیں۔ اسے بدلو۔ یہ قافیہ خوب ہے مگر اچھے پہلو سے نہیں بندھا۔ طبیعت پر زور ڈالکر کہو۔ جب وہ شخص پڑھ چکتا تو دوسرا پڑھتا۔ اور کوئی بول نہ سکتا تھا۔

عجیب ڈھکوسلا

لکھنو کے امیرزادے جنہیں کھانے کے ہضم کرنے سے زیادہ کوئی کام دشوار نہیں ہوتا ان کے وقت گذارنے کے لئے مصاحبوں نے ایک عجیب چورن تیار کیا۔ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب سے ایک جن کو محبت تھی۔ ان کا معمول تھا۔ ورزش کے بعد صبح کو ایک بینی پراٹھا گھی میں تر تراتا کھایا کرتے تھے۔ اول اول ایسا ہوتا رہا کہ جب کھانے بیٹھتے۔ پراٹھا برابر غایب ہوتا چلا جاتا۔ یہ سوچتے مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔ بالاخانہ میں دروازہ بند کر کے اکیلے ورزش کیا کرتے تھے۔ ایک دن مگدر ہلا رہے تھے۔ دیکھتے ہیں۔ ایک شخص اور سامنے کھڑا مگدر ہلا رہا ہے حیران ہوئے۔ بدن میں جوانی اور پہلوانی کا بل تھا۔ لپٹ گئے۔ تھوڑی دیر زور ہوتا رہا اسی عالم میں پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ تمہاری ورزش کا انداز پسند آیا ہے اس لئے کبھی کبھی ادھر آنکلتا ہوں۔ اکثر کھانے میں بھی شریک ہوتا ہوں مگر بغیر اظہار کے محبت کا مزا نہیں آتا۔ آج ظاہر کیا۔ اس دن سے ان کی ان کی راہ ہوگئی اس نے زہر کے راز سے بھی آگاہ کیا تھا۔ بعض اشخاص کہتے ہیں۔ پرخوری کے سبب سے لوگ کہتے تھے کہ ان کے پیٹ میں جن ہے +

کسی کی نوکری نہیں کی

سرمایۂ خداداد۔ اور جوہر شناسوں کی قدردانی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ پہلی دفعہ الہ آباد میں آئے ہوئے تھے جو راجہ چندولال نے ۱۲ ہزار روپے بھیجکر بلا بھیجا۔ انہوں نے لکھا کہ اب مینے سید کا دامن پکڑا ہے اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ یہاں سے جاؤں گا تو لکھنو ہی جاؤنگا۔ راجہ موصوف نے پھر خط لکھا بلکہ ۱۵ ہزار روپے بھیجکر بڑے اصرار سے کہا کہ یہاں تشریف لائیگا تو ملک الشعرا خطاب دلواؤنگا۔ حاضری

www.urduchannel.in

دربار کی قید نہ ہوگی۔ ملاقات آپ کی خوشی پر رہیگی۔ انہوں نے منظور نہ کیا اور روپے آغا کلب حسین خانصاحب کے پاس رکھوا دیئے۔ جب ضرورت ہوتی منگا لیتے اور انپر کیا منحصر ہے۔ نواب معتمد الدولہ اور ان کے بیٹے ہمیشہ خدمت کو حاضر تھے۔ تحفے نذرانے جابجا سے آتے رہتے تھے۔ یہ بھی کھاتے اور کھلاتے ہی رہتے تھے۔ سادات۔ اہل حج۔ اہل زیارت کو دیتے تھے اور آزادی کے عالم میں جہاں جی چاہتا وہاں جا بیٹھتے جس کے ہاں جاتے وہ اپنا فخر سمجھتا تھا+

سیاحی کی مسافت فیض آباد سے لکھنؤ اور وہاں سے الہ آباد۔ بنارس عظیم آباد۔ پٹنہ تک رہی۔ چاہا تھا کہ شیخ علی حزین کی طرح بنارس میں بیٹھ جائیں چنانچہ الہ آباد سے وہاں گئے مگر اپنی ملت کے لوگ نہ پائے اس لئے دل برداشتہ ہوکر عظیم آباد گئے۔ وہاں کے لوگ نہایت مروّت اور عظمت سے پیش آئے مگر ان کا جی نہ لگا۔ گھبرا کر بھاگے اور کہا کہ یہاں میری زبان خراب ہوجائے گی۔ الہ آباد میں آئے۔ پھر شاہ اجمل کے دایرہ میں مرکز پکڑا اور کہا۔

پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم	آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

لکھنؤ سے کیوں نکلے

لکھنؤ سے نکلنے کا سبب یہ ہوا تھا کہ غازی الدین حیدر کے عہد میں جب ان کی تعریفوں کی آوازیں بہت بلند ہوئیں تو انہوں نے نواب معتمد الدولہ آغا میر اپنے وزیر سے کہا کہ اگر شیخ ناسخ ہمارے دربار میں آئیں اور قصیدہ سنائیں تو ہم انہیں ملک الشعرا خطاب دیں معتمد الدولہ ان کے با اخلاص شاگرد تھے۔ جب یہ پیغام پہنچایا تو انہوں نے بگڑ کر جواب دیا کہ مرزا سلیمان[۲۵] شکوہ بادشاہ ہوجائیں تو وہ خطاب دیں۔ یا گورنمنٹ انگلشیہ خطاب دے۔ ان کا خطاب لیکر میں کیا کرونگا۔ نواب کے مزاج میں کچھ وحشت بھی تھی حسب الحکم شیخ صاحب کو نکلنا پڑا۔ اور چند روز الہ آباد میں جاکر رہے نواب مرگئے تو پھر لکھنؤ میں آئے۔ چند روز کے بعد حکیم مہدی چکے

[۲۵] مرزا سلیمان شکوہ اکبر شاہ کے بھائی تھے۔ دلی چھوڑ کر لکھنؤ جا رہے تھے۔ سرکار لکھنؤ کی بدولت شکوہ و شان سے زندگی بسر کرتے تھے۔

بزرگ کشمیری تھے۔ شاہ اودھ کی سرکار میں مختار تھے۔ وہ ایک بدگمانی میں معزول ہو کر نکلے۔ چونکہ وہ نواب آغا میر کے رقیب تھے۔ شیخ صاحب نے تاریخ کہی جس کا مادّہ ہے۔ ع
کا شو برائے پختن شلغم گریختہ۔ مشکل یہ کہ چند روز کے بعد وہ پھر بحال ہو کر آ گئے۔ شاعر نے الٰہ آباد کو گریز کی۔ لیکن اکثر غزلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لکھنؤ سے جدا ہوئے ترپتے اور دن ہی گنتے رہے (ایک شعر میں بھی لکھتا ہوں)

دشت سے کب وطن کو پہنچوں گا		کہ چھٹا اب تو سال آ پہنچا ۔

حکیم مہدی کو دوبارہ زوال ہوا تو انہوں نے پھر تاریخ کہی (رنیا انداز ہے اس لئے لکھتا ہوں)

از جائے حکیم ہشت برگیر		سہ مرتبہ نصف نصف کم کن ۱۲۴۸

اب کی دفعہ جو آئے تو ایسے گھر میں بیٹھے کہ مر کر بھی نہ اٹھے۔ گھر ہی میں دفن ہوئے میر علی اوسط رشک ان کے شاگرد رشید نے تاریخ کہی۔ ع۔ دلا شعر گوئی اٹھی لکھنؤ سے
۱۲۵۴ھ۔ لوگ کہتے ہیں ۶۴-۶۵ برس کی عمر تھی مگر رعنی سلمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تقریباً سو برس کی عمر ہو گی اکثر عہد سلف کے معرکے اور نواب شجاع الدولہ کی باتیں آنکھوں سے دیکھی بیان کرتے تھے۔

دیوانوں کی کیفیت

دیوان ۳ ہیں مگر ۲ مشہور ہیں۔ ایک الٰہ آباد میں مرتب کیا تھا۔ بیوطنی کا عالم۔ دل پریشان۔ غزلیں خاطر خواہ بہم نہ پہنچیں اس لئے **دفتر پریشان** نام رکھا۔ ان میں غزلوں رباعیوں۔ اور تاریخوں کے سوا اور قسم کی نظم نہیں **قصاید** کا شوق نہ تھا۔ چنانچہ نواب لکھنؤ کی تاریخ و تہنیت میں بھی کبھی کچھ کہا ہے تو بطور قطعہ ہے۔ **ہجو** کے کانٹوں سے ان کا باغ پاک ہے۔

ایک مثنوی حدیث مفضل کا ترجمہ ہے میر علی اوسط رشک نے اسے ترتیب دیا۔ اور اس کا تاریخی نام نظم سراج رکھا ہے۔ اور ایک مولود شریف بھی شیخ صاحب کی تصنیف ہے۔ عموماً کلام ان کا شاعری کے ظاہری عیبوں اور لفظی سقموں سے سب پاک

www.urduchannel.in

ہے۔ اور اس امر میں انہیں اتنی کوشش ہے کہ اگرچہ ترکیب کی چستی یا کلام کی گرمی میں فرق آجائے مگر اصول ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اور یہہ سلامت روی قرین مصلحت ہے کیونکہ نئے تصرف اور ایجاد انسان کو اکثر ایسے اعتراضوں کے نشانے پر لاڈالتے ہیں جہاں سے سرکا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عیوب و اغلاط سے کلام بہت پاک ہے۔

غزلوں کا انداز — غزلوں میں شوکت الفاظ۔ اور بلند پروازی۔ اور نازک خیالی بہت ہے۔ اور تاثیر کم۔ صائب کی تشبیہ و تمثیل کو اپنی صنعت میں ترکیب دے کر ایسی دستکاری اور مینا نگاری فرمائی کہ بعض موقع پر بیدل اور ناصر علی کی حد میں جا پڑے۔ اور اردو میں وہ اس سے صاحب طرز قرار پائے۔ انہیں ناسخ کہنا بجا ہے۔ کیونکہ طرز قدیم کو نسخ کیا۔ جس کا خود بھی انہیں فخر تھا۔

تاریخیں، قصیدہ — دیوان کے اخیر میں بہت سی تاریخیں ہیں اور اکثروں میں نہایت عمدہ اور برجستہ مادّے نکالے ہیں۔ شوکت الفاظ کہتی ہے کہ اگر وہ قصیدہ کہتے تو خوب کہتے مگر افسوس کہ اس طرف توجہ نہ کی[۲۵]۔

نظم سراج کی نظم لوگوں کی رائے میں ان کے رتبۂ عالی سے گری ہوئی ہے۔ اور چونکہ پابندی ترجمۂ حدیث کی ہے اس لئے اس پر گرفت بیجا ہے۔ چند شعر نمونے کے طور پر ہیں۔

کی خدا نے جو یہ زبان عطا	ہے بلاشک عطیۂ عظمے
اس سے ہے مختلف مزوں کی تمیز	اس سے پاتے ہیں لذت ہر چیز
کوئی کڑوی ہے کوئی ہے میٹھی	نمکیں کوئی کوئی کھٹ میٹھی

[۲۵] اردوئے معلّے میں غالب مرحوم کا ایک خط مرزا حاتم علی مہر کے نام ہے اس میں لکھا ہے۔ ناسخ مرحوم جو تمہارے استاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے مگر یک فنی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدہ اور مثنوی سے انہیں کچھ علاقہ نہ تھا۔ اسی کتاب میں چودھری عبدالغفور کے خط میں چند شعر منتخب اساتذۂ متقدمین کے لکھکر تحریر کیا ہے۔ ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر نیز نشتر ہیں۔

www.urduchannel.in

کوئی اچھی ہے کوئی زشت و زبوں	مزے سب چیزوں کے ہیں گوناگوں
سب مزوں سے زبان واقف ہے	نہیں اسرار کی یہ کاشف ہے
جو نہو یہ تو کچھ نہ ہو معلوم	نہ ہو کوئی مزا کبھی مفہوم
اور بھی ہوتے ہیں زبان سے کام	ہے مدد وقت بلع آب و طعام
اس سے احکام ہر دنداں ہے	قوت تام بہر دنداں ہے

کوئی ناواقف شخص شایق کلام آتا تو چند بے معنی غزلیں بنا رکھی تھیں۔ ان میں سے کوئی شعر پڑھ دیتے۔ یا اسی وقت چند بے ربط الفاظ جوڑ کر موزوں کر لیتے اور سناتے۔ اگر وہ سوچ میں جاتا اور چپ رہ جاتا تو سمجھتے تھے کہ کچھ سمجھتا ہے اسے اور سناتے تھے۔ اور اگر اس نے بے تحاشا تعریف کرنی شروع کر دی تو اسی طرح کے ایک دو شعر پڑھ کر چپکے ہو رہتے تھے مثلاً

آدمی محفل میں دیکھے مور چے بادام میں	ٹوٹی دریا کی کلائی زلف الجھی دام میں
تو نے ناسخ وہ غزل آج لکھی ہے کہ ہوا	سب کو مشکل ید بیضا میں سخنداں ہونا

بلکہ اکثر خود سناتے بھی نہ تھے۔ جب کوئی آتا اور شعر کی فرمایش کرتا تو دیوان اٹھا کر سامنے رکھ دیتے تھے کہ اس میں سے دیکھ لیجئے۔ دو تین خوشنویس کاتب بھی نوکر رہتے تھے۔ دیواں کی نقلیں جاری تھیں۔ جس دوست یا شاگرد کو لایق اور شایق دیکھتے اسے عنایت فرماتے تھے۔

شیخ صاحب اور خواجہ صاحب کا مقابلہ

انہوں نے اور ان کے ہمعصر خواجہ حیدر علی آتش نے خوبیٔ اقبال سے ایسا زمانہ پایا جس نے ان کے نقش و نگار کو تصاویر مانی و بہزاد کا جلوہ دیا۔ ہزاروں صاحب فہم دونو کے طرفدار ہو گئے اور طرفین کو چمکا چمکا کر تماشے دیکھنے لگے۔ لیکن حق پوچھو تو اُن فتنہ انگیزوں کا دونو کو احسانمند ہونا چاہئے کیونکہ روشنیٔ طبع کو اشتعالک دیتے تھے۔

ان دونو صاحبوں کے طریقوں میں بالکل اختلاف ہے۔ **شیخ صاحب** کے پیرو مضمون دقیق کو ڈھونڈھتے ہیں۔ **خواجہ صاحب** کے معتقد محاورہ کی صفائی۔ کلام کی سادگی کے بندے ہیں، در شعر کی تڑپھ اور کلام کی تاثیر پر جان قربان کرتے ہیں۔ ان

لوگوں کو شیخ صاحب کے کلام پر چند قسم کے اعتراض ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے بعض باتوں میں سینہ زوری اور شدت ہے۔ لیکن مورخ کو ہر امر کا اظہار واجب ہے اس لئے قلم انداز بھی نہیں کر سکتا۔

اول۔ کہتے ہیں کہ شیخ صاحب کی اکثر نازک خیالیاں ایسی ہیں کہ کوہ کندن و کاہ برآوردن۔ چنانچہ اشعار مفصلۂ ذیل نمونۂ **نازک خیالی** ہیں۔

میری آنکھوں نے تجھے دیکھ کے وہ کچھ دیکھا	کہ زبانِ مژہ پر شکوہ ہے بینائی کا
کھل گیا ہم پر عناصر جب ہوئے بے اعتدال	رابطہ واجب سے ممکن دوست دشمن میں نہیں
کی خدائے کافروں پر اے صنم جنت حرام	ورنہ کس کی آنکھ پڑتی تیرے ہوتے حور پر
کوئے جاناں میں ہوں پر محروم ہوں دیدار سے	پائے خفتہ خندہ زن ہیں دیدۂ بیدار پر
وہ آفتاب نہ ہو کس طرح سے بے تاب	ہوا نہ سر سے کبھی سایۂ سحاب ہوا

خواجہ صاحب کے معتقد کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے غزل کے اصول کو سمجھا ہے یعنی فارسی میں خواجہ حافظ۔ اور شیخ سعدی سے۔ اور اردو میں۔ سوز۔ میر۔ اور جرأت سے سند پائی وہ اسے غزل نہ کہینگے۔ مگر یہ بات ایسی گرفت کے قابل نہیں۔ کیونکہ فارسی میں بھی جلال اسیر۔ قاسم مشہدی۔ بیدل اور ناصر علی۔ وغیرہ استاد ہو گذرے ہیں جنہوں نے اپنے نازک خیالوں کی بدولت خیال بند۔ اور معنی یاب لقب حاصل کیا ہے شیخ صاحب نے ان کی طرز اختیار کی تو کیا بُرا کیا۔ یہ بھی واضح ہو کہ جن لوگوں کی طبیعت میں ایسی خیال بندیوں کا انداز پیدا ہوا ہے۔ اس کے کئی سبب ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ بعض طبیعتیں ابتدا ہی سے پُر زور ہوتی ہیں۔ فکر ان کے تیز اور خیالات بلند ہوتے ہیں۔ مگر استاد نہیں ہوتا جو اس ہونہار بچھیرے کو روک کر نکالے اور اصول کی باگوں پر لگائے پھر اس خود سری کو اُن کی آسودہ حالی اور بے احتیاطی زیادہ قوت دیتی ہے جو کسی جوہر شناس یا سخن فہم کی پرواہ نہیں رکھتی۔ وہ اپنی تصویریں آپ کھینچتے ہیں۔ اور آپ اُن پر قربان ہوتے ہیں بلکہ شوقین۔ داد دینے والے جو کھوٹے کھرے کے پرکھنے والے ہیں اور حقیقت میں پسند عام کے وکیل بھی وہی ہیں۔ اِن

نازک خیالوں کو اُن کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی دولتمندی اپنے گھر پر اپنا دربار الگ لگاتی ہے۔ جس میں بعض اشخاص دقت پسندی اور باریک بینی میں ان کے ہم مزاج ہوتے ہیں۔ بعض فقط باتوں باتوں ہی میں خوش کر دینے کا شوق رکھتے ہیں۔ بعض کو اپنی گرہ کی عقل نہیں ہوتی۔ جس طرف لوگوں کو دوڑتے دیکھا آپ بھی دوڑنے لگتے ہیں۔ غرض ایسے ایسے سبب ہوتے ہیں جو بھلے چنگے آدمی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر خود پسندی کے ناہموار میدانوں میں دھکیل دیتے ہیں۔

عربی فارسی کے سنگین لفظوں کا بوجھ غزل نہیں اٹھا سکتی

دوسرا اعتراض ان کے حریفوں کا ان سخت اور سنگین الفاظ پر ہے جن کے بھاری وزن کا بوجھ غزل کی نزاکت و لطافت ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ اور کلام بھدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کچھ اشعار اس قبیل کے بھی لکھے جاتے ہیں +

بے خطر یوں ہاتھ دوڑاتا ہوں زلفِ یار پر
دوڑتا تھا جس طرح ثعبان ہوسئے مار پر

تو وہ خورشید ہے اُلٹے جو گلستاں میں نقاب
چہرۂ گل میں تلوّن ہو وہیں حربا کا

برنگِ گل جگر ہوتا ہے ٹکڑے سیرِ گلشن میں
ہوا ہے تیغِ غم بے یار نظارہ سپرِ غم کا

آگے مجھ کامل کے ناقص ہے کمالِ مدعی
درمیاں ہے فرق استدراج اور اعجاز کا

ہِل گیا ہے عشق کا آزار قسمت سے مجھے
ہوں جو عیسےٰ بھی ارادہ ہو نہ استعلاج کا

انڈا الکھنگ کے نکلی ہے باہر تو کیا ہوا
بلبل کو جسم بیضۂ فولاد ہو گیا

ناسخ تمام رجسِ تناسخ سے پاک ہے
وہ شمع ہو گیا تو وہ پروانہ ہو گیا

قمر ہی کیا ترے آگے محاق میں آیا
کہ آفتاب بھی تو احتراق میں آیا

سوئے کعبہ تیرے عاشق سجدہ کرتے ہیں کوئی
تیرے ابرو کی طرف قبلہ محوّل ہو گیا

باعثِ گریہ ہوئی فرقت میں مجکو مے کشی
ساقیا اشکوں سے مے کا استحالہ ہو گیا

بڑا اکال ہے ناسخ غمِ عالم فراہم کر
ارادہ ہے اگر اے چرخ اس کی سہالی کا

نہ باطل خشک زاہد ہے نہ عاطل رندِ تر دامن
خدا نے اپنی حکمت سے کیا ہے خشک و تر پیدا

کسی حالت میں مجھے ہوش سے کچھ کام نہیں
چڑھ گئے آنکھ سے نشہ کے جو سودا اترا

www.urduchannel.in

آغازِ خط میں اژدرِ فرعون ہے جو زلف
افسونِ خطِ مار ہی افسانہ ہو گیا

غیر کوثر کسی دریا کا میں سبّاح نہیں
بیشۂ شیرِ خدا بن کہیں سیّاح نہیں

ہے ہوس ہم سے ملے یار کرے غیر کو ترک
مطلب اپنا وہ ہے جو قابلِ انجاح نہیں

ظلم طولِ شبِ فرقت کے تطاول نے کیا
دادرس کوئی بجز فالقِ الاصباح نہیں

روشنائی سے ہوئی روشنئ خلوت اگر
جز قلم اور مری بزم میں مصباح نہیں

بال توڑے تری زلفوں کے نہ بیدردی سے
جس مرے ہاتھ کی مانند ہو گر شانہ میں

خیال بند طبّاع اور مشکل پسند لوگ اگرچہ اپنے خیالوں میں مست رہتے ہیں مگر چونکہ فیضِ سخن خالی نہیں جاتا اور مشق کو بڑی تاثیر ہے اس لئے مشکل کلام میں بھی ایک لطف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اُنکے اور اُن کے طرفداروں کے دعووں کی بنیاد قایم ہو جاتی ہے +

تیسرے - ان کے حریف کہتے ہیں کہ شیخ صاحب بھی خیال بندی اور دشوار پسندی کی قباحت کو سمجھ گئے تھے - اور اخیر کو اس کوچہ میں آنے کا ارادہ کرتے تھے - انہی دنوں کا ایک مطلع شیخ صاحب کا ہے - خواجہ صاحب کے سامنے کسی نے پڑھا اور انہوں نے لطفِ زبان کی تعریف کی -

جنوں پسند ہے مجھکو ہوا ببولوں کی
عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی

مگر اول تو طبیعت کی مناسبت - دوسرے عمر بھر کی وہی مشق تھی - اس لئے جب محاورہ کے کوچہ میں آکر صاف صاف کہنا چاہتے تھے تو پھُس پھُسی بندش اور پھسپھسے الفاظ بولنے لگتے تھے - چنانچہ اس کی سند میں اکثر اشعار پیش کرتے ہیں جن میں سے چند شعر یہ ہیں -

صفائی کے کوچے میں آتے ہیں تو پھسپھسے ہو جاتے ہیں

ناک رگڑے ہے ہر گھڑی کیونکر نہ اسکے سامنے
بدرے نخشنی کے سلیماں کی ہے خاتم ناک میں

رنگ لالہ میں اگر ہے تو نہیں نام کو بو
یاسمن میں ترے پنڈے سی ہے بو رنگ نہیں

ساقی بغیر مے یہ لہو تھوکتا نہیں
منہ سے شرابِ وصل نکلتی ہے ہجر میں

تصرفاتِ قادرالکلامی

کیا ہی حاسد ہے فلک جس نے کہ نوبت پائی
دم میں مانندِ حباب اس نے نقارہ توڑا

www.urduchannel.in

ان کے حریفوں کو اس لفظ پر بھی اعتراض ہے کیونکہ نقّارہ مشدد ہے تخفیف کے ساتھ نہیں آیا۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ نظّارہ بھی بہ تشدید ہے مگر تخفیف کے ساتھ فارسی اور ریختہ میں آیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ غیر زبان کے لفظ میں قیاس نہیں چل سکتا۔ اہل زبان کی سند دینی چاہئے۔ منصفوں کے نزدیک یہ بھی ان کی سینہ زوری ہے۔ نظامی

بذوق جشن نوروزی نقارہ
گلوے خویش کردہ پارہ پارہ

مجھ سے رہتا ہے رمیدہ وہ غزال شہری
صاف سیکھا ہے چلن آہوئے صحرائی کا

غزال شہری کے لئے فارسی کی سند چاہئے کیونکہ وحشی کے مقابل میں اہلی بولتے ہیں شہری نہیں بولتے مگر اسے فارسی کے کوچہ میں نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ اُردو کے قادر الکلام کا تصرف سمجھنا چاہئے۔

ذبح وہ کرتا تو ہے پر چاہئے اے مرغ دل
دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیاد کا

یہ تعقید نہایت بے طور واقع ہوئی ہے۔ ان کے حریف اس قسم کے اشعار اَور بھی بہت پڑھتے ہیں۔ مگر ان جزوی باتوں پر توجہ بے حاصل ہے۔ اِس لئے اشعار مذکور قلم انداز کئے گئے +

تصوف کا رنگ — ان کے کلام میں تصوف بھی ہے۔ مگر اس کا رستہ کچھ اَور ہے جس سے وہ واقف نہیں۔

تو کبھی آغوش تصور سے جدا ہوتا نہیں
اے صنم جس طرح دور ایک دم خدا ہوتا نہیں

بحر وحدت میں ہوں میں گو مر گیا مثل حباب
چوب کیا تلوار سے پانی جدا ہوتا نہیں

نشۂ عرفاں نہیں جب تک دلا ہے قیل و قال
تا نہ ہو لبریز ساغر بے صدا ہوتا نہیں

اسرار نہاں آتے ہیں سینہ سے زباں پر
اب سدِّ سکندر کروں تعمیر گلے میں

ہے یہ وہ راہ کہ تا عرش پہنچتا ہے بشر
دل میں دروازہ ہے اس گنبد مینائی کا

عارفوں کو ہر در و دیوار ادب آموز ہے
مانع گردن کشی ہے انحنا محراب کا

مظہر وہ بت ہے نور خدا کے ظہور کا
نقش قدم سے سنگ کو رتبہ ہے طور کا

سرقہ یا توارد — حریف یہ بھی حرف رکھتے ہیں کہ شیخ ناسخ مخلوق فارسی کو تناسخ دے کر اُسد دی

زندگی دیتے تھے۔

مسی آلودہ لب پر رنگ پاں ہے / تماشا ہے کہ آتش دھواں ہے

بیدل: مسی آلودہ برلب رنگ پان ہست / تماشا کن کہ آتش دخان ہست

شیخ صاحب: ناتوانی سے گراں سرمہ ہے چشم یار کو / جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو

ناصر علی: گویند کہ شب بر سر بیمار گراں ہست / گر سرمہ بچشم تو گران ہست ازاں ہست

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے / کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

کسی استاد کا شعر فارسی میں ہے۔

بروز بیکسی کس نیست غیر از سایہ یار من / مگر آنہم ندارد طاقت شبہا ئے تار من

ناسخ صاحب: فرق ہے شاہ و گدا میں قول شاعر سے یہی / شیر قالیں اَور ہے شیر نیستاں اَور ہے

شیخ علی حزیں: بوریا جائے من و جائے تو نگر قالیں / شیر قالین دگر و شیر نیستاں دگر ہست

میر تقی مرحوم اور ربقا میں دو آبے کے مضمون پر جو دو دو لطیفے ہوئے۔ میر صاحب کے حال میں لکھے گئے۔ میں سمجھتا تھا کہ شیخ ناسخ نے الہ آباد میں بیٹھکر اس میں سے یہ مضمون تراشا ہوگا۔ صفحہ ۲۱۲

ایک ترمینی ہے دو آنکھیں مری / اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

لیکن غیاث الدین بلبن بادشاہ دہلی کا بیٹا یعنی محمد سلطان جب لاہور کے باہر راوی کے کنارہ پر ترکان تاتاری کی لڑائی میں مارا گیا تو امیر خسرو نے اس کا مرثیہ ترکیب بند میں لکھا ہے اس میں کہتے ہیں۔

بسکہ آب چشم خلقے شد رواں بر چار سو / پنج آبے دیگر اندر مولتاں آمد پدید

کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے انہیں باتوں پر چوٹ کر کے کہا ہے۔

مضمون کا چور ہوتا ہے رسوا جہان میں / چکھی خراب کرتی ہے مالِ حرام کی

اگرچہ اس طرح کے چند اشعار اور بھی سنے جاتے ہیں مگر ایسا صاحب کمال جس کی تصنیفات کمالِ نازک خیالی اور مضامین عالی کے ساتھ ایک مجلد ضخیم میں موجود ہے اس پر سرقہ

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

کاالزام لگانا انصاف کی آنکھوں میں خاک ڈالنی ہے۔ سودا اور میر کے اشعار جن استادوں کے شعروں سے لڑ گئے ہیں وہ لکھے گئے جو ان کی طرف سے جواب ہے وہی ان کی طرف سے سمجھیں میری رائے میں یہ دونو حریف اور ان کے طرفدار کوئی قابلِ الزام نہیں۔ کیونکہ دونو طرفوں میں کوئی کمال سے خالی نہیں تھا۔ البتہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اس لئے پسند میں اختلاف ہے۔ کہنے والے چاہیں سو کہے جائیں۔

اپنی نازک خیالیوں میں جو صاف شعر بھی زبان سے نکل گیا ہے ایک تیر ہے کہ نشانہ کے پار جا کر اُڑا ہے اٹک کر ترازو بھی نہیں ہوا۔

سینکڑوں آہیں کروں پر دخل کیا آواز کا ۔۔۔ تیر جو دیوے صدا ہے نقص تیر انداز کا
ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو ۔۔۔ کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

اس انداز کے شعر بھی ان کے دیوانوں میں ڈھونڈو تو بہت ہونگے۔

ہجو یا ظرافت — شیخ صاحب کے کلام میں **نمک ظرافت** کا چٹخارا کم ہے۔ چنانچہ زاہد۔ اور ناصح جو شعرائے اُردو و فارسی کے کیئے ہر جگہ رونقِ محفل ہیں۔ یہاں سے بھی ہنس کر دل نہیں بہلاتے اور اگر اتفاقاً ہے تو ایسا ہے کہ وہ ہنسا زہر خندہ معلوم ہوتا ہے۔

حرص سے زاہد یہ کہتا ہے جو گر جائینگے دانت ۔۔۔ کیا کشادہ بہرِ رزق اپنا دہاں ہو جائے گا
دیکھیو ناسخ سرِ شیخ معمّم کی طرف ۔۔۔ کیا کلس مسواک کا ہے گنبدِ دستار پر

سودا کی غزل ہے بد جرس ہووے اگر ہووے۔ قفس ہووے اگر ہووے۔ اُس کا شعر دیکھو کہ وہ اسی بات کو کس چوچلے سے کہتا ہے۔

سودا — نہیں شایان زیب گنبدِ دستار کچھ زاہد ۔۔۔ مگر مسواک ہی اُس پر کلس ہووے اگر ہووے
شیخ صاحب — زاہد اب کے رمضان میں میں پڑھوں خاک نماز ۔۔۔ سوئے قبلہ تو خنازیر کھڑے رہتے ہیں

واہ کیا پیرِ مغان کا ہے تصرف میکشو ۔۔۔ محتسب کا اب سخن تکیہ ہے گل جل ہو گیا

عابد و زاہد چلے جاتے ہیں پیتا ہے شراب ۔۔۔ اب تو ناسخ زور رند لا اُبالی ہو گیا
اہلِ تزویر سے اس درجہ ہے نفرت مجکو ۔۔۔ کہ مجھے قافیۂ زور سے کچھ کام نہیں

www.urduchannel.in

اکثر مذہبی تعریضیں کر جاتے تھے

شیخ صاحب کا مذہب پہلے سنت وجماعت تھا۔ پھر مذہب شیعہ اختیار کیا۔ وہ اکثر غزلوں میں مذہبی تعریضیں کرتے تھے۔ اور یہ شاعر یا عام مصنف کے لئے نازیبا ہیں۔ ہاں کوئی اپنے تائید مذہب میں کتاب لکھے تو اس میں دلائل وبراہین کے قبیل سے جو چاہے کہے مضایقہ نہیں +

وہ بہت خوش اخلاق تھے مگر اپنے خیالات میں ایسے محو رہتے تھے کہ ناواقف شخص خشک مزاج یا بد دماغ سمجھتا تھا۔ سید مہدی حسن فراغ مرحوم میاں بیتاب کے شاگرد تھے اور زبان ریختہ کے کہن سال مشاق تھے۔ نقل فرماتے تھے کہ ایک دن میں شیخ صاحب کی خدمت میں گیا۔ دیکھا کہ چوکی پر بیٹھے نہا رہے ہیں۔ آس پاس چند احباب موڑھوں پر بیٹھے ہیں۔ میں سامنے جا کر کھڑا ہوا اور سلام کیا۔ انہوں نے ایک آواز سے کہ جوان کے بدن سے بھی فربہ تھی فرمایا کہ کیوں صاحب کس طرح تشریف لانا ہوا؟ میں نے کہا کہ ایک فارسی کا شعر کسی استاد کا ہے اس کے معنے سمجھ میں نہیں آتے۔ فرمایا کہ میں فارسی کا شاعر نہیں۔ اتنا کہہ کر اور شخص سے باتیں کرنے لگے۔ میں اپنے جانے پر بہت پچھتایا اور اپنے تئیں ملامت کرتا چلا آیا +

لطیفہ۔ ایک دن کوئی شخص ملاقات کو آئے۔ یہ اس وقت چند دوستوں کو لئے انگنائی میں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ شخص مذکور کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اور اتفاقاً پانو کے آگے ایک مٹی کا ڈھیلا پڑا تھا۔ وہ شغل بیکاری کے طور پر جیسے کہ اکثر اشخاص کو عادت ہوتی ہے آہستہ آہستہ لکڑی کی نوک سے ڈھیلے کو توڑنے لگے۔ شیخ صاحب نے نوکر کو آواز دی۔ سامنے حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میاں! ایک ٹوکری مٹی کے ڈھیلوں کی بھر کر ان کے سامنے رکھ دو کہ دل لگا کر شوق پورا کریں

لطیفہ۔ شاہ غلام اعظم[۲۵] افضل ان کے شاگرد اکثر حاضر خدمت ہوتے تھے۔ ایک دن آپ تخت پر بیٹھے تھے۔ اسپر سیتل پاٹی کا بوریا بچھا تھا۔ افضل آئے وہ بھی اُسی پر

۲۵ شاہ محمد اجمل کے پوتے شاہ ابوالمعالی تھے۔ ان کے بیٹے شاہ غلام اعظم افضل تخلص ہوئے۔
۱۵ دیکھو صفحہ ۱۷۴

www.urduchannel.in

بیٹھ گئے اور سیتل پاٹی کا ایک تنکا توڑ کر چٹکی سے توڑنے اور مروڑنے لگے۔ شیخصاحب نے آدمی کو بلا کر کہا کہ بھائی وہ جو آج نئی جھاڑو تم بازار سے لائے ہو۔ ذرا لے آؤ۔ اس نے حاضر کی جو دے کر شاہ صاحب کے سامنے رکھدی اور کہا۔ صاحبزادے! اسے شغل فرمایئے۔ فقیر کا بوریا آپ کے تھوڑے سے التفات میں برباد ہو جائیگا۔ پھر اور سیتل پاٹی اس شہر میں کہاں ڈھونڈھتا پھرے گا۔ وہ بیچارے شرمندہ ہو کر رہ گئے +

لطیفہ۔ آغا کلب عابد خانصاحب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ شیخصاحب کے واسطے کسی شخص نے دو تین چمچے بطریق تحفہ بھیجے کہ شیشہ کے تھے۔ ان دنوں میں نیا ایجاد سمجھے جاتے تھے اور حقیقت میں بہت خوشنما تھے۔ وہ پہلو میں طاق پر رکھے تھے ایک امیر صاحبزادے آئے۔ اس طرف دیکھا اور پوچھا کہ حضرت یہ چمچے کہاں سے خریدے اور کس قیمت کو خریدے۔ شیخ صاحب نے حال بیان کیا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ایک چمچہ اٹھا لیا۔ دیکھکر تعریف کی۔ پھر باتیں چیتیں کرتے رہے اور چمچہ سے زمین پر کھٹکا دیکر شغل بے شغلی فرماتے رہے۔ شیشہ کی بساط کیا تھی ٹھیس زیادہ لگی جھٹ سے دو ٹکڑے۔ شیخصاحب نے دوسرا چمچہ اٹھا کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ اب اسے شغل فرمائے +

لطیفہ۔ ایک دن اپنے خانہ باغ کے بنگلہ میں بیٹھے تھے اور فکر مضمون میں غرق تھے۔ ایک شخص آکر بیٹھے۔ ان کی طبیعت پریشان ہوئی۔ اٹھ کر ٹہلنے لگے کہ یہ اٹھ جائیں ناچار پھر آ بیٹھے۔ مگر وہ نہ اٹھے۔ کسی ضرورت کے بہانے سے پھر گئے کہ یہ سمجھ جائینگے وہ پھر بھی نہ سمجھے۔ انہوں نے چلم میں سے چنگاری اٹھا کر بنگلہ کی ٹٹی میں رکھ دی اور آپ لکھنے لگے۔ ٹٹی جلنی شروع ہوئی۔ وہ شخص گھبرا کر اٹھے۔ اور کہا کہ شیخ صاحب آپ دیکھتے ہیں؟ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا کہ جاتے کہاں ہو۔ اب تو مجھے اور تمہیں جلکر راکھ کا ڈھیر ہونا ہے۔ تم نے میرے مضامین کو خاک میں ملایا ہے میرے دل کو جلا کر خاک کیا ہے اب کیا تمہیں جانے دونگا +

www.urduchannel.in

لطیفہ۔ اسی طرح ایک شخص نے بیٹھکا انہیں تنگ کیا نوکر کو بُلا کر صندوقچہ منگایا۔ اس میں سے مکان کے قبالے نکال کر ان کے سامنے دھر دئے اور نوکر سے کہا کہ بھائی مزدوروں کو بلاؤ اور اسباب اٹھا کر لیچلو۔ ادھر وہ شخص حیران ان کا منہ دیکھے۔ ادھر نوکر حیران آپنے کہا دیکھتے کیا ہو۔ مکان پر تو یہ قبضہ کر چکے ایسا نہ ہو کہ اسباب بھی ہاتھ سے جاتا رہے +

شیخ صاحب کے مزاج میں یہ صفتیں تھیں۔ مگر بنیاد ان کی فقط نازک مزاجی پر تھی۔ نہ غرور یا بدنیتی پر جس کا انجام بدی تک پہنچے۔ نازک مقام آپڑتا تو اس طرح تحمل کر کے ٹال جاتے تھے کہ اوروں سے ہونا مشکل ہے +

نقل۔ ایک نواب صاحب کے ہاں مشاعرہ تھا وہ ان کے معتقد تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب جب غزل پڑھ چکیں تو انہیں سر مشاعرہ خلعت دیں۔ یار لوگوں نے خواجہ صاحب کے پاس مصرع طرح نہ بھیجا۔ انہیں اس وقت مصرع پہنچا جب ایک دن مشاعرہ میں باقی تھا۔ خواجہ صاحب بہت خفا ہوئے اور کہا کہ اب لکھنؤ رہنے کا مقام نہیں۔ ہم نہ رہیں گے۔ شاگرد جمع ہوئے اور کہا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمادیں۔ نیاز مند حاضر ہیں۔ دو دو شعر کہیں گے تو صد ہا شعر ہو جائینگے۔ وہ بہت تند مزاج تھے۔ ان سے بھی ویسی ہی تقریریں کرتے رہے۔ شہر کے باہر چلے گئے۔ پھرتے پھرتے ایک مسجد میں جا بیٹھے۔ وہاں سے غزل کہکر لائے۔ اور مشاعرے میں گئے تو ایک قرابین بھی بھر کر لیتے گئے۔ بیٹھے ایسے موقع پر کہ عین مقابل شیخ صاحب کے تھے۔ اوّل تو آپ کا انداز ہی بانکے سپاہیوں کا تھا۔ اسپر قرابین بھری سامنے رکھی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہیں۔ بار بار قرابین اٹھاتے تھے۔ اور رکھ دیتے تھے۔ جب شمع سامنے آئی تو سنبھل کر ہو بیٹھے۔ اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کر کے پڑھا۔

اس تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا	کہتی ہے تجکو خلق خدا غائبانہ کیا

اس ساری غزل میں کہیں اُن کے بے مالک ہونے پر۔ کہیں ذخیرۂ دولت پر۔ کہیں

www.urduchannel.in

ان کے سامان امارت پر۔ غرض کچھ نہ کچھ چوٹ ضرور ہے۔ شیخ صاحب بیچارے دم بخود
بیٹھے رہے۔ نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ ان پر قرابیں خالی کریں۔ یا میرے پیٹ
میں آگ بھردیں۔ اسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کے لئے
تیار کرو۔ غرض دونو صاحبوں کو برابر خلعت دیکر رخصت کیا۔

رنگی سلمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدتوں لکھنؤ میں رہنا ہوا میں نے کبھی چاند اور سورج کا طلوع ایک
مطلع میں سے نہ دیکھا ہمیشہ مشاعرہ میں پہلو بچاتے تھے خواجہ صاحب۔ نواب سید محمد خاں رند اور
صاحب مرزا شناور کے مشاعرہ میں جایا کرتے تھے ادھر مرزا محمد رضا برق کے ہاں مشاعرہ ہوتا تھا
شیخ صاحب اپنی غزل بھیجدیتے تھے جب جلسہ جمتا تو برق کے شاگرد میاں طور سب سے پہلے غزل کو
کوے کر کہتے صاحبو! ہمہ تن گوش باشید یہ غزل استاد الاستاد شیخ ناسخ کی ہے۔ تمام اہل مشاعرہ
چپ چاپ ہو کر متوجہ ہو جاتے ان کی غزل کے بعد اور شعرا پڑھتے تھے +

برخلاف عادت شعرا کے ان کی طبیعت میں سلامت روی کا جوہر تھا۔ چنانچہ ایک
دفعہ سید محمد خاں رند کی اپنے استاد خواجہ حیدر علی آتش سے شکر رنجی ہو گئی۔ چاہا کہ ناسخ
کی شاگردی سے استاد سابق کے تعلق کو فسخ کریں۔ مرزا محمد رضا برق کے ساتھ شیخ صاحب
کے پاس آئے۔ مرزا صاحب نے اظہار مطلب کیا۔ شیخ صاحب نے تامل کے بعد
کہا کہ نواب صاحب۔ ابرس سے [illegible] بیٹھے ہیں آج ان سے
یہ حال ہے تو کل مجھے ان سے کیا امید ہے۔ علاوہ براں خواجہ صاحب سے کچھ
سلوک بھی کرتے تھے۔ وہ سلسلہ قطع ہو جائے گا۔ اس کا وبال کدھر پڑے گا۔ اور
مجھے ان سے یہ تمنا نہیں۔ میری دانست میں بہتر ہے کہ آپ ہی دونو صاحبوں کی
صلح کروا دیں۔ اور اس امر میں اس قدر تاکید کی کہ پھر آپس میں صفائی ہو گئی +

اگرچہ ان کے کلاموں اور حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں شوخی اور رنگینی
نہ تھی مگر شاعری کا وہ نشہ ہے کہ اپنے رنگ پر لے ہی آتا ہے۔ چنانچہ میر گھسیٹا نام ایک شخص
مر گئے تو شیخ صاحب نے تاریخ فرمائی +

www.urduchannel.in

جب میر گھسیٹا مر گئے ہائے — ہر ایک نے اپنے منہ کو پیٹا
ناسخ نے کہی یہ سن کے تاریخ — افسوس کہ موت نے گھسیٹا

زہے طبع منصف

نقل۔ ان کے مزاج میں منصفی اور حق شناسی کا اثر ضرور تھا چنانچہ الہ آباد میں ایک دن مشاعرہ تھا۔ سب موزون طبع طرحی غزلیں کہکر لائے۔ شیخصاحب نے جو غزل پڑھی مطلع تھا۔

دل اب محو ترسا ہوا چاہتا ہے — یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ایک لڑکے نے صف کے پیچھے سے سر نکالا۔ بھولی بھالی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ میں غزل پڑھتے ہوئے ڈرتا ہے۔ لوگوں کی دلدہی نے اس کی ہمت باندھی پہلا ہی مطلع تھا۔

دل اس بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے — خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

محفل میں دھوم مچ گئی شیخ ناسخ نے بھی تعریف کرکے لڑکے کا دل بڑھایا۔ اور کہا کہ بھائی یہ فیضان الٰہی ہے اس میں استادی کا زور نہیں چلتا۔ تمہارا مطلع مطلع آفتاب ہے، میں اپنا پہلا مصرع غزل میں سے نکال ڈالوں گا۔

شاہ نصیر کا مطلع ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے نصیر تخلص نہ ہوتا تو یہ مطلع نصیب ہوتا

خیالِ زلف دوتا میں نصیر پیٹا کر — گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

ایک دن کسی سوداگر کی کوٹھی میں گئے۔ سوداگر بچہ کہ دولتِ حسن کا بھی سرمایہ دار تھا سامنے لیٹا تھا مگر کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا۔ آپ نے دیکھکر فرمایا۔ ع ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے۔ یہ مصرع تو ہوگیا مگر دوسرا مصرع جیسا جی چاہتا تھا ویسا نہ ہوتا تھا۔ گھر آئے اسی فکر میں غرق تھے کہ خواجہ وزیر **وزیر** آگئے انہوں نے خاموشی کا سبب پوچھا۔ شیخ صاحب نے بیان فرمایا۔ اتفاق ہے کہ ان کی طبیعت لڑ گئی۔

ہے چشم نیم باز عجب خوابِ ناز ہے — فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

شیخ صاحب بہت خوش ہوئے۔

www.urduchannel.in

ایک دن وزیر اپنے شاہ سخن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مزاج پرسی فرما کر عنایت و محبت کی باتیں کرنے لگے اور کہا آجکل کچھ فکر کیا؟ عرض کی کہ درود وظیفہ سے فرصت نہیں ہوئی آپ نے پھر ارشاد فرمایا۔ انہوں نے مطلع پڑھا؟

وہ زلف لیتی ہے تابِ دل و تواں اپنا	اندھیری رات میں لٹتا ہے کارواں اپنا

بہت خوش ہوئے اس وقت ایک عمدہ تسبیح عقیق البحر کی ہاتھ میں تھی وہ عنایت فرمائی خواجہ وزیر پر بڑی عنایت تھی اور قدر و منزلت فرماتے تھے۔ سب شاگردوں میں انکا نمبر اول تھا۔ پھر برق رشک وغیرہ وغیرہ؟

تاریخ۔ کلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ پہر اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے چنانچہ جن دنوں شاہ اجمل کے دایرہ میں تشریف رکھتے تھے تو وہاں تین گھرانے با برکت اور صاحب دستگاہ تھے۔ تینوں جگہ سے وقت معمولی پر کھانا آتا تھا۔ ایک خوان بلکہ دسترخوان شاہ ابوالمعالی کی سرکار سے آتا تھا۔ اس میں ہر قسم کے امیرانہ اور عمدہ کھانے موجود ہوتے تھے۔ ایک خوان سید علی جعفر کے ہاں سے آتا تھا۔ کہ شاہ ابوالمعالی کی بہن ان سے منسوب تھیں۔ ایک خوان شاہ غلام حیدر صاحب کے ہاں سے آتا تھا۔ اپنا بھی اپنا بورچی خانہ الگ گرم ہوتا تھا۔ جس چیز کو جی چاہتا تھا پکواتے تھے۔ دسترخوان پر وہ بھی شامل ہو جاتا تھا ایک دن بورچی سے خاگینہ کی فرمایش فرمائی تھی۔ اس میں کوئی سنپولیا گرا ہوگا چونکہ دوبارہ یہ حرکت کی تھی آپ نے تاریخ کہدی۔ **تاریخ**

جان بلب آمد از غفلتِ طباخ آہ	می پزد خاگینہ بامار کہ یا زہر من
چوں دگر بارہ خطا بنمود سالِ عیسوی	گفت دل مار سیہ بخت این سفیہ از بہر من

سنہ ۳۱ میں معتمد الدولہ آغا میر نے جو سوا لاکھ روپیہ قصیدہ کا صلہ دیا تھا۔ انہوں نے مرزا علی صاحب کے حوالہ کر دیا تھا۔ لوگوں نے جانا ان کے گھر ہی میں ہے۔ چور نے رات کو نقب لگائی اور ناکام گیا۔ آپ نے فرمایا۔ **تاریخ**

دزد در خانۂ ناسخ چو زدہ نقب امشب	نہ زر و سیم نہ بد مس۔ خجل آمد بیرون

www.urduchannel.in

بہر تاریخ مسیحی چو بدیدم سر د زد — دزد از خانہ مفلس خجل آمد بیروں

بات بات پر تاریخ کہتے تھے۔ بخار سے صحت پائی تاریخ کہی۔ رفت تپ تو بہ بسن ۱۲۳۵ھ غسل صحت کیا تو کہا۔ ع۔ شود صحت ہمایون و مبارک ۱۲۳۵ھ۔

ایک موقع پر قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ کہا۔ کنم شکر خدا ۱۲۳۵ھ۔

حریفوں نے نظر بند کروا دیا تو کہا۔ ع ہے ہے افسوس خانہ زنداں گردید۔ جس بزرگ کی سفارش سے چھوٹے اس کا تاریخی شکریہ کہا۔ ع۔ رہانیدی مرا از دست گرگے۔

کسی نے خطوط چرا لئے تو کہا۔ ع۔ سیاہ ہیچو قلم باد روئے حاسد من۔ پھر چار خط جاتے رہے تاریخ کہی۔ ع۔ صد حیف تلف چہار نامہ۔

پیارے شاگرد خواجہ وزیر کا بیاہ ہوا تو فرمایا۔ ع۔ شدہ نوشہ وزیر من امروز۔ پھر انکے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو صبح کا وقت تھا فرمایا۔ ع۔ صبح طالع شد بر آمد آفتاب۔

ایک مشاعرہ میں خواجہ صاحب نے مطلع پڑھا۔

سرمہ منظور نظر ٹھیرا ہے چشم یار میں — نیل کا گنڈا پنہایا مردم بیمار میں

شیخ صاحب نے کہا سبحان اللہ خواجہ صاحب کیا خوب فرمایا ہے۔

سرمہ منظور نظر ٹھیرا جو چشم یار میں — نیلگوں گنڈا پنہایا مردم بیمار میں

خواجہ صاحب نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا "جائے استاد خالیست" آزاد کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بیمار میں گنڈا کیونکر پنہاتے ہیں۔ گنڈا بیمار کو پنہایا کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ تعجب شیخ صاحب کے مطلع کا ہے کہ فرماتے ہیں۔

یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار میں — جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار میں

یہاں بھی "میں" بے معنی ہے۔ پر ہو تو ٹھیک ہو۔

لطیفہ۔ ایک مشاعرہ میں ایسے وقت پہنچے کہ جلسہ ختم ہو چکا تھا۔ مگر خواجہ حیدر علی آتش

۱۲۵۹ھ الہ آباد میں دایرہ کے پھاٹک میں بیٹھے تھے۔ چھت میں سے سانپ گر پڑا اس کی تاریخ کہی ع سب بارا ز فلک بر سر یعقبا۔

www.urduchannel.in

وغیرہ چند شعرا بھی موجود تھے۔ یہ جاکر بیٹھے تعظیم رسمی اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ جناب خواجہ صاحب مشاعرہ ہو چکا۔ انہوں نے کہا کہ سب کو آپ کا اشتیاق رہا۔ شیخ صاحب نے یہ مطلع پڑھا۔

جو خاص ہیں وہ شریک گروہ عام نہیں
شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

چونکہ نام بھی **امام بخش** تھا اس لئے تمام اہل جلسہ نے نہایت تعریف کی۔ خواجہ صاحب نے یہ مطلع پڑھا۔

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفہ میں باز کے غلام نہیں

بعض اشخاص کی روایت ہے کہ یہ مطلع آتش کے شاگرد کا ہے۔ ناسخ کے شاگردوں کی طرف سے اس کا جواب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ لاجواب ہے۔

جو خاص بندہ ہیں وہ بندۂ عوام نہیں
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

عوام میں یہ روایت اس طرح مشہور ہے۔ مگر دیرینہ سال لوگ جو اس زمانہ کی صحبتوں میں شریک تھے ان سے یہ تحقیق ہوا کہ پہلا مطلع آتش نے حقیقت میں طالب علیخاں[۲۵] عیشی کے حق میں کہا تھا۔ یار لوگوں نے صفت مشترک پیدا کر کے شیخ صاحب کے ذمہ لگا دیا۔

طبع اول کی ترویج میں اس کتاب کو دیکھکر میرے شفیق دلی سید احمد صاحب ڈکشنری نے کسی کی زبانی بیان کیا کہ **شیخ ناسخ** ایک دن نواب نصیرالدین حیدر کے

[۲۵] طالب علی خان عیشی ولد علی بخش خاں لکھنوی ایک عالم فاضل شخص تھے۔ اور کمالات علی کیساتھ شعر بھی خوب کہا کرتے تھے۔ مگر شاعری پیشہ نہ تھے۔ دیوان فارسی معہ قصاید و دیوان ریختہ۔ مجموعۂ نثر مثنوی سرو چراغان اور اکثر اقسام سخن ان سے یادگار ہیں۔ سعادت علی خان جیسے نکتہ شناس کے سامنے بیٹھکر انہوں نے فرمایش ہائے شاعرانہ کا سرانجام کیا تھا اور مورد تحسین و آفرین ہوئے تھے۔

خان موصوف خواجہ صاحب کی شاعری کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اسپر انہوں نے بگڑکر ان کا ذاتی دھبہ دکھایا تھا۔ اور مطلع مذکور کہا تھا۔

www.urduchannel.in

حضور میں حاضر تھے۔ حقہ سامنے تھا۔ فرمایا کہ شیخ صاحب! اسپر کچھ کہئے۔ انہوں نے اسی وقت کہا۔

حقہ جو ہے حضور معلّے کے ہاتھ میں ۔۔۔ گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں
ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو عرض کر ۔۔۔ بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

بعض احباب کہتے ہیں کہ ظاہر الفاظ میں حقہ کہکشان ہے اور ممدوح ثریا۔ لیکن ایسے ممدوح کو چاند سورج بلکہ باعتبار قدر و منزلت کے فلک تک بھی کہدیا ہے۔ ثریا سے آجتک کسی نے تشبیہ نہیں دی۔ شیخ ناسخ کلام کی گرمی اور شوخی اور چستی ترکیب سے دست بردار ہوئے مگر اصولِ فن کو نہیں جانے دیا۔ ان کی طرف یہ قطعہ منسوب کرنا چاند پر داغ لگانا ہے لیکن چونکہ فی البدیہ کہا ہے اس لئے اس قدر سخت گیری بھی جایز نہیں۔

ایک غزل شیخ صاحب کی ہے جس کا مطلع ہے۔

دل لیتی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا ۔۔۔ بجھتا ہے چراغ آج سرِ شام ہمارا

وہی مرزائی صاحب جس کے پاس شیخ صاحب کے روپے امانت رہتے تھے۔ ایک امیر شرفائے لکھنؤ میں سے تھے۔ اور شیخ صاحب کے بہت دوست تھے۔ انہوں نے ایک عمدہ فیروزہ پر آپ کا نام نامی کھدوا کر انگوٹھی بنوا کر دیا۔ اکثر پہنے رہتے تھے۔ کبھی اتار کر رکھ بھی دیتے تھے وہ کسی نے چرا لی یا کھوئی گئی اسپر فرمایا۔

ہمسا کوئی گمنام زمانہ میں نہ ہو گا ۔۔۔ گم ہو وہ نگیں جسپہ کھدے نام ہمارا

اس عہد تک لکھنؤ بھی آج کا لکھنؤ نہ تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق کا یہ مطلع جب وہاں پڑھا گیا۔

خبر کر جنگ نوفل کی تو مجنوں اہلِ ناموں کو ۔۔۔ لبادہ تا صبا کھنچوائے شاخِ بید مجنوں کو

سب نے اسے بے معنے کہا۔ شیخ صاحب نے جنگ نوفل کا واقعہ اور کھینچنے کی اصطلاح بتائی پھر سب نے تسلیم کیا۔ لیکن یہ امر نہ کچھ دلّی والوں کے لئے موجب فخر ہے نہ لکھنو والوں کے لئے باعثِ رنجش۔ آخر دلّی بھی ایک دن میں شاہجہان آباد نہیں ہو گئی تھی۔ میر تقی اور مرزا رفیع پیدا ہوتے ہی۔ میر اور سودا نہیں ہو گئے۔ جب کلام کا سلسلہ یہانتک پہنچا تو اس قدر

www.urduchannel.in

لکھنؤ کی زبان اب دلی کی قید تقلید سے آزاد ہے۔

کہنا واجب ہے کہ اس عہد تک شعرائے لکھنؤ ان استادوں کے شاگرد تھے جن کا دریائے کمال دلی کے سرچشمہ سے نکلا تھا۔ اور فصحائے لکھنؤ بھی ہر محاورہ کے لئے دلی ہی کو فخر سمجھتے تھے کیونکہ وہ اکثر انہیں بزرگوں کے فرزند تھے جنہیں زمانہ کی گردش نے اڑا کر وہاں پھینکدیا تھا۔ پس شیخ صاحب اور خواجہ حیدر علی آتش کے کمال نے لکھنؤ کو دلی کی قید پابندی سے آزاد کر کے استقلال کی سند دی۔ اور وہی مستند ہوئی۔ اب جو چاہیں سو کہیں ہم نہیں روک سکتے چنانچہ شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

شہسواری کا جو اس چاند کے ٹکڑے کو ہی شوق	چاندنی نام ہے شبدیز کی اندھیاری کا
اے خط اس کے گورے گالوں پر یہ تو نے کیا کیا	چاندنی راتیں یکایک ہوگئیں اندھیاریاں
اللہ رے روشنی مرے سینہ کے داغ کی	اندھیاری رات میں نہیں حاجت چراغ کی
نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا	دل دھڑکتا ہے جدائی کی شب تار نہ ہو

اگرچہ دلی میں بچے سے بوڑھے تک۔ اندھیری رات کہتے ہیں۔ مگر لکھنو والوں کے ٹوکنے کا منہ نہیں۔ کیونکہ جس خاک سے ایسے ایسے صاحب کمال اٹھیں وہاں کی زبان خود سند ہے بکاولی میں نسیم کہتے ہیں۔ ع گھوما مانندِ نرد گھر گھر۔ دلی والوں کی زبان سے گھومنا ممکن نہیں۔ اہل لکھنؤ ملائی کو بالائی کہتے ہیں۔ پینے کا ہو تو نما کو۔ پان میں کھانے کا ہو تو تمباکو کہتے ہیں دلی والے پینے کا ہو تو تمباکو۔ کھانے کا ہو تو زردہ کہتے ہیں +

یوں تو شیخ صاحب کا ایک زمانہ معتقد ہوا۔ اور سب نے اُن کی شاگردی کو فخر سمجھا۔ مگر چند شاگرد بڑے بڑے دیوانوں کے مالک ہوئے +

(۱) خواجہ وزیر کہ آتش کے شاگرد تھے پھر ناسخ کے شاگرد ہوئے اور اسی پر فخر کرتے کرتے مر گئے۔ جیسے نازک خیال تھے ویسی ہی زبان پر قدرت رکھتے تھے۔ شیخ صاحب بھی ان کی بڑی خاطر کرتے اور اول درجہ کی شفقت مبذول فرماتے تھے +

(۲) مرزا محمد رضا خان برق بعض بعض غزلوں سے اور واجد علی شاہ بادشاہ کی مصاحبت سے مشہور عالم ہوئے ان کا دیوان چھپا ہوا ملتا ہے +

www.urduchannel.in

(۳) والا جاہ میر علی اوسط رشک۔ جن کی طبیعت کی آمد ضخیم اور حجیم دیوانوں میں نہیں سما تی اور شاعری کی سرکار سے تاریخیں کہنے کا ٹھیکہ ملا۔

(۴) شیخ امداد علی بحر۔ ہر چند زمانہ نے غریبی کی خاک سے سر نہیں اٹھانے دیا مگر طبیعت بڑھاپے میں جوانی کی اکڑ تکڑ دکھاتی رہی۔ آخر میں آ کر اقبال نے رفاقت کی۔ نواب صاحب رامپور کی سرکار میں آ کر چند سال آرام سے بسر ہوئے حقیقت میں وہی ایک شاگرد تھے جو استاد کے لئے باعث فخر تھے۔ خدا مغفرت کرے۔

(۵) سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی کہن سال شاعر تھے۔ پہلے نواب باندہ کی سرکار میں تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد چند روز بہت تکلیف اٹھائی۔ پھر نواب صاحب رامپور نے قدر دانی فرمائی چند سال عمر کے باقی تھے اچھی طرح بسر کئے اور عالم آخرت کا سفر کیا۔

(۶) آغا کلب حسین خاں نادر۔ سب سے اخیر میں ہیں۔ مگر افراطِ شوق اور آمدِ مضامین اور کثرتِ تصانیف اور پابندیٔ اصول میں سب سے اوّل ہیں۔ تمام عمر انہوں نے ڈپٹی کلکٹری کی اور حکومت کے شغلوں میں گرفتار رہے مگر فکرِ شعر سے کبھی غافل نہ ہوئے جس ضلع میں تبدیل ہو کر گئے مشاعرہ کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ شعرا کے ساتھ خواہ سرکاری نوکریوں سے خواہ اپنے پاس سے ہمیشہ سلوک کرتے رہے اور اسی عالم میں یہ بھی کہا۔

لوگ کہتے ہیں کہ فنِ شاعری منحوس ہے	شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

ان کے کئی ضخیم دیوان۔ غزلوں۔ اور قصیدوں۔ اور سلاموں۔ اور مرثیوں کے ہیں کئی کتابیں اور رسائل ہیں جن سے طالب زبان بہت کچھ فایدے حاصل کر سکتا ہے۔ ایک کتاب فنِ زراعت میں لکھی۔ اس میں ہندوستان کے میووں اور ترکاریوں کی مفصل تحقیقات ہے۔ بسبب دیرینہ سالی کے سرکار سے پنشن لے لی تھی پھر بھی شاعری کا فرض اسی طرح ادا کئے جاتے تھے۔ خوش اعتقادی ان کی قابل رشک تھی یعنی وصیت کی تھی کہ بعد وفات کے میرے ایک ہاتھ میں سلاموں اور مرثیوں کا دیوان دینا۔ اور دوسرے ہاتھ میں قصاید کا دیوان رکھ دینا جو بزرگان دین کی مدح میں لکھے ہیں۔

www.urduchannel.in

ان لوگوں نے اور ان کے بعض ہمعصروں نے زباں کے باب میں اکثر قیدیں واجب سمجھیں کہ دلّی کے مستند لوگوں نے بھی ان میں سے بعض بعض باتوں کی رعایت اختیار کی۔ اور بعض میں اختلاف کرتے تھے اور عام لوگ خیال بھی نہ کرتے تھے۔ مگر اصل واضع ان قوانین کے میر علی اوسط رشک تھے۔ چنانچہ کچھ الفاظ نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً فرماتے تھے۔

یہاں وہاں۔ بروزن جاں نہو۔ بروزن جہاں ہو۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ شیخ صاحب اور خواجہ صاحب کوئی اس کے پابند نہ تھے۔

پہ . . . . اور پر . . . . پر کو وجوباً اختیار کیا۔

رکھا	رکّھا	ہیں	رکھا	ایضاً
تلک	اور تک	میں	تک	ایضاً
بٹھانا	پنہانا	میں	بٹھانا۔ پہنانا	ایضاً
کبھو	اور کبھی	میں	کبھی	ایضاً

ایجاد۔ اور کلام۔ مذکر . . . . بعض مونث کہتے ہیں۔

نمو۔ یعنے بڑھنا۔ مذکر . . . . "

طرز	مونث	مذکر بولتے ہیں۔
شعلہ ہو گئی		شعلہ ہو گیا
اسباب ہیں		اسباب میں۔ عادت پہلے دلّی میں مؤنث بولتے تھے اب سب بولنے لگے
آتا ہے جاتا ہے کی جگہ		آتا ہے جاتا ہے۔ اب دلّی والے بھی یہی کہنے لگے
صورت ہے جیسے چودھویں کا چاند		جانے چودھویں کا چاند ہے۔ فسانۂ عجائب میں ہے

شعلہ۔ وعدہ وغیرہ کو دریا اور صحرا کا قافیہ نہیں باندھتے ؎

پوچھتا اشک اگر گوشۂ داماں ہوتا | چاک کرتا میں جنوں میں جو گریباں ہوتا
مال بنتا جو نمک سے فزرجاں ہوتا | سر نہوتا جو میسر مجھے ساماں ہوتا

www.urduchannel.in

منہ کو دامن سے چھپا کر جو وہ رقصاں ہوتا
شعلۂ حسن چراغِ تہِ داماں ہوتا

استرا منہ پہ جو پھرنے نہیں دیتا ہے بجا
محو دیدار سے کیونکر خطِ قرآں ہوتا

اپنے ہونٹوں سے جو اکبار لگا لیتا وہ
ہے یقیں ساغرِ مے چشمۂ حیواں ہوتا

نازک ایسا ہے وہ کافر، دہیں ہوتا بدمست
گذر اس کا جو کبھی زیرِ مغیلاں ہوتا

سنگ چقماق بھی بنتا تو مرا ضبط یہ ہے
نہ مری قبر کا پتھر شرر افشاں ہوتا

ہوں وہ وحشی کہ اگر دشت میں پھرتا شب کو
آ گئے مشعلچی وہی غولِ بیاباں ہوتا

نکہتِ کاکلِ پیچاں سے جو دیتے تشبیہ
عطرِ مجموعے کا ہر جزو پریشاں ہوتا

کی مکافاتِ شبِ وصل خدا نے ورنہ
کس لئے مجھ پہ عذابِ شبِ ہجراں ہوتا

اپنی صورت کا وہ دیوانہ نہ ہوتا تو کیوں
پاؤں میں سلسلۂ گیسوئے پیچاں ہوتا

ایک دم یار کو بوسوں سے نہ ملتی فرصت
گر دہن دیدۂ عالم سے نہ پنہاں ہوتا

کس کی پہچان؟ شہِ جنات کو بھی آٹھ پہر
ہے یہ حسرت کہ سگِ کوچۂ جاناں ہوتا

خوں رولاتا وہیں ناسور بنا کر گردوں
زخم بھی گر مری تن پہ کبھی خنداں ہوتا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا

کون ہے جو نہیں مرتا ہے ترے قامت پہ
کیوں نہ ہر سروِ چمن قالبِ بیجاں ہوتا

کیا قوی ہے یہ دلیل اسکی پریزادی کی
ربط انسان سے کرتا جو وہ انساں ہوتا

اے بتو! ہوتی اگر مہر و محبت تم میں
کوئی کافر بھی نہ واللہ مسلماں ہوتا

حسرتِ دل نہیں دیتا ہے نکلنے ناسخ
ہاتھ شل ہوتے میسر جو گریباں ہوتا

دمِ بلبلِ اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو ہیں سن سے نکل گیا

لایا وہ ساتھ غیر کو میرے جنازہ پر
شعلہ سا ایک جیبِ کفن سے نکل گیا

ساقی بغیر شب جو پیا آبِ آتشیں
شعلہ وہ بن کے میرے دہن سے نکل گیا

اب کے بہار میں یہ ہوا جوش اے جنوں
سارا لہو ہمارے بدن سے نکل گیا

www.urduchannel.in

اس رشکِ گل کے جاتے ہی بس آگئی خزاں
ہر گل بھی ساتھ بو کے چمن سے نکل گیا

اہلِ زمیں نے کیا ستمِ نو کیا کوئی؟
نالہ جو آسمانِ کہن سے نکل گیا

سن سان منزلِ وادیٔ غربت ہے لکھنؤ
شاید کہ ناسخ آج وطن سے نکل گیا

واعظا مسجد سے اب جاتے ہیں مےخانے کو ہم
پھینک کر ظرفِ وضو لیتے ہیں پیمانے کو ہم

کیا مگس بیٹھے بھلا اس شعلہ رو کے جسم پر
اپنے داغوں سے جلا دیتے ہیں پروانے کو ہم

تیرے آگے کہتے ہیں گل کھول کر بازوے برگ
گلشنِ عالم سے ہیں تیار اڑ جانے کو ہم

کون کرتا ہے بتوں کے آگے سجدہ زاہدا!
سر کو دے دے مار کر توڑیں گے بتخانے کو ہم

جب غزالوں کے نظر آجاتے ہیں چشمِ سیاہ
دشت میں کرتے ہیں یاد اپنے سیہ خانے کو ہم

بوسۂ خالِ زنخداں سے شفا ہوگی ہمیں
کیا کریں گے اے طبیب اس تیرے بہدانے کو ہم

باندھتے ہیں اپنے دل میں زلفِ جاناں کا خیال
اس طرح زنجیر پہناتے ہیں دیوانے کو ہم

بخیۂ وحشت سے ہوتا ہے گریبان تار تار
دیکھتے ہیں کاکلِ جاناں میں جب شانے کو ہم

عقل کھو دی تھی جو اے ناسخ جنونِ عشق نے
آشنا سمجھا کئے اک عمر بیگانے کو ہم

چوٹ دل کو جو لگے آہ رسا پیدا ہو
صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو

کشتۂ تیغِ جدائی ہوں یقیں ہے مجھکو
عضو سے عضو قیامت کو جدا پیدا ہو

ہم ہیں بیمارِ محبت یہ دعا مانگتے ہیں
مثلِ اکسیر نہ دنیا میں دوا پیدا ہو

کہہ رہا ہے جرسِ قلب بآوازِ بلند
گم ہو رہبر تو ابھی راہِ خدا پیدا ہو

کس کو پہنچا نہیں اے جان ترا فیضِ قدم
سنگ پہ کیوں نہ نشانِ کفِ پا پیدا ہو

مل گیا خاک میں پس پس کے حسینوں پہ میں
قبر پر بوئیں کوئی چیز حنا پیدا ہو

اشک تھم جائیں جو فرقت میں تو آہیں نکلیں
خشک ہو جائے جو پانی تو ہوا پیدا ہو

یاں کچھ اسباب کی ہم بندے ہی محتاج نہیں
نہ زباں ہو تو کہاں نام خدا پیدا ہو

گل تجھے دیکھ کے گلشن میں کہیں عمر دراز
شاخ کے بدلے وہیں دستِ دعا پیدا ہو

بوسہ مانگا جو دہن کا تو وہ کیا کہنے لگے
تو بھی مانندِ دہن اب کہیں ناپیدا ہو

نہ سرِ زلف ملا بل بے درازی تیری
رشتۂ طولِ امل کا بھی سرا پیدا ہو

کس طرح سچ ہے نہ خورشید کو رجعت ہو جائے
تجھ سا آفاق میں جب ماہ لقا پیدا ہو

ابھی خورشید جو چھپ جائے تو ذرات کہاں
تو ہی پنہاں ہو تو پھر کون بھلا پیدا ہو

کیا مبارک ہے مرا دشتِ جنوں اے ناسخ
بیضۂ بوم بھی ٹوٹے تو ہما پیدا ہو

جو اُٹھ پری سے شبِ وصل میں کاوٹ ہو
مجھے بھی ایک جنازہ ہو یا چھپر کھٹ ہو

محال خواب لحد سے ہے گرچہ بیداری
میں چونک اٹھوں اگر اسکے قدم کی آہٹ ہو

نہ میرے پاؤں ہوں زنجیر کے کبھی شاکی
جو اس کے کاکلِ پیچاں کی ہاتھ میں لٹ ہو

کبود رنگ ہے مسی کا میرے ہونٹھ ہیں لال
ملیں جو دونوں تو پیدا نہ کیوں اوداہٹ ہو

مجال کیا کہ ترے گھر میں پاؤں میں رکھوں
یہ آرزو ہے مرا سر ہو تیری چوکھٹ ہو

ہجوم رکھتے ہیں جانبازیوں تیرے آگے
جواریوں کا دوالی کو جیسے جمگھٹ ہو

لپٹ کے یار سے سوتا ہوں مانگتا ہوں دعا
تمام عمر بسر یارب ایک کروٹ ہو

نسیم آہ کے جھوکے سے کھول دوں دم میں
بھڑا ہوا ترے دروازے کا اگر پٹ ہو

جلاؤ غیروں کو مجھ سے جو گرمیاں کر کے
تمہارے کوچے میں تیار ایک مرگھٹ ہو

[illegible] علوں میں [illegible] اپنے نہ دل میں ٹھانی ہے
تری طرف سے ہزار آئے [illegible] مری لگاوٹ ہو

وہ منھ چھپاتے ہیں جیسے [illegible] شب [illegible]
جدا سحر سے شب کا نہ دور گھونگھٹ ہو

تری بلائیں مری طرح وہ بھی لیتا ہے
نہ کیونکر آگ میں اسپند کی یہ چٹ پٹ ہو

میں جاں بلب ہوں مگر کاٹو یا گلے سے لگو
جو اس میں آپ کو منظور ہو سو جھٹ پٹ ہو

کرے وہ ذکرِ خدا اے صنم بھلا کس وقت
جسے کہ آٹھ پہر تیرے نام کی رٹ ہو

جو دل کو [illegible] ہے سو ناسخ تو [illegible] کر دو [illegible]

کہیں یہ مفت میں دیکھو نہ مال تلپٹ ہو

خاک میں ملجائے ایسا اکھاڑا چاہئے
لڑکے کشتی دیو ہستی کو پچھاڑا چاہئے

وہ سہی قد کرکے ورزش خوب نے در و نیز چڑھا
کہہ رہا ہے سرو کو جڑ سے اکھاڑا چاہئے

کیوں نہ رو دیں پھوٹ کر ہم تھم جاناں کے تلے
دیدۂ ترا پنے دریا میں کواڑا چاہئے

اور تختوں کی ہماری قبر میں حاجت نہیں
خانۂ محبوب کا کوئی کواڑ* چاہئے

ہے شب مہتاب فرقت میں تقاضائے جنوں
چادر محبوب کو بھی آج پھاڑا چاہئے

انتہائے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں
ہنسکے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہئے

کرچکی ہے تیری رفتار ایک عالم کو خراب
شہر خاموشوں کو بھی چلکر اجاڑا چاہئے

منہ بنانے کیوں ہے قاتل پاس ہے تیغ نگاہ
باغ میں ہنستے ہیں گل تو منہ بگاڑا چاہئے

کوئی سیدھی بات صاحب کی نظر آتی نہیں
آپ کی پوشاک کو کپڑا بھی آڑا چاہئے

تنگ اس وحشت کدہ میں ہوں میں اے جوش جنوں
عرش کی سقف محدب کو لتاڑا چاہئے

آنسوؤں سے ہجر میں ساتوں رکھئے سال بھر
ہم کو گرمی چاہئے ہرگز نہ جاڑا چاہئے

آج اس محبوب کے دل کو مسخر کیجئے
عرش اعظم پر نشان نالہ کا گاڑا چاہئے

مرگیا ہوں حسرت نظارۂ ابرو میں میں
عین کعبہ میں مرے لاشہ کو گاڑا چاہئے

محتسب کو ہوگیا آسیب جو توڑا ہے خم
جوتیوں سے میکشو جن آج جھاڑا چاہئے

جلد رنگ لے دیدۂ خونبار اب تار نگاہ
ہے محرم اس پری پیکر کو نار ملا چاہئے

لڑتے ہیں پریوں سے کشتی پہلوان عشق میں
ہم کو ناسخ راجہ اندر کا اکھاڑا چاہئے

---

* چاندنی والے کواڑ کہتے ہیں۔

www.urduchannel.in

میر حسن خلیق

میر حسنؔ کے صاحبزادے۔ حسنِ اخلاق اور اوصاف کی بزرگی میں بزرگوں کے فرزند رشید تھے۔ متانت۔ سلامت روی۔ اور مسکینی ان کی سیادت کے لئے محضر شہادت دیتے تھے۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ۱۶ برس کی عمر سے مشق سخن شروع کی اور خُلقِ محسنؔ کی مناسبت سے **خلیق** تخلص اختیار کیا۔ ابتدا میں غزلیں بہت کہتے تھے اور والد بزرگوار سے اصلاح لیتے تھے۔ جب شیخ مصحفیؔ لکھنؤ میں پہنچے تو میر حسنؔ ان دنوں میں بدرِ منیر لکھ رہے تھے اور میر خلیق کی آمد کا یہ عالم کہ مارے غزلوں کے دم نہ لینے دیتے تھے۔ شفیق باپ کو اپنے فکر فرصت نہ دیتے تھے۔ بیٹے کو ساتھ لے گئے اپنی کم فرصتی کا حال بیان کیا اور اصلاح کے لئے شیخ موصوف کے سپرد کر دیا۔ ہونہار جوان کی جوان طبیعت نے رنگ نکالا تھا کہ قدردانی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور نیشاپوری خاندان میں ۔۔ روپیہ مہینے کا نوکر رکھوا دیا۔ انہی دنوں میں مرزا[۱] تقی۔ ترقی نے چاہا کہ فیض آباد میں شعر و سخن کا چرچا ہو۔ مشاعرہ قائم کیا۔ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کو لکھنؤ سے بلایا۔ تجویز یہ تھی کہ انہیں وہیں رکھیں۔ پہلے ہی جلسہ میں جو میر خلیق نے غزل پڑھی اس کا مطلع تھا۔

رشکِ آئینہ ہے اس رشکِ قمر کا پہلو	صاف ادھر سے نظر آتا ہے ادھر کا پہلو

آتشؔ نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص یہاں موجود ہے تو میری کیا ضرورت ہے۔

میر خلیق نازک خیالیوں میں ذہن لڑا رہے تھے کہ باپ کی موت نے شیشہ پتھر پر مارا عیال کا بوجھ پہاڑ ہو کر سر پر گرا جس نے آمد کے چشمے خاک ریز کر دیئے۔ مگر ہمت کی پیشانی پر ذرا بل نہ آیا۔ اکثر فیض آباد میں رہتے تھے۔ لکھنؤ آتے تھے تو پیر بخارا میں ٹھہرا

[۱] مرزا تقی ترقی خاندان مذکور میں ایک عالی ہمت امیر تھے۔ اور سرکار اودھ میں جاگیردار تھے۔

www.urduchannel.in

کرتے تھے۔ پر گوئی کا یہ حال تھا کہ مثلاً ایک لڑکا آیا۔ اس نے کہا میر صاحب! آٹھوں کا میلہ ہے ہم جائینگے۔ ایک غزل کہدیجئے۔ اچھا بھئی کہدینگے۔ میر صاحب! میلہ تو کل ہے ہم کل جائینگے۔ ابھی کہدیجئے۔ اسی وقت غزل لکھدی۔ اس نے کہا یاد بھی کروادیجئے میر صاحب اسے یاد کروا رہے ہیں۔ ان دنوں میں غزلیں بکا کرتی تھیں۔ میاں مصحفی تک اپنا کلام بیچتے تھے۔ یہ بھی غزلیں لکھکر فروخت کرتے تھے +

ایک دن ایک خریدار آیا اور اپنا تخلص ڈلوا کر شیخ ناسخ کے پاس پہنچا کہ اصلاح دیدیجئے۔ شیخ صاحب نے غزل کو پڑھکر اس کی طرف دیکھا اور بگڑ کر کہا۔ ابے تیرا منہ ہے جو یہ غزل کہیگا۔؟ ہم زبان پہچانتے ہیں۔ یہ وہی پیر بخارا والا ہے۔

میر خلیق صاحب دیوان تھے مگر اسے رواج نہیں دیا۔ نقد سخن اور سرمایۂ مضامین جو بزرگوں سے ورثہ پہنچا تھا۔ اسے زاد آخرت میں صرف کیا اور ہمیشہ مرثیے کہتے رہے اسی میں نام اور زمانہ کا کام چلتا رہا۔ آپ ہی کہتے تھے اور آپ ہی مجلسوں میں پڑھتے تھے۔ قدرداں آنکھوں سے لگا لگا کر لے جاتے تھے۔

سید انشا دریائے لطافت میں جہاں شرفائے دہلی کے رسوم و رواج بیان کرتے ہیں وہاں کہتے ہیں کہ مرثیہ خوانی کے پیشہ کو لوگ کم نظر سے دیکھتے ہیں اور غور سے دیکھو تو اب بھی یہی حال ہے۔ مرثیہ گوئی کی یہ صورت رہی کہ سودا اور میر کے زمانہ میں میاں سکندر میاں گدا میاں مسکین۔ افسردہ وغیرہ مرثیے ہی کہتے تھے۔ تصنیفات مذکورہ کو دیکھو تو فقط تبرک ہیں کیونکہ ان بزرگوں کو نظم مذکور سے فقط گریہ دلکا اور حصول ثواب مقصود تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ نیک نیت لوگ سن تاثیر سے اپنے مقصد میں کامیاب تھے۔ شاعری اور صنائع انشا پردازی سے کچھ غرض نہ تھی میر خلیق اور اس عہد کے چند اور اشخاص تھے جنہوں نے کدورتہائے مذکورہ کو دھوکر مرثیوں کو بھی ایسا چمکا دیا کہ جس نظر سے اساتذہ شعرا کے کلام دیکھے جاتے تھے اسی نظر سے لوگ انہیں بھی دیکھنے لگے۔ اور پہلے مرثیے سوز میں پڑھے جاتے تھے

www.urduchannel.in

پھر تحت لفظ بھی پڑھنے لگے ؎

مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے میدان میں جو ہوا بدلی۔ وہ میر خلیق کے زمانہ سے بدلی پہلے اکثر مرثیے چو مصرع ہوتے تھے۔ ہر چار مصرع کے بعد قافیہ۔ وہ انداز موقوف ہوا۔ ایک سلام غزل کے انداز میں۔ اور مرثیہ کے لئے مسدس کا طریقہ آئین ہوگیا۔ وہ سوز اور تحت لفظ دونو طرح پڑھا جاتا تھا۔ اور جو کچھ غزل مستزاد کے اسلوب پر کہتے تھے وہ نوحہ کہلاتا تھا۔ اسے سوز ہی میں پڑھتے تھے۔ اور یہی طریقہ اب تک جاری ہے۔ میر موصوف اور انکے بعض ہم عہد جو سلام یا مرثیے وغیرہ کہتے تھے۔ ان میں مصائب اور ماجرائے شہادت۔ ساتھ اس کے فضایل اور معجزات کی روایتیں اس سلاست اور سادگی اور صفائی کے ساتھ نظم کرتے تھے کہ واقعات کی صورت۔ سامنے تصویر ہو جاتی تھی اور دل کا درد آنکھوں سے آنسو ہو کر ٹپک پڑتا تھا ؎

اس زمانہ میں میر ضمیر ایک مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے کہ طبع شعر کے ساتھ عربی فارسی وغیرہ علوم رسمی میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ اور نہایت متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ تعجب یہ ہے کہ ساتھ اس کے طبیعت میں شوخی اور ظرافت بھی اتنی رکھتے تھے گویا سودا کی روح نے حلول کیا۔ انہوں نے بھی اپنی دنیا کو آخرت کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا اور غزل وغیرہ سے دست بردار ہوگئے تھے۔ لوگوں نے ان دونو بزرگوں کو نقطۂ مقابل کرکے تعریفیں شروع کر دیں۔ طبیعتیں ایک دوسرے کی چوٹ پر زور آزمائی کرکے نئے نئے ایجاد پیدا کرنے لگیں۔

اس وقت تک مرثیہ ۳۰ سے ۴۵ حد ۵۰ بند تک ہوتا تھا۔ میر ضمیر مرحوم نے ایک مرثیہ لکھا ع۔ کس نور کی مجلس میں مری جلوہ گری ہے۔ اسمیں شاہزادہ علی اکبر کی شہادت کا بیان ہے۔ پہلے ایک تمہید سے مرثیہ کا چہرہ باندھا۔ پھر سراپا لکھا۔ پھر میدان جنگ کا نقشہ دکھایا۔ اور بیان شہادت پر خاتمہ کر دیا۔ چونکہ پہلا ایجاد تھا اس لئے تعریف کی آوازیں دور دور تک پہنچیں۔ تمام شہر میں شہرہ ہوگیا۔ اور اطراف سے طلب

www.urduchannel.in

میں فرمائشیں آئیں۔ یہ ایجاد مرثیہ گوئی کے عالم میں ایک انقلاب تھا کہ پہلی روش متروک ہوگئی۔ باوجودیکہ انہوں نے مقطع میں کہدیا تھا۔

اس طرز میں جو کہوے سو شاگرد ہے میرا	دس میں کہوں تو میں کہوں یہ درد ہے میرا

پھر بھی سب اس کی پیروی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ پہلے امانت نے۔ پھر اور شاعروں نے واسوخت میں سراپا کو داخل کیا۔

عہد مذکور میں چار مرثیہ گو نامی تھے۔ میر ضمیر۔ میر خلیق۔ میاں دلگیر[۲۵]۔ میاں فصیح۔ میاں دلگیر کی زبان میں لکنت تھی اس لئے مرثیہ خوانی نہ کرتے تھے۔ تصنیف میں بھی انہوں نے مرثیت کے دایرہ سے قدم نہیں بڑھایا۔ مرزا فصیح حج و زیارات کو گئے۔ اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ میر ضمیر اور میر خلیق کے لئے میدان خالی رہا کہ جولانیاں دکھائیں دنیا کے تماشائی جنہیں تیز طبیعتوں کے لڑانے میں مزا آتا ہے دونو استادوں کو تعریفیں کرکے لڑاتے تھے اور دل بہلاتے تھے۔ اور اس سے اُن کے ذہن کو کمال کی ورزش اور اپنے دلوں کو چاشنی ذوق کی لذت دیتے تھے۔

اظہار کمال میں دونو استادوں کی رفتار الگ الگ تھی۔ کیونکہ میر ضمیر استعداد علمی اور زور طبع کے بازوؤں سے بہت بلند۔ پرواز کرتے تھے۔ اور پورے اُترتے ... میر خلیق مرثیت کے کوچہ سے اتفاقاً ہی قدم آگے بڑھاتے تھے۔ وہ مضمون آفرینی ... کم کرتے تھے اور ہمیشہ محاورہ اور لطف زبان کو خیالات دردانگیز کے ساتھ ... مطلب حاصل کرتے تھے۔ اور یہ جوہر اس آئینہ کا کانی اور خاندانی وصف ... اُن کا کلام بہ نسبت سبحان اللہ۔ واہ واہ کے نالہ و آہ کا زیادہ طلبگار رہتا۔ لڑنے ... ہر وقت اپنے کام میں معروف تھے مگر دونو صاحب۔ اخلاق اور سلامت روی ... قانون دان تھے۔ کبھی ایک جلسہ میں جمع نہ ہوتے تھے۔

آخر ایک شوقین نیک نیت نے روپیہ کے زور اور حکمت عملی کی مدد سے قانون کو

[۲۵] میاں دلگیر شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔ مرزا فصیح میاں دلگیر سے اور شیخ ناسخ سے اصلاح لیتے تھے۔

www.urduchannel.in

توڑا وہ بھی فقط ایک دفعہ۔ صورت یہ کہ نواب شرف الدولہ مرحوم نے اپنے مکان پر مجلس قرار دیکر سب خاص و عام کو اطلاع دی۔ اور مجلس سے ایک دن پہلے میر ضمیر مرحوم کے مکان پر گئے۔ گفتگوئے معمولی کے بعد پانسو روپیہ کا توڑہ سامنے رکھ دیا اور کہا کہ کل مجلس ہے مرثیہ آپ پڑھئے گا۔ بعد اس کے میر خلیق کے ہاں گئے۔ ان سے بھی وہی مضمون ادا کیا۔ اور ایک کو دوسرے کے حال سے آگاہ نہ کیا۔ لکھنؤ شہر، روز معین پر ہزار دو ہزار آدمی جمع ہوئے۔ ایک بجے کے بعد میر ضمیر منبر پر تشریف لیگئے اور مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ ان کا پڑھنا سبحان اللہ مرثیہ نظم۔ اور اسپر نثر کے حاشئے کبھی رُلاتے تھے۔ اور کبھی تحسین و آفرین کا غل مچواتے تھے کہ میر خلیق بھی پہنچے۔ اور حالت موجودہ کو دیکھکر حیران رہ گئے۔ اور دل میں کہا کہ آج کی شرم بھی خدا کے ہاتھ ہے۔ ضمیر نے جب انہیں دیکھا تو زیادہ پھیلے اور مرثیہ کو اتنا طول دیا کہ آنکھوں میں آنسو اور لبوں میں تحسیں بلکہ وقت میں گنجایش بھی نہ چھوڑی۔ آفتاب یوں ہی سا جھلکتا رہگیا۔

وہ ابھی منبر سے اترے ہی تھے کہ چوبداران کے پاس آیا اور کہا کہ نواب صاحب فرماتے ہیں۔ آپ بھی حاضرین کو داخلِ حسنات فرمائیں۔ اس وقت ان کے طرفداروں کی بالکل صلاح نہ تھی مگر یہ توکل بخدا اٹھکھڑے ہوئے اور منبر پر جاکر بیٹھے۔ چند ساعت توقف کیا۔ آنکھیں بند خاموش بیٹھے رہے۔ ان کی گوری رنگت۔ جسم نحیف و ناتوان نہیں معلوم ہوتا تھا کہ بدن میں لہو کی بوند ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے رباعی پڑھی تو اہل مجلس کو پوری آواز بھی نہیں سنائی دی۔ چند مرثیے کے بند بھی اس حالت میں گذر گئے۔ دفعتہً باکمال نے رنگ بدلا۔ اور اس کے ساتھ ہی محفل کا بھی رنگ بدلا۔ آہوں کا دھواں ابر کی طرح چھا گیا۔ اور نالہ و زاری نے آنسو برسانے شروع کئے ۱۵-۲۰ بند پڑھے تھے کہ ایک کو دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ ۲۵ یا ۳۰ بند پڑھکر اتر آئے اہل مجلس اکثر ایسی حالت میں تھے کہ جب آنکھ اٹھاکر دیکھا تو منبر خالی تھا۔ نہ معلوم ہوا کہ میر خلیق صاحب کس وقت منبر سے اتر آئے۔ دونو کے کمال پر ہم ہوا۔ اور طرفین

کے طرفہ بہ سر خر و گھر دں کو پھرے +

روایت مندرجہ بالا میر مہدی حسن فراغ کی زبانی سنی تھی۔ لیکن میر علی حسن اشک تخلص کہ میر عماد خوشنویس کی اولاد میں ہیں۔ خود ناسخ کے شاگرد اور صاحب دیوان ہیں۔ اُن کے والد جنتی تخلص فقط مرثیہ کہتے تھے اور میاں دلگیر کے شاگرد تھے میر اشک اب بھی حیدر آباد میں بزمرۂ منصبداران ملازم ہیں۔ ان کی زبانی مولوی شریف حسین خان صاحب نے بیان کیا کہ لکھنؤ میں ایک غریب خوش اعتقاد شخص بڑے شوق سے مجلس کیا کرتا تھا۔ اور اسی رعایت سے ہر ایک نامی مرثیہ خوان اور لکھنؤ کے خاص و عام اُس کے ہاں حاضر ہوتے تھے۔ یہ معرکہ اس کے مکان پر ہوا تھا اور میر ضمیر کے اشارے سے ہوا تھا۔ میر اشک فرماتے تھے کہ میر خلیق نے اپنے والد کے بعد چند روز بہت سختی سے زندگی بسر کی۔ عیال فیض آباد میں تھے۔ آصف الدولہ لکھنؤ میں رہنے لگے۔ ان کے سبب سے تمام امرا یہیں رہنے لگے۔ میر موصوف لکھنؤ میں آتے تھے۔ سال بھر میں تین چار سو روپے حاصل کر کے لے جاتے تھے اور پرورش عیال میں صرف کرتے تھے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ مرثیوں کا جزدان بغل میں لیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت خالی پڑی رہتی تھی اس میں اکثر اترتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آئے۔ بھتر رکھکر آگ سلگائی تھی۔ آٹا گوندھ رہے تھے کہ شخص مذکور ہاتھ جوڑ کر سامنے آکھڑا ہوا اور کہا کہ حضور! مجلس تیار ہے میری خوش نصیبی سے آپ کا تشریف لانا ہوا ہے۔ چلکر مرثیہ پڑھ دیجئے۔ یہ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہاتھ دھو جلد اس کے ساتھ ہوئے وہاں جا کر دیکھیں تو میر ضمیر ممبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہیں یہ معرکہ واقع ہوا اور اسی دن سے میر خلیق نے مرثیہ خوانی میں شہرت پائی +

میر خلیق کے کلام کا انداز اور خوبی محاورہ اور لطفِ زبان۔ یہی سمجھ لو جو آج میر انیس

www.urduchannel.in

کے مرثیوں میں دیکھتے ہو۔ فرق اتنا ہے کہ ان کے ہاں مرثیت اور صورت حال کا بیان درد انگیز تھا۔ ان کے مرثیوں میں تمہیدیں اور سامان اور سخن پروازی بہت بڑھی ہوئی ہے +

ان کے ادائے کلام اور پڑھنے کی خوبی دیکھنے اور سننے کے قابل تھی۔ اعضا کی حرکت سے بالکل کام نہ لیتے تھے فقط نشست کا انداز۔ اور آنکھ کی گردش تھی۔ اسی میں سب کچھ ختم کر دیتے تھے۔ میر انیس مرحوم کو بھی مینے پڑھتے ہوئے دیکھا کہیں اتفاقاً ہی ہاتھ اٹھ جاتا تھا۔ یا گردن کی ایک جنبش۔ یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی تھی ورنہ کلام ہی سارے مطالب کے حق پورے پورے ادا کر دیتا تھا۔

میر خلیق نے اپنے بڑھاپے کے سبب سے اخیر عمر میں مرثیہ پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ شعرا شاگردان الٰہی ہیں۔ ان کی طبیعت میں غیرت اور جوش اوروں سے بہت درجہ زیادہ بلند ہوتا ہے۔ میر انیس کی مرثیہ خوانی مشرقِ ممبر سے طلوع ہونے لگی تھی۔ جب کوئی آکر تعریف کرتا کہ آج فلاں مجلس میں کیا خوب پڑھے ہیں! یا فلاں نواب کے ہاں تمام مجلس کو لٹا دیا۔ تو انہیں خوش نہ آتا تھا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ اسی عالم ناتوانی میں ممبر پر جا بیٹھے اور مرثیہ پڑھا۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی ہمیں درماندہ نہ سمجھنا۔

میر خلیق صاحب نے پیرانہ سالی کی تکلیف اٹھا کر دنیا سے انتقال کیا۔ میں ان دنوں خوردسال تھا مگر اچھی طرح یاد ہے جب ان کا کلام دلی میں پہنچا۔ وہ سال اخیر کی تصنیف تھا۔ **مطلع**

مجرائی طبع کند ہے۔ لطفِ بیان گیا	دنداں گئے کہ جوہرِ تیغ زباں گیا

ایک دو شعر ضعف پیری کی شکایت میں اور بھی تھے اور مقطع تھا۔

گذری بہارِ عمر خلیق اب کہیں گے سب	باغ جہاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا

اخیر عمر میں ضعف کے سبب سے مرثیہ نہ پڑھتے تھے لیکن قدرتی شاعر کی زبان کب رہتی

www.urduchannel.in

ہے۔ بی بی کے مرنے نے گھر کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ ۳ صاحبزادے تھے۔ انیس۔ مونس۔ اُنس۔ میر خلیق ہمیشہ دورہ میں رہتے تھے۔ ۱۰۔ ۱۰۔ ۱۵۔ ۱۵۔ دن ہر ایک کے ہاں بسر کر دیتے تھے۔ کہیں جاتے آتے بھی نہ تھے۔ پلنگ پر بیٹھے رہتے تھے۔ اور لکھے جاتے تھے۔ کوئی شگفتہ زمین خیال میں آئی۔ اس میں سلام کہنے لگے۔ دل لگ گیا تو پورا کیا۔ نہیں تو چند شعر کہے اور چھوڑ دیے۔ کوئی تمہید سوجھی۔ مرثیہ کا چہرہ باندھا جتنا ہوا اتنا ہوا۔ جو رہ گیا۔ رہ گیا۔ کوئی روایت نظم کرنی شروع کر دی۔ گھوڑے کا مضمون خیال میں آیا۔ وہی کہتے چلے گئے۔ کبھی طبیعت لڑ گئی تلوار کی تعریف کرنے لگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ جو کچھ جس کے گھر میں کہتے تھے۔ وہ اسی کے گھر میں چھوڑ کر چلے آتے تھے۔ یہ سرمایہ میر اُنس کے پاس سب سے زیادہ رہا کہ ان کے گھر میں زیادہ رہتے تھے۔ کیونکہ ان کی بی بی کھانوں اور آرام آسایش کے سامانوں سے اپنے ضعیف العمر بزرگ کو بہت اچھی طرح رکھتی تھیں۔

ان کی بلکہ ان کے گھرانے کی زبان محاورہ کے لحاظ سے سب کے نزدیک سند تھی۔ شیخ ناسخ کی منصفی اور حق پرستی پر رحمت و آفرین کے سہرے چڑھانے چاہئیں کہ اپنے شاگردوں کو کہا کرتے تھے کہ بھئی زبان سیکھنی ہے تو میر خلیق کے ہاں جایا کرو۔ اسکے علاوہ بھی ان کے کلام کو فروغ دیتے رہتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ تینوں بیٹے ہونہار ہیں۔ دیکھنا خوب ہونگے۔ میر خلیق محاورے کے اس قدر پابند تھے کہ ان کے مختصر کمال پر بجائے مہر کے بعض لوگوں نے کم علمی کا داغ لگایا۔ انہوں نے شاہزادہ علی اصغر کے حال میں ایک جگہ لکھا کہ عالم بے آبی میں پیاس کی شدت سے غش آگیا۔ آنکھ کھولی تو مادر مقدسہ نے ع۔ لیلاف پڑھی اور اسے دودھ پلایا۔ حریف اٹھ پہر تاک میں تھے۔ کسی نے یہ مصرع ناسخ کے سامنے جا کر پڑھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ یوں کہا ہوگا ع۔ پڑھ پڑھ کے لایلاف اسے دودھ پلایا +

میر انیس مرحوم فرماتے تھے کہ والد میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ میں ایک

www.urduchannel.in

مرثیہ میں وہ روایت نظم کر رہا تھا کہ جناب امام حسین ع عالم طفولیت میں سواری کے لئے ضد کر رہے تھے۔ جناب آنحضرت ص تشریف لائے اور فرطِ شفقت سے خود جھک گئے کہ آؤ سوار ہو جاؤ تاکہ پیارے نواسے کا دل آزردہ نہ ہو۔ اس موقع پر ٹیپ کا دوسرا مصرع لکھ لیا تھا۔ ع۔ اچھا سوار ہو جئے ہم اونٹ بنتے ہیں۔ پہلے مصرع کے لئے اُلٹ پلٹ کرتا تھا۔ جیسا کہ دل چاہتا تھا ویسا برجستہ نہ بیٹھتا تھا۔ والد نے مجھے غور میں غرق دیکھکر پوچھا۔ کیا سوچ رہے ہو؟ میں نے مضمون بیان کیا۔ اور جو مصرع خیال میں آتے تھے۔ پڑھے۔ فرمایا یہ مصرع لگا دو (ذرا زبان کی لطافت کو تو دیکھو)

جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں	اچھا سوار ہو جئے ہم اونٹ بنتے ہیں

افسوس کہ ان کی کوئی پوری غزل ہاتھ نہ آئی۔ دو شعر یاد ہیں وہی لکھ دیتا ہوں۔

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا	تھا ستارا کہ آسماں سے گرا
ہنس دیا یار نے جو رات خلیق	کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا

خواجہ حیدر علی آتش

آتش تخلص خواجہ حیدر علی نام۔ باپ دلّی کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ میں جاکر سکونت اختیار کی۔ خواجہ زادوں کا خاندان تھا جس میں مسندِ فقر بھی قایم تھی۔ اور سلسلہ پیری مریدی کا بھی تھا۔ مگر شاعری اختیار کی اور خاندانی طریقہ کو سلام کر کے اس میں سے فقط آزادی و بے پروائی کو رفاقت میں لے لیا **مصحفی** کے شاگرد تھے۔ اور حق یہ ہے کہ ان کی آتش بیانی نے اُستاد کے نام کو روشن کیا۔ بلکہ کلام کی گرمی اور چمک کی دمک نے استاد شاگرد کے کلام میں اندھیرے اُجالے کا امتیاز دکھایا ❖

استعدادِ علمی — خواجہ صاحب کی ابتدائی عمر تھی اور استعدادِ علمی تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ طبیعت شاعری

www.urduchannel.in

میں کمان دکھانے لگی۔ اس وقت دوستوں کی تاکید سے درسی کتابیں دیکھیں باوجود اس کے عربی میں کافیہ کو کافی سمجھ کر آگے پڑھنا فضول سمجھا مشق سے کلام کو قوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنے زمانہ میں مسلم الثبوت استاد ہو گئے۔ اور سینکڑوں شاگرد دامن تربیت میں پرورش پاکر استاد کہلائے۔

طرز معاشرت

چہریا بدن۔ کشیدہ قامت۔ سیدھے سادے بھولے بھالے آدمی تھے۔ سپاہیانہ۔ رندانہ۔ اور آزادانہ وضع رکھتے تھے اور اس لئے کہ خاندان کا تمغا بھی قائم رہے کچھ رنگ فقیری کا بھی تھا۔ ساتھ اس کے بڑھاپے تک تلوار باندھ کر سپاہیانہ بانکپن کو بھی نباہے جاتے تھے۔ سر پر ایک زلف اور کبھی حیدری چٹا کہ یہ بھی محمد شاہی بانکوں کا سکہ ہے اسی میں ایک طرہ سبزی کا بھی لگائے رہتے تھے اور بے تکلفانہ رہتے تھے۔ اور ایک بانکی ٹوپی بھون پر دھرے جدھر چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ بالی خاں کی سرا میں ایک پرانا سا مکان تھا وہاں سکونت تھی اس محلے کے ایک طرف اُنکے دل بہلانے کا جنگل تھا۔ بلکہ ویرانوں میں اور شہر کے باہر جنگلوں میں اکثر پھرتے رہتے تھے۔ ۸۰ روپے مہینا بادشاہ لکھنؤ کے ہاں سے ملتا تھا۔ ۱۵ روپے گھر میں دیتے تھے باقی غربا اور اہل ضرورت کو کھلا پلا کر مہینے سے پہلے ہی فیصلہ کر دیتے تھے۔ پھر توکل پر گذارہ تھا۔ مگر شاگردوں یا امرائے شہر میں سے کوئی سلوک کرتا تھا تو اس سے انکار نہ تھا۔ باوجود اس کے ایک گھوڑا بھی ضرور بندھا رہتا تھا اسی عالم میں کبھی آسودہ حال رہتے تھے کبھی ایک آدھ فاقہ بھی گذر جاتا تھا جب شاگردوں کو خبر ہوتی ہر ایک کچھ نہ کچھ لیکر حاضر ہوتا اور کہتا کہ آپ ہم کو اپنا نہیں سمجھتے کہ کبھی اظہار حال نہیں فرماتے جواب میں کہتے کہ تم لوگوں نے کھلا کھلا کر ہمارے نفس حریص کو فربہ کر دیا ہے۔ میر دوست علی خلیل کو یہ سعادت اکثر نصیب ہوتی تھی۔ فقیر محمد خان گویا خواجہ وزیر یعنے شیخ صاحب کے شاگرد تھے مگر ۲۵ روپے مہینا دیتے تھے۔ سید محمد خاں رند کی طرف سے بھی معمولی نذرانہ پہنچتا تھا۔

www.urduchannel.in

فقیرانہ حالت

زمانہ نے ان کی تصاویر مضمون کی قدر ہی نہیں کی بلکہ پرستش کی مگر انھوں نے اسکی جاہ و حشمت سے ظاہر آرائی نہ چاہی۔ نہ امیروں کے درباروں میں جاکر غزلیں سنائیں نہ ان کی تعریفوں میں قصیدے کہے۔ ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں جس پر کچھ چھت کچھ چھپر سایہ کئے تھے بوریا بچھا رہتا تھا۔ اُسی پر ایک لنگ باندھے صبر و قناعت کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اور عمر چند روزہ کو اس طرح گذار دیا جیسے کوئی بے نیاز و بے پروا فقیر تکیہ میں بیٹھا ہوتا ہے۔ کوئی متوسط الحال اشراف یا کوئی غریب آتا تو متوجہ ہوکر باتیں بھی کرتے تھے۔ امیر آتا تو دھتکار دیتے تھے۔ وہ سلام کرکے کھڑا رہا کہ آپ فرمائیں تو بیٹھے۔ یہ کہتے۔ ہوں۔ کیوں صاحب! بوریے کو دیکھتے ہو کپڑے خراب ہوجائینگے یہ تو فقیر کا تکیہ ہے یہاں مسند تکیہ کہاں! اور یہ حالت شیخ صاحب کی شان و شکوہ کے بالکل برخلاف ہے نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ عالم میں مقبول خلایق ہوئے علم والے شاعروں سے پہلو بہ پہلو رہے امیر سے غریب تک اسی فقیرانہ تکیہ میں آکر سلام کر گئے۔

اے ہما پیش فقیری سلطنت کیا مال ہے	بادشاہ آتے ہیں پابوس گدا کے واسطے

سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھونکا آیا کہ شعلہ کی طرح بجھ کر رہ گئے۔ آتش کے گھر میں راکھ کے ڈھیر سوا اور کیا ہونا تھا۔ میر دوست علی خلیل نے تجہیز و تکفین کی اور رسوم ماتم بھی بہت اچھی طرح ادا کیں۔ بی بی اور ایک لڑکا لڑکی خورد سال تھے ان کی بھی سرپرستی وہی کرتے رہے۔ میر علی اوسط رشک نے تاریخ لکھی ع۔ خواجہ حیدر علی اے وا مردند۔

طرزِ کلام

تمام عمر کی کمائی جسے حیات جاودانی کا مول کہنا چاہئے ایک دیوان غزلوں کا ہے جو کہ اُن کے سامنے رائج ہوگیا تھا۔ دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا۔ جو کلام ان کا ہے حقیقت میں محاورۂ اردو کا دستور العمل ہے اور انشا پردازیٔ ہند کا اعلےٰ نمونہ۔ شرفائے لکھنؤ کی بول چال کا انداز اس سے معلوم ہوتا ہے جس طرح لوگ باتیں کرتے ہیں اُسی طرح انھوں نے شعر کہہ دیئے ہیں۔ ان کے کلام نے پسندِ خاص اور قبولِ عام کی سند

www.urduchannel.in

حاصل کی۔ اور نہ فقط اپنے شاگردوں میں بلکہ بے غرض اہلِ انصاف کے نزدیک بھی مقبول اور قابلِ تعریف ہوئے۔ دلیل اس کی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ بار بار چھپتا ہے اور بک جاتا ہے۔ اہلِ سخن کے جلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اور عاشقانہ غزلیں موسیقی کی تاثیر کو چمکا کر محفلوں کو گرماتی ہیں۔

شیخ صاحب سے مقابلہ

وہ شیخ امام بخش ناسخ کے ہمعصر تھے۔ مشاعروں میں اور گھر بیٹھے روز مقابلے رہتے تھے۔ دونو کے معتقد کہ انبوہ در انبوہ تھے۔ جلسوں کو معرکے اور معرکوں کو ہنگامے بناتے تھے۔ مگر دونو بزرگوں پر صد رحمت ہے کہ مرزا رفیع اور سید انشا کی طرح دست و گریبان نہ ہوتے تھے۔ کبھی کبھی نوکا چوکی ہو جاتی تھی کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے جب شیخ صاحب کی غزلوں پر متواتر غزلیں لکھیں تو انہوں نے کہا۔

ایک جاہل کہہ رہا ہے میر کے دیواں کا جواب	بو مسیلم نے لکھا تھا جیسے قرآں کا جواب
کیوں نہ دے ہر مومن اس ملحد کے دیواں کا جواب	جس نے دیواں اپنا ٹھیرایا ہے قرآں کا جواب

شیخ صاحب خواجہ صاحب

خواجہ صاحب کے کلام میں بول چال اور محاورے اور روزمرہ کا لطف بہت ہے جو کہ شیخ صاحب کے کلام میں اس درجہ پر نہیں۔ شیخ صاحب کے معتقد اس معاملہ کو ایک اور ہی قالب میں ڈال کر کہتے ہیں کہ ان کے ہاں فقط باتیں ہی باتیں ہیں۔ کلام میں ریختہ کی پختگی اور ترکیب میں متانت اور اشعار میں عالی مضامین نہیں۔ اور اس سے نتیجہ ان کی بے استعدادی کا نکالتے ہیں۔ مگر یہ ویسا ہی ظلم ہے جیسا ان کے معتقد ان پر کرتے ہیں کہ شیخ صاحب کے شعروں کو اکثر بے معنے اور مہمل سمجھتے ہیں۔ میں نے خود دیوان آتش کو دیکھا کلام مضامین بلند سے خالی نہیں۔ ہاں طرزِ بیان صاف ہے۔ سیدھی سی بات کو پیچ نہیں دیتے۔ ترکیبوں میں استعارے اور تشبیہیں فارسیت کی بھی موجود ہیں۔ مگر قریب الفہم۔ اور ساتھ اس کے اپنے محاورہ کے زیادہ پابند ہیں۔ یہ درحقیقت ایک وصف خداداد ہے کہ رقابت اسے عیب کا لباس پہنا کر سامنے لاتی ہے۔ کلام کو رنگینی اور استعارہ و تشبیہ سے بلند کر دکھانا آسان ہے۔ مگر زبان اور روزمرہ کے محاورہ میں

حریفوں کے اعتراض

www.urduchannel.in

صاف صاف مطلب اس طرح ادا کرنا جسے سننے والے کے دل پر اثر ہو یہ بات بہت
مشکل ہے۔ شیخ سعدی کی گلستاں کچھ چھپی ہوئی نہیں ہے۔ نہ اُس میں نازک خیالات
ہیں۔ نہ کچھ عالی مضامین ہیں۔ نہ پیچیدہ تشبیہیں ہیں۔ نہ استعارہ در استعارہ فقرے ہیں
چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں صاف صاف باتیں ہیں۔ اسپر آجتک اس کا جواب نہیں۔
مینا بازار۔ اور پنج رقعہ۔ کے انداز میں صدہا کتابیں موجود ہیں۔ اس معاملہ میں غور کے بعد
یہ معلوم ہوا کہ جو بزرگ خیال بندی اور نازک خیالی کے چمن میں ہوا کھاتے ہیں۔ اوّل
ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسے نئے مضمون نکالیں جو اب تک کسی نے نہ باندھے ہوں
لیکن جب متقدمین کے اشعار سے کوئی بات بچی ہوئی نہیں دیکھتے تو ناچار انھی کے
مضامین میں باریکیاں نکال کر موشگافیاں کرتے ہیں۔ اور ایسی ایسی لطافتیں اور
نزاکتیں نکالتے ہیں کہ غور سے خیال کریں تو نہایت لطف حاصل ہوتا ہے۔ پھولوں کو
پھینک کر فقط رنگ بے گل سے کام لیتے ہیں۔ آئینہ سے صفائی اتار لیتے ہیں تصویر
آئینہ میں سے حیرت نکال لیتے ہیں اور آئینہ پھینک دیتے ہیں۔ نگاہ سرگیں سے حرف
بے آواز کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ان مضامین سے کلاموں میں خیالی
نزاکت۔ اور لطافت سے تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگ بھی تحسین و آفرین کے لئے
مستعد ہو جاتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان کے ادا کرنے کو الفاظ ایسے نہیں ہم پہنچتے کہ
کہنے والا کہے اور سمجھنے والا صاف سمجھ جائے۔ اس لئے ایسے کلام پُر اثر اور ناخن بر جگر
نہیں ہوتے۔ بڑا افسوس یہ ہے کہ اس انداز میں عمومی مطالب نہیں ادا ہو سکتے۔ بیشک
بہت مشکل کام ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے گویا چنے کی دال پر مصوّر نے ایک شکار گاہ
کی تصویر کھینچ دی۔ یا چاول پر خوشنویس نے قل ہو اللہ لکھ دیا۔ فائدہ دیکھو تو کچھ بھی نہیں
اسی واسطے جو فہمیدہ لوگ ہیں وہ ادائے مطلب اور طرزِ کلام میں صفائی پیدا کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔ اُسی میں کوئی نئی بات نکل آئی تو نکل آئی۔ ایسے ادھیڑ بن نہ جانینگے
کہ بالکل غائب ہو جائیں اور سننے والے منہ دیکھتے رہ جائیں۔ البتہ کبھی ایسا بھی ہوتا

www.urduchannel.in

ہے کہ ان ترکیبوں کی پیچیدگی اور لفظوں کی باریکی و تاریکی میں جواہرات معنی کا بھرم ہوتا ہے۔ اور اندر سے دیکھتے ہیں تو سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ جیسے انکے حریف کو کندن اور کاہ برآوردن کہتے ہیں۔ مگر انصاف یہ ہے کہ دونو لطف سے خالی نہیں۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

حریفوں کو اعتراض بھی ہیں

شیخ صاحب کے معتقد خواجہ صاحب کے بعض الفاظ پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

دختر رز مری مونس ہے مری ہمدم ہے
میں جہانگیر ہوں وہ نور جہاں بیگم ہے

لوگوں نے کہا کہ حضور! بیگم ترکی لفظ ہے اہل زبان گاف پر پیش بولتے ہیں اور زبان فارسی کا قاعدہ بھی یہی چاہتا ہے۔ یہ اس وقت بھنگیائے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہا کہ ہُونہ۔ ہم ترکی نہیں بولتے۔ ترکی بولینگے تو بُگم کہیں گے۔

اسی طرح جب انہوں نے یہ مصرع کہا ۔ع

اس جوان کی نمش کف مار سیاہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ قبلہ! یہ لفظ فارسی۔ اور اصل میں نمشک ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب فارس میں جائینگے تو ہم بھی نمشک کہینگے۔ یہاں سب نمش کہتے ہیں تو نمش ہی شعر میں باندھنا چاہئے۔

پیشگی دل کو جو دے لے وہ اسے تحصیلے
ساری سرکاروں سے ہے عشق کی سرکار جدا

حریفوں نے کہا کہ پیشگی ترکیب فارسی سے ہے۔ مگر فارسی والوں کے استعمال میں نہیں انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا محاورہ ہے۔

یہاں شک تو درست ہے۔ مگر بعض مواقع پر جوان کے حریف کہتے ہیں تو انہیں بھی لاجواب ہونا پڑتا ہے چنانچہ دیوان میں ایک غزل ہے۔ صاف ہوا۔ معاف ہوا۔ غلاف ہوا۔ اس میں فرماتے ہیں۔

زہر پرہیز ہو گیا مجھ کو
درد درماں سے المضاف ہوا!

اس ٹھوکر کھانے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے تلفظ میں المضاعف ۔ جو المضاعف

www.urduchannel.in

بولا جاتا ہے۔ وہ اس کی اصلیت کے دھوکے میں رہے
خواجہ صاحب شاید حلوا کو حلوہ سمجھے جو فرماتے ہیں۔

لعل شکر بار کا بوسہ میں کیونکر نہ لوں
کوئی نہیں چھوڑتا حلوۂ بے دود کو

کفارہ کو بھی عوام بے تشدید بولتے ہیں چنانچہ خواجہ صاحب نے بھی کہدیا۔

رنگ زرد و لب خشک و مژۂ خوں آلود
کشتۂ عشق ہیں ہم۔ ہے یہ کفارہ اپنا

لکھے ہیں سرگذشتِ دل کے مضمون یکقلم ایں
تماشا قتل گہ کا ہے مطلع میرے دیواں کا

کشاکش دم کی مارِ آستیں کا کام کرتی ہے
دلِ بیتاب کو پہلو میں اک گرگ بغل پایا

مخالف کہتے ہیں کہ بغل گھونسا اردو کا محاورہ ہے۔ مارآستیں فارسی محاورہ ہے گرگ بغل کے لئے فارسی کی سند چاہئے۔ بے سند صحیح نہیں۔

چار ابرو میں تری حیران ہیں سارے خوشنویس
کس قلم کا قطعہ ہے یہ کاتب تقدیر کا

یہاں چار ابرو بمعنی چہرہ لیا ہے۔ اور محاورہ میں چار ابرو کا لفظ بغیر صفائی کے نہیں آتا۔ جس سے مراد یہ ہے کہ۔ ابرو اور ریش و بروت کو چٹ کردیں۔ وہ بے نواؤں اور قلندروں کے لئے خاص ہے نہ کہ معشوق کے لئے۔ سید انشا نے کیا خوب کہا ہے

سید انشا ایک بے نوا کے لڑکے پہ مرتے ہیں شیخ جی
عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

آتش بہارِ گلستان کی ہے آمد آمد
خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

خوش پھرتے ہیں چاہئے۔

لعب بازی کی بھی حسرت نہ رہے اے آتش
میرے اللہ نے بازیچۂ تن مجھکو دیا

بھلا دیکھیں تو گو بازی میں سبقت کون کرتا ہے
ادھر ہم بھی ہیں توسن پر ادھر تم بھی ہو توسن پہ

ابروئے یار کا ہے سر میں جنہوں کے سودا
رقص وہ لوگ کیا کرتے ہیں تلواروں پر

نہیں غم تیغ ابروئے صنم سے قتل ہونیکا
شہادت بھی بمنزل فتح کی ہے مرد غازی کو

سودائی جان کر تیری چشمِ سیاہ کا
ڈھیلے لگاتے ہیں مجھے دیدۂ غزال کے

اس صنعتِ مراعات النظیر کو تکلیف زاید سمجھتے ہیں۔

حریف بعض اُور قسم کے جزئیات پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ مثلاً خواجہ صاحب فرماتے ہیں

قدرتِ حق ہے صباحت سے تماشا ہے وہ رخ — خالِ مشکیں دلِ فرعوں ید بیضا ہے وہ رخ
کانپتا ہے آہ سے میری رقیبِ روسیاہ — اژدہا فرعوں کو موسےٰ کا عصا معلوم ہو
چلمہ کے یاقوتِ لب کو تیری مجذوب ہوئے ہم — نشہ معجوں میں مئی ہوش ربا کا نکلا
حالِ مستقبل نجومی اس سے کرتے ہیں بیاں — زائچہ بھی نقل ہے پیشانی کی تحریر کا
جو کہ قسمت میں لکھا ہے جان ہوویگا وہی — پھر عبث کا ہے کو طالع آزمائی کیجئے — لااعلم
رات بھر آنکھوں کو اس امید پر رکھتا ہوں بند — خواب میں شاید کہ دیکھوں طالعِ بیدار کو — آتش
بند آنکھیں کئے رہتا ہوں پڑا — خواب میں آئے نظر تا کوئی — جرات
دولتِ عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے — داغِ دل۔ زخمِ جگر۔ مُہر ونشاں ہے کہ جو تھا — آتش
گوہرِ مخزنِ اسرار ہمانست کہ بود — حقۂ مہر بداں مہر ونشانست کہ بود — خواجہ حافظ
آنکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے — دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے — آتش
کاسۂ چشم لیکے جوں نرگس — ہم نے دیدار کی گدائی کی — میر صاحب

ان کے کلام میں بھی بعض الفاظ ایسے ہیں جو دلّی اور لکھنو کی زبان میں پورب پچھم کا فرق دکھاتے ہیں۔ دلّی والے اندھیری کہتے ہیں۔ اور انہوں نے اندھیاری باندھا، چنانچہ کئی شعر شیخ ناسخ کے حال[؎] میں لکھے گئے +

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

بلند وپست عالم کا بیاں تحریر کرتا ہے — قلم ہے شاعروں کا یا کوئی رہرو ہے بیہڑ کا

بیہڑ کا لفظ دلی میں مستعمل نہیں۔ بل بے۔ دلّی کے شعرا باندھتے تھے۔ آج کل کے لوگ اس کو بھی متروک سمجھتے ہیں۔ مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

خانہ خراب نالوں کی بل بے شرارتیں — بہتیں ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں

متاخرین لکھنو اور دہلی کے فارسی جمع کو بے اضافت یا صفت کے نہیں لاتے مگر یہ اکثر باندھتے ہیں دیکھو اشعار مفصلۂ ذیل۔

؎ دیکھو صفحہ ۳۵۰

رفتگاں کا بھی خیال اے اہل عالم چاہئے	عالم ارواح سے صحبت کوئی دم چاہئے
رہگزر میں دفن کرنا اے عزیزاں تم مجھے	شاید آجائے کسی کے میرا مدفن زیر پا
بھاگو نہ مجکو دیکھ کے بے اختیار دور	اے کودکاں ابھی تو ہے فصل بہار دور
کیا نفاق انگیز ہمجنساں ہوائے دہر ہے	نیند اڑ جاتی ہے سننے سے نفیر خواب کو
روز و شب رویا میں آتش رفتگاں کی یاد میں	عمر بھر آنکھیں نہ بھولیں صورت احباب کو
عہد طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج	بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو پہنے بجاریاں
اے خدا اسکے گورے گالوں پر یہ تو نے کیا کیا	چاندنی راتیں یکایک ہوگئیں اندھیاریاں

صفت کو اس طرح موصوف کی مطابقت کے لئے جمع کرنا اب خلاف فصاحت سمجھتے ہیں

طالب علیخاں عیشی سے معرکہ

ایک دفعہ میر تقی ترقی کے ہاں مشاعرہ میں خواجہ صاحب نے غزل پڑھی کہ پشکم کے مضمون میں۔ سورج بحر کافور۔ باندھا تھا۔ طالب علیخاں عیشی نے وہیں ٹوکا۔ انہوں نے جواب دیا کہ۔ میاں ابھی بہت مدت چاہیے دیکھو تو سہی جامی کیا کہتا ہے۔

دو پستانش بہم چوں قبۂ نور	حبابے خاستہ از بحر کافور

ساتھ ہی میر مشاعرہ سے کہا کہ۔ قبلہ۔ اب کی دفعہ یہی طرح ہو۔

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں	ہمارے گنجفہ میں بازئ غلام نہیں

وہ بیچارے بھی کسی کے متبنے تھے۔ اسی مطلع کو یار لوگوں نے شیخ ناسخ کے گلے باندھا۔

استادوں سے بگاڑ

کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شعرا جو شاگردان الٰہی ہیں مجازی استادوں کے ساتھ ان کی بگڑتی ہی چلی آئی ہے۔ چنانچہ ان کا بھی استاد سے بگاڑ ہوا۔ خدا جانے بنیاد کن کن جزئیات پر قایم ہوئی ہوگی۔ اور ان میں حق کس کی طرف تھا آج اصل حقیقت دور کے بیٹھنے والوں پر کھلنی مشکل ہے مگر جہاں سے کھلم کھلا بگڑی اس کی حکایت یہ سنی گئی کہ شیخ مصحفی ابھی زندہ تھے۔ اور خواجہ صاحب کی طبیعت بھی اپنی گرمیاں دکھانے لگی تھی۔ جو مشاعرہ میں طرح ہوئی۔ وہی بگڑا۔ یا سمن بگڑا۔ اس میں سب سے غزلیں لکھیں۔ خواجہ صاحب نے غزل لکھ کر شیخ مصحفی اپنے استاد کو سنائی

www.urduchannel.in

اور جب یہ شعر سنائے۔

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روز محشر تک	نہ ایک مُو کم ہوا اپنا نہ ایک تار کفن بگڑا
لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب	زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

نشہ کے سر میں اگر کہا کہ استاد! اس ردیف قافیہ میں کوئی یہ شعر نکالے تو کلیجہ نکل پڑتا ہے۔ انہوں نے ہنسکر کہا کہ ہاں میاں سچ کہتے ہو اب تو کسی سے ایسے شعر نہیں ہو سکتے بعد اس کے شاگردوں میں سے[۱۲۵] ایک نومشق لڑکے کی غزل کو توجہ سے بنایا اور اس میں انہیں دو قافیوں کو اس طرح باندھا۔

لکھا ہے خاکِ کوئی یار سے اے دیدۂ گریاں	قیامت میں کرونگا گر کوئی حرف کفن بگڑا
نہ محسوس جوشے کس طرح نقشہ میں ٹھیک اترے	شبیہ یار کھچوائی۔ مگر بگڑی دہن بگڑا

اگرچہ اُن شعروں میں اور ان شعروں میں جو نسبت ہے وہ ان جواہرات کے پرکھنے والے ہی جانتے ہیں۔ لیکن فنشاعرہ میں بہت تعریف ہوئی۔ پھر بھی چونکہ لڑکے کے مُنہ پر یہ شعر کھلتے نہ تھے اس لئے ناڑھنے والے تاڑ گئے کہ استاد کی استادی ہے۔ خواجہ صاحب اسی وقت اٹھکر شیخ مصحفی کے پاس جا بیٹھے۔ اور غزل ہاتھ سے پھینک کر کہا کہ یہ آپ ہمارے کلیجہ میں چھریاں مارتے ہیں۔ نہیں تو اس لونڈے کا کیا مُنہ تھا جو ان قافیوں میں شعر نکال لیتا۔ خیر اس قسم کی باتیں استاد کے ساتھ بچوں کی شوخیاں اور لڑکپن کے ناز ہیں جو کہ سننے والوں کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور طبیعتوں میں جوش ترقی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن سعادت مند شاگرد کو استاد کے مرتبہ اور اپنی حد کا اندازہ رکھنا واجب ہے تاکہ خاقانی اور ابوالعلا نی گنجوی کی طرح دونو طرف سے کثیف اور غلیظ ہجوؤں تک نوبت نہ پہنچے۔ نہیں تو قیامت تک دونو رسوائے عالم ہوتے رہینگے۔ چنانچہ خواجہ صاحب کی شرافت و نجابت جس نے انہیں اس آئین کا پابند رکھا

[۱۲۵] بعض لوگوں کی زبانی سنا گیا کہ شیخ مصحفی نے پنڈت دیا شنکر مصنف گلزار نسیم کو یہ شعر کہکر دیئے جو اول انہیں کے شاگرد تھے مگر یہ شہرت قابل اعتبار نہیں۔

www.urduchannel.in

اس معاملہ میں قابلِ تعریف ہے۔

بعض عمدہ اشعار تھے کہ کلیات میں نہیں۔

میر محمد حسن فراغ سے ان کے نہایت گرم و پسندیدہ اشعار ایسے بھی سنے گئے جو کلیاتِ مروجہ میں نہیں ہیں۔ سبب یہ معلوم ہوا کہ ایک صاحب اس زمانہ میں نہایت خوش مذاق اور صاحب فہم تھے۔ جو خود شاعر تھے اور اُن کے ہاں بڑی دھوم دھام سے مشاعرہ ہوتا تھا۔ خواجہ صاحب بھی جاتے تھے اور مشاعرہ میں غزل پڑھ کر وہیں دے آتے تھے۔ بعد انتقال کے جب شاگرد دیوان مرتب کرنے لگے تو بہت سی غزلیں اُنہی میر مشاعرہ سے حاصل ہوئیں۔ خدا جانے عمداً یا ان کی بے اعتنائی سے بعض اشعار دیوان میں نہ آئے۔ لیکن چونکہ وہ شاگرد شیخ ناسخ کے تھے۔ اس لئے بدگمانی لوگوں کو گنہگار کرتی ہے۔

جب شیخ ناسخ کا انتقال ہوا تو خواجہ صاحب نے اُن کی تاریخ کہی۔ اور اُسدن سے شعر کہنا چھوڑ دیا کہ کہنے کا لطف سننے اور سنانے کے ساتھ ہے۔ جس شخص سے سنانے کا لطف تھا جب وہ نہ رہا تو اب شعر کہنا نہیں۔ بکواس ہے۔

حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت کی آزادی اور کلام کے کمال نے ظاہر آرائی کے ذوق شوق سے بے پروا کر دیا تھا۔ مگر مزاج میں ظرافت ایسی تھی کہ ہر قسم کا خیال لطائف و ظرائف ہی میں ادا ہوتا تھا۔

لطیفہ۔ ایک شاگرد اکثر بے روزگاری کی شکایت سے سفر کا ارادہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ صاحب اپنی آزادہ مزاجی سے کہا کرتے تھے کہ میاں کہاں جاؤ گے! دو گھڑی بیٹھنے کو غنیمت سمجھو۔ اور جو خدا دیتا ہے اسپر صبر کرو۔ ایک دن وہ آئے اور کہا کہ حضرت! رخصت کو آیا ہوں۔ فرمایا۔ خیر باشد۔ کہاں؟ انہوں نے کہا۔ کل بنارس کو روانہ ہونگا کچھ فرمایش ہو تو فرما دیجئے۔ آپ ہنسکر بولے اتنا کام کرنا کہ وہاں کے خدا کو ذرا ہمارا بھی سلام کہدینا۔ وہ حیران ہو کر بولے کہ حضرت! یہاں اور وہاں کا خدا کوئی جدا ہے؟ فرمایا کہ شاید یہاں کا خدا بخیل ہے وہاں کا کچھ سخی ہو۔ انہوں نے

www.urduchannel.in

کہا معاذ اللہ آپ کے فرمانے کی یہ بات ہے ؟۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ بھلا سنو تو سہی جب خدا وہاں یہاں ایک ہے تو پھر ہمیں کیوں چھوڑتے ہو۔ جس طرح اُس سے وہاں جاکر مانگو گے۔ اسی طرح یہاں مانگو۔ جو وہاں دیگا تو یہاں بھی دیگا۔ اس بات نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ سفر کا ارادہ موقوف کیا اور خاطر جمع سے بیٹھ گئے +

خواجہ صاحب کی سیدھی سادی طبیعت اور بھولی بھالی باتوں کے ذکر میں میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ ایک دن آپ کو نماز کا خیال آگیا۔ کسی شاگرد سے کہا کہ بھئی ہمیں نماز تو سکھاؤ۔ وہ اتفاقاً فرقۂ سنت جماعت سے تھا۔ اُس نے ویسی ہی نماز سکھادی اور یہ کہہ دیا کہ استاد! عبادت الٰہی جتنی پوشیدہ ہو اتنی ہی اچھی ہوتی ہے۔ جب نماز کا وقت ہوتا یہ حجرہ میں جاتے یا گھر کا دروازہ بند کر کے اسی طرح نماز پڑھا کرتے۔ میر دوست علی خلیل ان کے شاگرد خاص اور خلوت و جلوت کے حاضر باش تھے۔ ایک دن انہوں نے بھی دیکھ لیا۔ بہت حیران ہوئے۔ یہ نماز پڑھ چکے تو انہوں نے کہا کہ استاد! آپ کا مذہب کیا ہے؟ فرمایا شیعہ۔ ہیں! یہ کیا پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ۔ نماز سنیوں کی؟ فرمایا کہ بھئی میں کیا جانوں۔ فلاں شخص سے میں نے کہا تھا۔ اس نے جو سکھادی سو پڑھتا ہوں۔ مجھے کیا خبر کہ ایک خدا کی دو دو نمازیں ہیں۔ اس دن سے شیعوں کی طرح نماز پڑھنے لگے۔ جتنے شاگرد انہوں نے پائے۔ کسی استاد کو نصیب نہیں ہوئے۔ ان میں سے سید محمد خاں رند۔ میر وزیر علی صبا۔ میر دوست علی خلیل۔ ہدایت علی جلیل۔ صاحب مرزا شاد و مرزا عنایت علی بسمل۔ نادر مرزا فیض آبادی نامور شاگرد تھے کہ رتبہ استادی رکھتے تھے۔

غزل۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجکو خلقِ خدا غائبانہ کیا

کیا کیا الجھتا ہے تری زلفوں کے تار سے
بخیہ طلب ہے سینۂ صد چاکِ شانہ کیا؟

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قارون نے راستہ میں لٹایا خزانہ کیا؟

www.urduchannel.in

اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر — مہمیز کس کو کہتے ہیں اور تازیانہ کیا!
زینہ صبا کا ڈھونڈھتی ہے اپنی مشتِ خاک — بامِ بلند یار کا ہے آستانہ کیا؟
چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر — دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا!
صیاد! اسیرِ دامِ رگِ گل ہے عندلیب — دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے آب و دانہ کیا!
طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال — ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا؟
آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو — دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا؟
ہوتا ہے زرد سن کے جو نامرد مدعی — رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا
بے یار و سازوار نہ ہوگا وہ گوش کو — مطرب ہمیں سناتا ہے اپنا ترانہ کیا
صیاد گلعذار دکھاتا ہے سیرِ باغ — بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا
ترچھی نظر سے طایرِ دل ہو چکا شکار — جب تیر کج پڑیگا اڑے گا نشانہ کیا
بیتاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں — مہماں سرائے جسم کا ہوگا روانہ کیا

یہاں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے لکھی عاشقانہ کیا[۲۵]

خانہ خراب نالوں کی بل بے شراریتیں — بہتی ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں
سر کو نسا ہے جس میں کہ سودا نہیں ترا — ہوتی ہیں ترے نقشِ قدم کی زیارتیں
خانہ ہے گنجفے کا ہر ایک قصرِ شہرِ عشق — گھر گھر ہیں بادشاہیاں گھر گھر وزارتیں
دیدارِ یار برقِ تجلی سے کم نہیں — بند آنکھیں ہونگی دینگی دعائیں بھارتیں
آنکھوں میں اپنی دولتِ بیدار ہیں وہ خواب — ہوتی ہیں تیرے وصل کی جن میں بشارتیں
کہتے ہیں مادر و پدرِ مہرباں کو بد — کرتے ہیں وہ جو ارض و سما کی حقارتیں
گویا زبان ہو تو کرے شکر آدمی — سمجھے جو تو تو کرتے ہیں یہ گنگ اشارتیں

[۲۵] غزل لاجواب ہے مگر مقطع میں جو کیا کا پہلو رکھا ہے اس کی یہ جگہ نہیں۔ انصاف اس کا میر انیس کے خاندان کی زبان پر ہے۔

www.urduchannel.in

زیرِ زمیں بھی یاد ہیں ہفت آسماں کے ظلم
بھولا نہیں میں سنگدلوں کی شرارتیں

خضر و مسیح کاٹتے ہیں رشک سے گلا
تو بھی تو کر شہیدوں کی اپنے زیارتیں

عالم کو لوٹ کھایا ہے ایک پیٹ کے لئے
اس غار میں گئی ہیں ہزاروں ہی غارتیں

باقی رہیگا نام ہمارا نشاں کے ساتھ
اپنی بھی چند بیتیں ہیں اپنی عمارتیں

اہلِ جہاں کا حال ہے کیا ہمسے؟ کیا کہیں؟
بدگوئیاں ہیں پیچھے تو منہ پر اشارتیں

نقش و نگارِ حسنِ بتاں کا نہ کھا فریب
مطلب سے خالی جان ہے تو یہ عبارتیں

عاشق ہیں ہم کو بدنظر کوئے یار ہے
کعبے کے حاجیوں کو مبارک زیارتیں

ایسی خلاف ہم سے ہوئی ہے ہوائے دہر
کافور کھائیے تو ہوں پیدا حرارتیں

آتش یہ شش جہت ہے مگر کوچہ یار کا
چاروں طرف سے ہوتی ہیں ہم پر اشارتیں

باغباں انصاف پر بلبل سے آیا چاہیے
پہنچی اس کو زرِ گل کی پہنایا چاہیے

فرشِ گل بلبل کی نیت سے بچھایا چاہیے
شمع پروانوں کی خاطر سے جلایا چاہیے

پان بھی کھاؤ جمائی ہے جو مسی کی دھڑی
شام تو دیکھی شفق کو بھی دکھایا چاہیے

آئینے میں خطِ نورس کا نظارہ کیجئے
آہوانِ چشم کو ریحاں چرایا چاہیے

بوسہ اس لب کا ہے قوت بخشِ روحِ ناتواں
ایسی یاقوتی میسر ہو تو کھایا چاہیے

عشق میں حدِ ادب سے آگے رہتا ہے قدم
شاخِ گلبن پر سے بلبل کو اڑایا چاہیے

دیکھئے کرتا ہے کیونکر یار سے گستاخیاں!
شوق کے بھی حوصلے کو آزمایا چاہیے

ہو گیا ہے ایک مدت سے دلِ نالاں خموش
باغ میں چل کر اسے بلبل سنایا چاہیے

فصلِ گل ہے۔ چاروں ساقی تکلف ہی ضرور
پر جواہر سے بطے کو لگایا چاہیے

خم میں جوشِ مے سے مجھکو یہ صدا ہے آ رہی
ظرفِ مستی ہو تو کیفیت اٹھایا چاہیے

حالِ دل کچھ کچھ کہا میں نے تو بولا سن کے یار
بس عبارت ہو چکی مطلب پہ آیا چاہیے

شیر سے خالی نہیں رہتا نیستاں زینہار
بوریائے فقر بچھا چھوڑ جایا چاہیے

www.urduchannel.in

رنگ زرد و چشم تر سے کیجئے دعوائے عشق
دو گواہ حال اس قضیئے کو لایا چاہئے

رام ہوتے ہی نہیں۔ وحشی مزاجی ہیں جو ہیں
ان سیہ چشموں کو چوپہرہ جگایا چاہئے

دیکھ کر خلوت سرائے یار کہتے ہیں فقیر
عود کی مانند یہاں دھونی لگایا چاہئے

خاطر آتش سے کیئے چند جز شعر اور بھی
بے نشاں کا نام باقی چھوڑ جایا چاہئے

فریب حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ بت سے برہمن بگڑا

قبائے گل کو پھاڑا جب مرا گل پیرہن بگڑا
بن آئی کچھ نہ غنچہ سے جو وہ غنچہ دہن بگڑا

نہیں بیوجہ ہنسنا اس قدر زخم شہیداں کا
تری تلوار کا منہ کچھ نہ کچھ اے تیغ زن بگڑا

تکلف کیا جو کھوئی جان شیریں پھوڑ کر سر کو
جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا

کسی چشم سیہ کا جب ہوا ثابت میں دیوانہ
تو مجھ سے مست ہاتھی کیطرح جنگلی ہرن بگڑا

اثر اکسیر کا یمن قدم سے تیرے پایا ہے
جذامی خاک رہ ملکر بناتے ہیں بدن بگڑا

تری تقلید سے کبک دری نے ٹھوکریں کھائیں
چلا جب جانور انساں کی چال اس کا چلن بگڑا

زوال حسن کھلواتا ہے میوے کی قسم مجھ سے
لگایا داغ خط نے آن کر سیب ذقن بگڑا

رخ سادہ نہیں اس شوخ کا نقش عداوت ہے
نظر آتے ہی آپس میں ہر اہل انجمن بگڑا

وہ بدخو طفل اشک اے چشم تر ہیں دیکھنا ایک آن
گھروندے کیطرح سے گنبد چرخ کہن بگڑا

صف مژگاں کی جنبش کا کیا اقبال نے کشتہ
شہید ونکے ہوئے سالار جب ہم سے تن بگڑا

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے میں روتا ہوں
ہنسا گل کی طرح غنچہ جہاں اسکا دہن بگڑا

کمال دوستی اندیشۂ دشمن نہیں رکھتا
کسی بھونرے سے کس دن کوئی مار یاسمن بگڑا

رہی نفرت ہمیشہ داغ عریانی کو پھاہے سے
ہوا جب قطع جامہ پر ہمارے پیرہن بگڑا

رگڑوائیں یہ مجھ سے ایڑیاں غربت میں وحشت نے
ہوا مسدود رستہ جادۂ راہ وطن بگڑا

کہا بلبل نے جب توڑا گل سوسن کو گلچیں نے
الٰہی خیر کیجو نیل رخسار چمن بگڑا

ارادہ میرے کھانیکا نہ اے زاغ و زغن کیجو
وہ کشتہ ہوں جسے سونگھے سے کتوں کا بدن بگڑا

www.urduchannel.in

امانت کیطرح رکھا زمیں نے روز محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا

جہاں خالی نہیں رہتا کبھی ایذا لو ہندی سے
ہوا نا سور نو پیدا اگر زخمِ کہن بگڑا

تونگر تھا بنی تھی جبتک اس محبوب عالم سے
میں مفلس ہوگیا جس روز سے وہ سیمتن بگڑا

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

بناوٹ کیفِ مے سے کھل گئی اس شوخ کی آتش
لگا کر منہ سے پیمانہ کو وہ پیماں شکن بگڑا

شاہ نصیر

نصیر تخلص۔ نصیر الدین نام تھا۔ مگر چونکہ رنگت کے سیاہ فام تھے اس لئے گھرانے کے لوگ میاں کلّو کہتے تھے۔ وطن ان کا خاص دہلی تھا۔ والد شاہ غریب نام ایک بزرگ تھے کہ اپنی غربتِ طبع اور خاکساریٔ مزاج کی بدولت اسم باسمّٰی غریب تھے نیک نیتی کا ثمرہ تھا کہ نام کی غریبی کو امیری میں بسر کرتے تھے۔ شہر کے رئیس اور امیر سب ادب کرتے تھے۔ مگر وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھے اپنے معتقد مریدوں کو ہدایت کرتے رہتے تھے۔ ان کے بزرگوں کے نام چند گانوں دربار شاہی سے آل تمغا معاف تھے

جاگیر نی

ملا ماجرا اور رہرسانہ علاقہ سونی پت میں سلیم پور علاقہ غازی آباد میں۔ وزیر آباد شہر دہلی کے پاس جہاں مخدوم شاہ عالم کی درگاہ ہے اور اب تک ۷۔ جمادی الاول کو وہاں عرس ہوتا ہے۔ اب فقط مولڑبن ایک گانو بلب گڈھ کے علاقہ میں سید عبداللہ شاہ ان کے سجادہ نشین کے نام پر واگذاشت ہے۔ غرضکہ شاہ غریب مرحوم نے اس اکلوتے بیٹے کو بڑی ناز ونعمت سے پالا تھا۔ اور استاد و ادیب نوکر رکھکر تعلیم کیا تھا۔

استعداد علمی

عجیب اتفاق ہے کہ وہ کتابی علم میں کماحقہٗ کامیاب نہ ہوئے۔ البتہ نتیجہ اس کا اہل علم سے بہتر حاصل تھا۔ کیونکہ جو وہ کہتے تھے اسے عالم کان لگا کر سنتے تھے۔ جو لکھتے

www.urduchannel.in

تھے اسپر فاضل سر دھنتے تھے۔ ان کی طبیعت شعر سے ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کہ بڑے بڑے ذی استعداد اور مشاق شاعر مشاعروں میں مُنہ دیکھتے رہ جاتے تھے

شاگردی

سلسلۂ تلمذ دو واسطہ سے سودا اور درد تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ شاہ محمدی مائل کے شاگرد تھے۔ اور وہ قیام الدین قایم کے۔ قایم نے سودا سے بھی اصلاح لی اور خواجہ میر درد سے بھی انہوں نے انگریزی عملداری میں زندگی بسر کی۔ لیکن شاہ عالم کے زمانہ میں شاعری جوہر دکھانے لگی تھی اور خاندانی عظمت نے ذاتی کمال کی سفارش سے دربار تک پہنچا دیا تھا۔ دربار کے اہل کمال کو عیدوں اور جشنوں کے علاوہ ہر فصل اور موسم پر سامانِ مناسب انعام ہوتے تھے۔ شعرا کو دیر ہوتی تو تقاضے سے بھی وصول کر لیتے تھے۔ ایک قطعہ بطور حسن طلب جاڑے کے موسم میں انہوں نے کہکر دیا تھا اور صلہ حاصل کیا تھا۔ اسکے دو شعر مجھے یاد ہیں۔

بچائیگا تو ہی اے میرے اللہ	کہ جاڑے سے پڑا بیڈھب ہے پالا
پناہ آفتاب اب مجھکو بس ہے	کہ وہ مجکو اڑا دے گا دوشالا

اس میں لطف یہ ہے کہ آفتاب شاہ عالم بادشاہ کا تخلص تھا۔

دکن کا سفر

سیاحی کی دولت میں سے جو سرمایہ انہیں حاصل ہوا وہ بھی شاعری کی برکت سے تھا۔ جس کی مسافت جنوب میں حیدرآباد تک اور مشرق میں لکھنؤ تک پہنچی۔ اگرچہ دربار کے علاوہ تمام شہر میں بھی ان کی قدر اور عزت ہوتی تھی مگر جن لوگوں کی عادتیں ایسے درباروں میں بگڑی ہوتی ہیں ان کے دل تعلیم یافتہ حکومتوں میں نہیں لگتے اسی واسطے جب عملداری انگریزی ہوئی تو انہیں دکن کا سفر کرنا پڑا۔

دکن میں دیوان چندولال کا دور تھا۔ اگرچہ کمال کی قدردانی اور سخاوت اُن کی عام تھی مگر دلّی والوں پر نظرِ پرورش خاص رکھتے تھے اور بہت مروت سے پیش آتے تھے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ شعر و سخن کا مذاق رکھتے تھے۔ غرض وہاں شاہ صاحب کے جواہرات نے خاطر خواہ قیمت پائی لیکن

www.urduchannel.in

دلّی کا چٹخارا بھی ایسا نہیں کہ انسان بھول جائے اس لئے انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر پھر دلّی آئے اور تین دفعہ پھر گئے ؁

دکن میں ان کے لئے فقط دولت کے فرشتے نے ضیافت نہ کی۔ بلکہ حسن شاعری کی زہرہ آسمان سے اُتری اور شمس ولی کے عہد کا پرتو وہ پھر دلوں پہ لا ڈالا۔ شعرگوئی کے شوق جو برسوں سے بُجھے چراغوں کی طرح طاقوں میں پڑے تھے۔ دِل دِل میں روشن ہو گئے۔ اور دماغوں کی محنتیں اسپرتیل ٹپکانے لگیں۔ اب بھی کوئی دلّی سے دکن جائے تو شاہ صاحب کے شاگردوں کے اتنے نام سنیگا کہ دلّی کی کثرت تلامذہ کو بھول جائیگا ؁

لکھنو کا پہلا سفر

شاہ صاحب دو دفعہ لکھنو بھی گئے مگر افسوس ہے کہ آج دہلی یا لکھنو میں کوئی اتنی بات کا بتانے والا نہ رہا کہ کس کس سنہ میں کہاں کہاں گئے تھے۔ یا یہ کہ کس کس مشاعرہ میں اور کس کے مقابلہ میں کون کون سی غزل ہوئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ پہلی دفعہ جب گئے ہیں تو سید انشا۔ اور مصحفی۔ اور جرأت وغیرہ سب موجود تھے۔ اور بعض غزلیں جو ان معرکوں سے منسوب مشہور ہیں وہ مصحفی کے دیوان میں بھی موجود ہیں دیکھو صفحہ ۳۱۰ دہن سرخ ترا۔ چمن سرخ ترا۔

لکھنو کا دوسرا سفر

یہ وہ زمانہ تھا کہ لکھنو میں بزرگان با اخلاق اور امرائے رتبہ شناس موجود تھے۔ وہ جوہر کو پہچانتے تھے۔ اور صاحب جوہر کا حق مانتے تھے۔ جو جاتا تھا عزت پاتا تھا۔ اور شکرگذار آتا تھا۔ لیکن دوسری دفعہ جو گئے تو رنگ پلٹا ہوا تھا۔ شیخ ناسخ کے زمانہ نے عہد قدیم کو نسخ کر دیا تھا۔ اور خواجہ آتش کے کمال نے دماغوں کو گرمایا ہوا تھا۔ جوانوں کی طبیعتیں زور پر تھیں۔ نئی نئی شوخیاں انداز دکھاتی تھیں انوکھی تراشیں پرانے سادہ پن پر مسکراتی تھیں۔ چنانچہ جس حریف کا نشان منزلوں کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا۔ جب پاس آیا تو سب گردنیں ابھار ابھار کر دیکھنے لگے ؁

یہ زبردست شاعر۔ کہن سال مشاق۔ جس کا بڑھاپا جوانی کے زوروں کو چٹکیوں میں اڑاتا تھا۔ جس دن وہاں پہنچا تو مشاعرہ میں شاید دو تین دن باقی تھے ہر استاد نے ایک

www.urduchannel.in

ایک دو دو مصرع طرح کے بھیجے۔ ادھر انہیں دردِ گردہ عارض ہوا۔ مگر وہ درد کے اٹھتے ہی اٹھ بیٹھے اور آٹھ غزلیں تیار کرکے مشاعرہ میں پہنچے۔ پھر اور مشکل طرحیں مشاعرہ کے شاعروں نے بھیجیں۔ اور یہ بھی بے تکلف غزلیں لے کر پہنچے۔ مگر وہاں کے صاحب کمال خود نہ آتے۔ جب دو تین جلسے اور اس طرح گذرے تو ایک شخص نے سرِ مشاعرہ مصرع طرح دیا۔ وہ مصرع شیخ صاحب کا تھا۔ اس وقت شاہ صاحب سے ضبط نہ ہوسکا۔ مصرع تو لے لیا مگر اتنا کہا کہ۔ ان سے کہنا کہ چکس پر گلدم لڑانے کی جمع نہیں ہے پالی میں آئے کہ دیکھنے والوں کو بھی مزا آئے۔ افسوس ہے کہ اس موقع پر بعض جہلا نے جن سے کوئی زمانہ اور کوئی جگہ خالی نہیں اپنی بیہودہ گوئی سے اہل لکھنؤ کی عالی ہمتی اور مہمان نوازی کو داغ لگایا چنانچہ ایک معرکہ کے مشاعرہ میں شاہ صاحب نے آٹھ غزلیں فرمایش کی کہکر پڑھیں تھیں۔ ایک غزل اپنی طرح کی ہوئی بھی پڑھی۔ جس کی ردیف وقافیہ عسل کی مکھی۔ اور محل کی مکھی تھا۔ اس پر بعض اشخاص نے طنز کی۔ کسی شعر پر کہا کہ سبحان اللہ کیا خوب مکھی بیٹھی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضور! یہ مکھی تو نہ بیٹھی۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ قبلہ! غزل تو خوب ہے مگر ردیف سے جی متلانے لگا۔ شاہ صاحب نے اسی وقت کہا کہ جنہیں چاشنیٔ سخن کا مذاق ہے وہ تو لطف ہی اٹھاتے ہیں۔ ہاں جنہیں صفرائے حسد کا زور ہے ان کا جی متلائیگا۔

ان جلسوں میں اس استادِ مسلم الثبوت نے علم استادی بے لاگ بلند کردیا تھا مگر بعض لغزشوں نے قباحت کی۔ جن سے کوئی بشر خالی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ایک جگہ تظلّم کو بجائے ظُلَم باندھ دیا تھا۔ اس پر سرِ مشاعرہ گرفت ہوئی اور غضب یہ ہوا کہ انہوں نے سند میں یہ شعر محتشم کاشی کا پڑھا۔

آلِ نبی چو دست تظلّم برآورند	ارکانِ عرش را بہ تزلزل درآورند

ایسی بھول چوک سے کوئی استاد خالی نہیں۔ اور اتنی بات ان کے کمال میں کچھ رخنہ بھی نہیں ڈال سکتی۔ چنانچہ زورِ کلام نے وہیں بیسیوں اشخاص ان کے شاگرد کرلئے۔

www.urduchannel.in

منشی کرامت علی اظہر کہ اول اول لکھنؤ کی تمام کتب مطبوعہ پیانہی کی تاریخیں ہوتی تھیں ہمیشہ شاہ صاحب کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔

شاہ صاحب چوتھی دفعہ پھر دکن گئے مگر اس دفعہ ایسے گئے کہ پھر نہ آئے۔ استاد مرحوم کہ شاہ صاحب کی اُستادی کو ہمیشہ زبان ادب سے یاد کرتے تھے۔ اکثر افسوس سے کیا کرتے تھے کہ چوتھی دفعہ اُدھر کا قصد تھا جو سرِ راہ مجھ سے ملاقات ہوگئی میں نے کہا کہ اب آپکا سن ایسے دور دراز سفر کے قابل نہیں فرمایا کہ میاں ابراہیم! وہ بہشت ہے بہشت! میں بہشت میں جاتا ہوں چلو تم بھی چلو۔ اُستاد مرحوم عالم تاسف میں اکثر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اُنہی کا مطلع اُن کے حسب حال ہوا ؎

بیاباں مرگ ہے مجنونِ خاک آلودہ تن کس کا	سیئے ہے سوزنِ خارِ مغیلاں تو کفن کس کا

آخر حیدرآباد میں جہانِ فانی سے رحلت کی۔ اور قاضی مخدوم موسلے کی خانقاہ میں دفن ہوئے شاگردنے چراغ گل کے الفاظ سے سنہ تاریخ نکالی۔ دیواں اپنا مرتب نہیں کیا۔ جو غزلیں کہتے تھے۔ ایک جگہ رکھتے جاتے تھے۔ جب بہت سی جمع ہوجاتیں تو تکیہ کی طرح ایک لمبے سے تھیلے میں بھرتے تھے۔ گھر میں دیدیتے تھے اور کہتے تھے احتیاط سے رکھ چھوڑو متفرق غزلیں ایک دو مختصر جلدوں میں بھی تھیں کہ وہ اور بہت سا سرمایہ دکن ہی میں رہا۔ یہاں ان کی اولاد میں زمانہ کی گردش نے کسی کو سر نہ اٹھانے دیا جو کل کلام کو تہذیب اور ترتیب کرتا شاگردوں کے پاس بہت سی متفرق غزلیں ہیں مگر کسی نے سب کو جمع نہیں کیا۔ اُن کے دیوان کی ہر شخص کو تلاش ہے چنانچہ دہلی میں میر حسین تسکین[۲۵] ایک طباع اور نازک خیال شاعر تھے ان کے بیٹے سید عبدالرحمن بھی صاحب مذاق اور سخن فہم شخص تھے۔ انہوں نے بڑی محنت سے ایک مجموعہ ایسا جمع کیا کہ غالباً اس سے زیادہ ایک جگہ شاہ صاحب کا کلام جمع نہ ہوگا۔ نواب صاحب رامپور نے کہ نہایت قدردان سخن ہیں۔ ایک رقم معقول دیکر وہ نسخہ منگالیا۔ غزلیں اکثر جگہ بکثرت پائی جاتی ہیں مگر قصیدے نہیں ملتے کہ وہ بھی بہت تھے حق یہ ہے کہ

[۲۵] یہی تسکین شاگرد رشید مومن کے۔

www.urduchannel.in

غزل کا انداز بھی قصیدے کا زور دکھاتا ہے۔

کلام کو اچھی طرح دیکھا گیا۔ زبان شکوہِ الفاظ اور چستیٔ ترکیب میں سودا کی زبان تھی اور گرمی ولذت اس میں خداداد تھی۔ انہیں اپنی نئی تشبیہوں اور استعاروں کا دعوے تھا اور یہ دعوے بجا تھا۔ نئی نئی زمینیں نہایت برجستہ اور پسندیدہ نکالتے تھے۔ مگر ایسی سنگلاخ ہوتی تھیں جن میں بڑے بڑے شہسوار قدم نہ مار سکتے تھے تشبیہ اور استعارہ کو لیا ہے اور نہایت آسانی سے برتا ہے جتنے اکثر زبردست انشا پرداز ناپسند کرکے کم استعدادی کا نتیجہ نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔ یہ تشبیہ یا استعارہ شاعرانہ نہیں بھتی ہے لیکن یہ ان کی غلطی ہے اگر وہ ایسا نہ کہتے تو کلام سریع الفہم کیونکر ہوتا اور ہم ایسی سنگلاخ زمینوں میں گرم گرم شعر کیونکر سنتے۔ پھر وہ ہزاروں شاعروں میں خاص وعام کے منہ سے واہ واکیونکر لیتے۔ بعض الفاظ مثلاً نمک۔ واچھڑے۔ تپسر۔ وغیرہ جو کہ سید انشا اور جرات تک باقی تھے وہ انہوں نے ترک کئے مگر آئے ہے۔ اور جائے ہے۔ وغیرہ افعال انہوں نے بھی استعمال کئے۔ علم کے دعویدار شاعر اُن کے کلام کی دھوم دھام کو ہمیشہ گن انکھیوں سے دیکھتے تھے اور آپس میں کانا پھوسیاں بھی کرتے تھے۔ پھر بھی اُن کے زورِ کلام کو دبا نہ سکتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زورِ طبع ان کا کسی کے بس کا نہ تھا۔ جن سنگلاخ زمینوں میں گرمی کلام سے وہ مشاعرہ کو تڑپھا دیتے تھے۔ اوروں کو غزل پوری کرنی مشکل ہوتی تھی۔ اکثر بزرگ پرانے پرانے مشاق کہ علوم تحصیلی میں ماہر کامل تھے۔ مثل حکیم ثناء اللہ خاں فراق۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم شاگرد خواجہ میر درد۔ میاں شکیبا شاگرد میر۔ مرزا عظیم بیگ اور شیخ ولی اللہ محب شاگرد سودا حافظ عبدالرحمن خان احسان وغیرہ موجود تھے سب انکے دعوے سنتے تھے۔ اور بعض موقع پر اپنی بزرگی سے انکی طنزوں کی برداشت کرتے تھے۔ مگر خاموش نہ کر سکتے تھے۔

حکیم قدرت اللہ خان قاسم سے ایک خاص معاملہ یہ درمیان آیا کہ ایک دفعہ مشاعرہ میں طرح ہوئی۔ یار شتاب۔ اور تلوار شتاب۔ شاہ نصیر نے جو غزل کہہ کر پڑھی تو اسمیں

www.urduchannel.in

قطعہ تھا کہ۔

رخ انور کا ترے وصف لکھا جب ہم نے	انوری نے دیا دیوان الٹ اے یار شتاب
پھر پڑھا ہم نے جو مضمون بیاض گردن	سن اسے ہو گیا چپ قاسم انوار شتاب

حکیم صاحب مرحوم خاص و عام میں واجب التعظیم تھے۔ اس کے علاوہ فضیلت علمی کے ساتھ فن شعر کے مشاق تھے۔ اور فقط موزونی طبع اور زور کلام کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ چونکہ خود قاسم تخلص کرتے تھے اس لئے قاسم انوار کا لفظ ناگوار ہوا چنانچہ دوسرے مشاعرہ کی غزل میں قطعہ لکھا۔

واسطے انساں کے انسانیت اول شرط ہے	میر ہو یا میرزا ہو۔ خاں ہو یا نواب ہو
آدمی تو کیا خدا کو بھی نہ ہم سجدہ کریں	گر نہ خم تعظیم کو پہلے سر محراب ہو

شاہ صاحب کی بدیہہ گوئی اور طبع حاضر نے خاص و عام سے تصدیق اور تسلیم کی سند لی تھی۔ اور وہ ایک اصلی جوش تھا کہ کسی طرح فرو ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ شعر کہنے سے کبھی تھکتے نہ تھے۔ اور کلام کی چستی میں سستی نہ آتی تھی۔ اکثر مشاعروں میں اوروں کی غزل پڑھتے پڑھتے۔ اشعار برجستہ موزون کر کے غزل میں داخل کر لیتے تھے۔ طبع موزون گویا ایک درخت تھا کہ جب اس کی ٹہنی ہلاؤ فوراً پھل جھڑ پڑینگے۔ وہ نہایت جلد اصلاح دیتے تھے اور برجستہ اصلاح دیتے تھے۔ طبیعت میں تیزی بھی غضب تھی۔ عین مشاعرہ میں کسی کا شعر سنتے اور وہیں بول اٹھتے کہ یوں کہو! کہنے والا سن کر منہ دیکھتا رہ جاتا۔ یہی سبب ہے کہ پرانے پرانے مشاق جھپکتے رہتے تھے +

پڑھنے کا انداز بھی سب سے الگ تھا۔ اور نہایت مطبوع طبع تھا۔ ان کے پڑھنے سے زور کلام دوچند بلکہ دہ چند ہو جاتا تھا۔ کیونکہ زبان نے بھی زور طبعی سے زور۔ اور دل کے جوش سے اثر حاصل کیا تھا۔ ان کی آواز میں بڑھاپے تک بھی جوانی کی کڑک ڈنک تھی۔ جب مشاعرہ میں غزل پڑھتے تو ساری محفل پر چھا جاتے تھے۔ اور اپنا کلام انہیں خود بے اختیار کر دیتا تھا۔ ایک مشاعرہ میں غزل پڑھی۔ اس میں جب قطعہ مذکورۂ ذیل

www.urduchannel.in

پر پہنچے تو شعر پڑھتے تھے اور مارے خوشی کے کھڑے ہوئے جاتے تھے۔

یہ مجنوں ہے نہیں آہو ہے لیلےٰ	پہن کر پوستیں نکلا ہے گھر سے
جسے تو سینگ سمجھے ہے یہ ہیں خار	لگے ہیں پانو میں نکلے ہیں سر سے

حسن اعتقاد

اُن کا مذہب سنت وجماعت تھا مگر اس میں کچھ تشدد نہ تھا۔ کئی ترجیع بند اور مناقب جناب امیرؑ کی شان میں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ زور طبع دکھانے کو یا تحسین وآفرین کے طرّے زیب دستار کرنے کو نہیں کہا۔ بلکہ دلی محبت اور اصلی اعتقاد سے کہا ہے۔ ان کی خوش اعتقادی کا یہ حال تھا کہ گلی کوچہ میں راہ چلتے ہوئے اگر کسی طاق پر تین لڑی کا سہرا یا کوئی موکھا لپا ہوا اُس میں پانچ پھول پڑے دیکھتے تو جوتیوں کے اوپر پا برہنہ کھڑے ہوجاتے اور دونو ہاتھ باندھ کر فاتحہ پڑھتے۔ بعض شاگرد (کہ ہمیشہ چار پانچ ساتھ ہی رہتے تھے) ان سے پوچھتے کہ استاد! کس کی درگاہ ہے؟ فرماتے کہ خدا جانے کس بزرگ کا گذر ہے! وہ کہتا کہ حضرت! آپنے بے تحقیق کیوں فاتحہ پڑھ دی؟ فرماتے کہ بھائی! آخر کسی نے پھول چڑھائے۔ سہرا باندھا تو یوں ہی باندھ دیا؟ کچھ سمجھ ہی کر باندھا ہوگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض دفعہ کسی شاگرد کو معلوم تھا۔ اسی نے کہا کہ استاد! میں جانتا ہوں یہ سامنے حلال خور کا گھر ہے اور اس نے اپنے لال بیگ کا طاق بنا رکھا ہے۔ اس وقت خود بھی ہنس دیتے تھے۔ اور کہتے کہ خیر میں نے کلام خدا پڑھا ہے اس کی برکت ہوائی تو نہیں جاسکتی جہاں ٹھکانا ہے وہاں پہنچے گی۔ میرا ثواب کہیں گیا نہیں۔

طبعی حالات اور عادات واطوار

شاہ صاحب نہایت نفیس طبع اور لطیف مزاج تھے۔ خوش پوشاک خوش لباس رہتے تھے۔ اور اس میں ہمیشہ ایک وضع کے پابند تھے۔ جو کہ دہلی کے قدیمی خاندانیوں کا قانون ہے۔ ان کی وضع ایسی تھی کہ ہر شخص کی نظروں میں عظمت اور ادب پیدا کرتی تھی۔ وہ اگرچہ رنگت کے گورے نہ تھے۔ مگر نور

www.urduchannel.in

معنی سر سے پاؤں تک چھایا ہوا تھا۔ بدن چھریرا اور کشیدہ قامت تھے۔ جس قدر ریش مبارک مختصر اور وجاہت ظاہری کم تھی۔ اُس سے ہزار درجہ زیادہ خلعتِ کمال نے شان و شوکت بڑھائی تھی۔ بعض معرکوں یا بعض شعروں میں وہ اس بات پر اشارہ کرتے تھے تو ہزار حسن قربان ہوتے تھے بعض لطایف میں اس کا لطف حاصل ہوگا۔

ظرافت اور زندہ دلی

شاہ صاحب باوجودیکہ اس قدر صاحب کمال تھے اور محفلوں میں اعزاز و اکرام کے صدر نشین تھے۔ اس پر نہایت خوش مزاج اور یار باش تھے۔ بوڑھوں میں بوڑھے بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔ ہر ایک میلے میں جا کر تلاش مضامین کرتے تھے۔ اور فکر سخن سے جو دل کملا جاتا ہے اُسے تر و تازہ اور شاداب کرتے تھے۔

لطیفہ استاد مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بھولو شاہ کی بسنت میں شاہ صاحب آئے چند شاگرد ساتھ تھے انہیں لے کر تیس ہزاری باغ کی دیوار پر بیٹھے اور تماشا دیکھنے لگے۔ کسی رنڈی نے بہت سا روپیہ لگا کر نہایت زرق برق کے ساتھ ایک گارچوبی رتھ بنوائی تھی۔ شہر میں جا بجا اس کا چرچا ہو رہا تھا۔ رنڈی رتھ میں بیٹھی چھم چھم کرتی سامنے سے نکلی۔ ایک شاگرد نے کہا کہ استاد اس پر کوئی شعر ہو۔ اسی وقت فرمایا۔

اس کی رتھ کا کلس سنہری دیکھ	شب کہا ماہ سے یہ پروین نے
بہر پرواز یہ نکالی ہے	چونچ بیضہ سے مرغِ زریں نے

لطیفہ۔ ایک ایسے ہی موقع پر کوئی رنڈی سامنے سے نکلی اس کے سر پر اودی رضائی تھی اور دسمہ کی چمک عجیب لطف دکھاتی تھی۔ ایک شاگرد نے پھر فرمایش کی۔ انہوں نے فرمایا۔

اودی دسمہ کی نہیں تیری رضائی سر پہ	مہ جبیں رات ہے تاروں بھری چھائی سر پہ

www.urduchannel.in

حسن مصلحت

اگرچہ شاہ صاحب کے لئے اقبال نے فارغ البالی کا میدان وسیع رکھا تھا۔ مگر اُن کی عادت تھی کہ ہر ایک شاگرد سے کچھ نہ کچھ فرمایش بھی ضرور کر دیتے تھے۔ مثلاً غزل کو اصلاح دینے لگے۔ قلمدان سے قلم اٹھاتے اور کہتے۔ میاں کشمیر کے قلمدان کیا خوب خوب آیا کرتے تھے۔ خدا جانے کیا ہو گیا۔ اب تو آتے ہی نہیں۔ بھلا کوئی نظر چڑھ جائے تو لانا۔ اسی طرح کسی سے ایک چاقو کی فرمایش۔ کبھی کوئی آسودہ حال شاگرد ہوتا۔ اور آپ کپڑے پہننے لگتے تو کہتے کہ ڈھاکے کی ململ جو پہلے آتی تھی وہ اب دکھائی ہی نہیں دیتی۔ صاحب! ہمیں تو یہ انگریزی ململ نہیں بھاتی۔ میاں کوئی تھان نظر چڑھے تو دیکھنا۔

بعض دوستوں نے تعجباً پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ روز واہیات بکواسیں کاغذ پر لکھتے ہیں اور آکر میری چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اس فرمایش کا اتنا فایدہ ہوتا ہے کہ روز کے آنے والے چوتھے دن غزل لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس کام کو انسان کچھ خرچ کر کے سیکھتا ہے اسی کی قدر بھی ہوتی ہے۔ اور شوق بھی پکا ہوتا ہے۔ اور جو کچھ لکھتا ہے جاں کاہی سے لکھتا ہے۔ اس کا تو اُدھر وہ فایدہ ہوا۔ میرا یہ فایدہ ہوا۔ لے آیا تو چیز آگئی۔ نہ لایا تو میرا پیچھا چھوٹا۔ جب کوئی واقعہ قابل یادگار شہرت

حسب حال

پاتا تو اس پر بھی شاہ صاحب کچھ نہ کچھ ضرور کہا کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب جب جہاد میں شکست کھائی اور دلی میں خبر آئی تو انہوں نے اس موقع پر ایک طولانی قصیدہ کہا تین شعر اس میں سے اس وقت یاد ہیں۔

۲۵ شاہ نظام الدین کی سترھویں میں گئے۔ میر باقر علی صاحب ایک سید خاندانی دلی کے تھے۔ شہر سے درگاہ کو چلے راہ میں کسی نے مار ڈالا۔ درگاہ میں خبر پہنچی تو ان کی جوانی اور مرگ ناگہانی پر سب نے افسوس کیا شاہ صاحب نے اسی وقت تاریخ کہی۔ کیا بے عدیل تخرجہ ہے۔ قطعہ تاریخ

به شب عرس حضرت محبوب — میر باقر علی چو گشت شہید
بے‌ششِ پنج گفتم ایں تاریخ — ہر کہ اورا بکشت بود یزید

www.urduchannel.in

کلام اللہ کی صورت ہو اول اُن کا سیپارہ	نہ یاد آئی حدیث انکو نہ کوئی نصِّ قرآنی
ہرن کی طرح میدان وغا میں چوکڑی بھولے	اگرچہ تھے دمِ شملہ سے وہ شیر نیستانی

مولوی صاحب کے طرفدار مجاہدوں کا دل میں لشکر تھا بہت سے بہادروں نے آکر شاہ صاحب کا گھر گھیر لیا۔ مرزا خانی کوتوالِ شہر تھے۔ وہ سنتے ہی دوڑے اور آکر بچایا شاہ صاحب نے اشعار مذکور کو قصیدہ کر دیا اور کوتوال صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا۔ ایک شعر اس میں کا بھی خیال میں ہے۔ ؎

نصیر الدین بیچارہ تو رستہ طوس کا لیتا	نہ ہوتے شحنۂ دہلی اگر یہاں میرزا خانی

لطیفہ۔ ایک دفعہ کئی بادشاہی گانو سرکش ہو گئے۔ شاہ نظام الدین کہ شاہ جی مشہور تھے اور دربار میں مختار تھے فوج لے کر گئے۔ اور ناکام پھرے۔ ان کی مختاری میں بادشاہی نوکروں نے تنخواہ کی تکلیف پائی تھی۔ اسپر بھی شاہ نصیر نے ایک نظم لکھی جس کا مطلع یہ تھا۔

کیا پوچھتے ہو یارو بیٹھے تھے زہر کھائے	شکرِ خدا کہ بارے پھر شاہ صاحب آئے

لطیفہ۔ دلّی میں ایک منشی ہندو تھے بنجیا نام رنڈی پر مسلمان ہو گئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔

جس طرف تو نے کیا ایک اشارا نہ جیا	بنجیا آہ تری چشم کا مارا نہ جیا

لطیفہ عیسےٰ خاں اور موسےٰ خاں دو بھائی دلّی میں تھے۔ مال و دولت کی بابت دونوں میں کچھ جھگڑا ہوا۔ عیسےٰ خاں ناکام ہوئے۔ موسےٰ خاں نے کچھ عدالت کے زور سے کچھ حکمت علمی سے سارا مال مار لیا۔ شاہ صاحب نے بطورِ ظرافت چند شعر کا قطعہ کہا۔ ایک مصرع یاد ہے اور وہی قطعہ کی جان ہے ع۔ ہوئی آفاق میں شہرت کہ عیسےٰ خاں کا گھر موسا۔ لطف یہ کہ دونو بھائی شاعر تھے۔ ایک کا تخلص آفاق دوسرے کا شہرت تھا۔ ان میں سے بھی کسی بے مغزے نے کچھ واہیات بکا تھا۔ شاہ صاحب کے بزرگوں کی خوبیاں بیان کر کے خود اُن کی شکایت کی تھی۔ اور چونکہ

www.urduchannel.in

روشن پورہ میں رہتے تھے اس کا اشارہ کر کے کہا تھا +

بعد اُن سب کے شاہ صاحب نے	خوب روشن پورہ کیا روشن

مرزا مغل بیگ نے خدمت وزارت میں نوکران شاہی کو ناخوش کیا۔ اس موقع پر ہر ایک شخص نے اپنے اپنے حوصلہ کے بموجب دل کا بخار نکالا ایک صاحب نے تاریخ کہی۔

ہنس کے ہاتف نے کہا اسکو کہ واہ	کیا ہی انٹی میں وزارت آگئی

شاہ صاحب نے بھی ایک قطعہ کہا اس کے دو شعر یاد ہیں۔

تانے بانے پر نہ کر دنیا کے ہرگز اعتبار	غور کر چشم حقیقت سے کہ سر پہ کوچ ہے
توڑ کر تو اس طرف سے اس طرف کو جوڑ لے	تو تو مومن ہے وگرنہ مومنوں کی پوچ ہے

شاہ نصیر مرحوم۔ اور شیخ ابراہیم ذوق سے بھی معرکے ہوئے ہیں۔ دیکھو اُن کے حال میں۔

لطیفہ۔ دکن کی سرکار میں دستور تھا کہ دن رات برابر کاروبار جاری رہتے تھے مختلف کاموں کے وقت مقرر تھے۔ جس صیغہ کا دربار ہو چکا اس کے متعلق لوگ رخصت ہوئے دوسرے صیغہ کے آن حاضر ہوئے۔ اسی میں صاحب دربار نے اٹھکر ذرا آرام لے لیا ضروریات سے فارغ ہوئے اور پھر آن بیٹھے۔ چنانچہ مشاعرہ اور مناشرہ کا دربار رات کے پچھلے پہر ہوتا تھا۔ ایک موقع پر کہ نہایت دھوم دھام کا جلسہ تھا۔ تمام باکمال اہل دکن اور اکثر اہل ایران موجود تھے۔ سب کی طبیعتوں نے اپنے اپنے جوہر دکھائے۔ خصوصاً چند شعرائے ایران نے ایسے ایسے قصاید سنائے کہ لب و دہن پر حرف آفرین نہ چھوڑا شاہ نصیر کی حسن رسائی اور اخلاق نے دربار کے چھوٹے بڑے سب تسخیر کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب شمع قریب پہنچی تو ایک خواص نے کہ سونے کا عصا ہاتھ میں۔ ہزار بارہ سو روپیہ کا دوشالہ کندھے پر ڈالے کھڑا تھا۔ کان میں جھک کر

۲۵ ذات کے جلاہے تھے۔

www.urduchannel.in

کہا کہ آج آپ غزل نہ پڑھیں تو بہتر ہے۔ آپ وہیں بگڑ کر بولے کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ ہوا تیز ہو گئی (یعنے کلام کا سرسبز ہونا مشکل ہے) یہ خفگی سے ٹھوڑی پر ہاتھ پھیر کر بولے کہ ایسا تو میں خوبصورت بھی نہیں کہ کوئی صورت دیکھنے کو نوکر رکھیگا۔ یہ نہیں تو پھر میں ہوں کس کام کا۔ اس قیل وقال میں شمع بھی سامنے آگئی۔ پھر جو غزل سنائی تو سب کو لٹا دیا +

لطیفہ۔ قطع نظر اس سے کہ شعر کے باب میں طبع حاضر رکھتے تھے۔ حاضر جوابی میں برق تھے۔ چنانچہ ایک دن سلطان جی کی سترھویں میں گئے۔ اور باولی میں جا کر ایک طاق میں بیٹھ گئے۔ حقہ پی رہے تھے کہ اتفاقاً ایک نواب صاحب آنکلے۔ شاہ صاحب سے صاحب سلامت ہوئی۔ وہیں بہت سی ارباب نشاط بھی حاضر تھیں اور ناچ ہو رہا تھا۔ اس عالم رزق برق پر اشارہ کر کے نواب صاحب نے فرمایا کہ استاد! آج آپ بھی بالائے طاق ہیں۔ بولے۔ جی ہاں جفت ہونے کو بیٹھا ہوں آیئے تشریف لایئے +

لطیفہ۔ ایک دفعہ دکن کو چلے۔ نواب جھجر مدت سے بلاتے تھے۔ اب چونکہ مقام مذکور سر راہ تھا اور گرمی شدت سے پڑتی تھی۔ برابر سفر بھی مشکل تھا۔ اس لئے وہاں گئے اور کئی دن مقام کیا۔ جب چلنے لگے تو رخصت کی ملاقات کو گئے۔ نواب نے کہا کہ گرمی کے دن ہیں۔ دکن کا سفر دور دراز کا سفر ہے۔ خدا پھر خیر و عافیت سے لائے۔ مگر وعدہ فرمایئے کہ اب جھجر میں کب آئیگا ہنسکر بولے کہ۔ جھجر کی چاہ تو وہی گرمی میں۔

شاہ صاحب کا ایک مشہور شعر ہے۔

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پر	کٹورا صبح دو ڈھلنے لگا خورشید گردوں پر

اعتراض رنگین

نواب سعادت یار خاں رنگین مجالس رنگین میں فرماتے ہیں کہ ایک جلسہ میں اس شعر کی بڑی تعریف ہو رہی تھی میں نے اس میں اصلاح دی کہ ع چرائی چادر مہتاب

www.urduchannel.in

شب بادل نے چھوں پر۔ ہو تو اچھا ہو۔ سبب یہ کہ جب بادل چاند پر آتا ہے۔ تو چادر مہتاب نہیں رہتی۔ گویا چوری جاتی ہے۔ یہاں چادر تو زمین پر ہے۔ اور مضمون عالم بالا پر۔ قصہ زمین بر سرزمین ہوتا ہے۔ عالم بالا کے لئے چور بھی آسمانی ہی چاہئے کسی شخص نے شاہ صاحب سے بھی جا کر کہا۔ وہ بہت خفا ہوئے۔ اور کہا کہ نواب زادہ ہونا اور بات ہے اور شاعری اور بات ہے۔ خان صاحب یہ خبر سن کر شاہ صاحب کے پاس گئے اور بہت معذرت کی۔

مگر میرے نزدیک شاہ صاحب نے کچھ نامناسب نہیں کہا۔ چاند آسمان پر ہوتا ہے چاندنی زمین پر ہوتی ہے۔ اور چاندنی کا لطف میکش اڑاتا ہے بادل کیا اڑائے گا۔ اور میکش ہوگا تو شعر غزلیت کے رتبہ سے گر جائیگا۔

لطیفہ۔ دیہات جاگیر کے تعلق سے ایک دفعہ تحصیلدار سونی پت کے پاس ملاقات کو گئے۔ اور کچھ رنگترے دلّی سے بطور سوغات ساتھ لے گئے۔ تحصیلدار نے کہا کہ جناب شاہ صاحب! رنگتروں کی تکلیف کیا ضرور تھی۔ آپ کی طرف سے بڑا تحفہ آپ کا کلام ہے ان رنگتروں کی حسن تشبیہ میں کوئی شعر ارشاد فرمائیے۔ اسی وقت رباعی کہی اور سنائی۔

اے نیر برج آسمان اقبال
یہ نذر حقیر ہو قبول خاطر

ان رنگتروں پر غور سے کیجیگا خیال
پردہ میں شفق کے ہیں گرہ بند ہلال

غزلیں

زیب تن گرچہ ہے گل پیرہن سرخ ترا
لیکن انجام یہ ہوگا کفن سرخ ترا

مجکو کہتا ہے وہ نکلا ہے شفق میں یہ ہلال
یا نمودار ہے زخم کہن سرخ ترا

دسترس پانو تک اس شوخ کے مجکو ہی یہاں
کیونکہ رتبہ ہو نہ اے گلبدن سرخ ترا

ہے میری آہ یہاں نخل گلستان خلیل
رخ گلنار وہاں ہے چمن سرخ ترا

www.urduchannel.in

شیشۂ بادۂ گلرنگ ٹپکے ساقی — جامۂ سبز میں دیکھے جو تنِ سرخ ترا
آستیں سے یہ لگا کہنے وہ تلوار کو پونچھ — بن گیا موجِ یمِ خوں شکنِ سرخ ترا
رشکِ نیلم ہی نہیں رنگ مسی کی یہ نمود — لب بھی ہے غیرتِ لعلِ یمنِ سرخ ترا
سچ بتا تو مجھے سوفارِ خدنگ قاتل — لہو کس کس کا پئے گا دہنِ سرخ ترا

خاک باہم ہو شرارت سے ہم آغوش نصیر
صاف ہے شعلۂ آتش بدنِ سرخ ترا

خالِ پشتِ لبِ شیریں ہے عسل کی مکھی — روح فرہاد لپٹ بن کے جبل کی مکھی
سنگ و خشتِ در و دیوار فتادہ کو دیکھ — ہاتھ ملتی ہے پتھورا کے محل کی مکھی
بن گیا ہوں میں خیالِ کمرِ یار میں مور — نہ تہے زور کی طاقت ہے نہ بل کی مکھی
تیرہ بختانِ ازل کا کبھی دیکھا نہ فروغ — شب کو جگنو کی طرح اڑ کے نہ جھلکی مکھی
بیٹھنے سے ترے ہم سمجھے لبِ یار کو قند — بات مشکل تھی مگر تو نے یہ حل کی مکھی
ان کو کیا کام توکل سے جو بن جاتے ہیں — قاب بریانی پہ ہر اہلِ دول کی مکھی
ہو گیا ہے یہ تری چشم کا بیمار نحیف — نہ اڑا سکتا ہے منہ کی نہ بغل کی مکھی
ریس پروانۂ جانسوز کی کرتی تو ہے پر — نگہِ شمع میں ہو جائے گی ہلکی مکھی
صنعتِ لعبتِ چیں دیکھ دلا جا کر تو — دیکھنی گر تجھے منظور ہے کل کی مکھی
دلربا تر فسوں ساز ہیں بنگالہ کے — آدمی کو وہ بناتے ہیں عمل کی مکھی

سخن اپنا جو شکر ریزِ معانی ہے نصیر
ہے ردیف اس لئے اس شعر و غزل کی مکھی

سدا ہے اس آہ و چشمِ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں — نکل کے دیکھو تو ٹک اپنے گھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ شعلہ رو جو سوار توسن ہوا تو اس کا توسن برق فشاں ہے — عجب ہے اک سیر دوپہر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
ہنسے ہے کوٹھے پہ یوسف اپنا میں زیرِ دیوار رو رہا ہوں — عزیزو دیکھو مری نظر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
پتنگ کیونکر نہ ہووے حیراں کہ شمع سب کو دکھا رہی ہے — بچشمِ گریاں و تاجِ زر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

www.urduchannel.in

نہا کے افشاں جو چھیں پر نچوڑو زلفوں کو بعد اس کے
دکھائی عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

کہاں ہے جوں شعلہ شاخ پر گل کدھر ہے فصلِ بہار شبنم
نیا ہے اعجاز ترفہ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

کرو نہ دریا پہ میکشی تم ادھر کو آؤ تو میں دکھاؤں
سرشک ہے ہر نالۂ جگر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

کدھر کو جائیں نکل کے یا رب کہ گرم سرد زمانہ مجکو
دکھائے ہے شام تک سحر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

وہ تیغ کھینچے ہوئے ہے سر پر میں تھرتھرایا ہوں اشک ریزاں
دکھاؤں اے دل تجھے کدھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

غضب ہی چمکی جبیں پہ جس وہ کیا ہو بدن تو ٹپکے بھی ہے پسینا
عیاں ہے یارو نئے ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

نصیر لکھی ہے کیا غزل یہ کہ دل تڑپتا ہے سنکے جس کو
بندھے ہے کب یوں کسی بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

نہاں ہے کب چشم ہر بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
ہے اس نگہ سے اور اشک تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

دکھا کے تم شہ نشیں پہ جلوہ جو دیکھو فوارہ کا تماشا
تو یہ صدا آئے بام و در سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

وہ مہر دش پشت فیل پر ہے اور اسکی خرطوم آب افشاں
عجب ہے تشبیہ جلوہ گر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

وہ طفل ترسا جبیں پہ قشقہ جو کھینچ سورج کو دیوے پانی
تو کیوں نہ دل دیکھنے کو ترسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

دوپٹہ سر پہ ہے بادلے کا گلاب پاش اسکے ہاتھ میں ہے
نہ کیونکہ چمکے نہ کیونکہ برسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

تو اپنی پگڑی پہ کھلکے طرہ جو کھینچے پچکاری وہ نے ہولی
عیاں ہو نیرنگ دیگر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

وہاں وہ عرق جبیں تاب رخ ہے یہاں یہ ابر مژہ پہ نم ہے
یہ حسن الفت کے ہے ثمر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

عجب ہی کچھ ماجرا یہ ساقی کہ غل مچایا ہے میکشوں نے
مدام یہاں دیکھ ابر تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

وہ شوخ جھرنے کی سیر کر کے پھسلنے پتھر پہ جا کے بیٹھا
پکاری خلقت ادھر ادھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

نصیر صد آفریں ہے تجکو کہ اہل معنی پکارتے ہیں
عجب ہے مضمون تازہ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

لو لگ رہی ہے جس سے وہ شمع رو نہ آیا
بل بے تری شرارت یہاں تک کبھو نہ آیا

ہو اس دہن سے دو کش سیلی صبا کی کھائی
غنچہ کے آہ منہ سے کس دن لہو نہ آیا

دنداں دکھا کے مت ہنس لے بخیہ گریباں
چاکِ جگر کا ہم کو طور رفو نہ آیا

www.urduchannel.in

کیا جانے یہ گیا تھا کس مُنہ سے روکشی کو
آئینہ وہاں سے لے کر خاک آبرو نہ آیا

برگشتہ بخت ہم وہ اس دور میں ہیں ساقی
لب تک کبھو ہمارے جام و سبو نہ آیا

موج سرشک سے ہے رونق قبائے تن کی
کیونکر کہوں کہ اس کو کارِ رفو نہ آیا

آخر وہ کہکشاں ہے یکسر وہ مانگ نکلی
اس بات میں ہماری فرق ایک مو نہ آیا

کشتی دل تو دایم موج خطر میں ڈوبی
چیں برجبیں ہو کس دن وہ روبرو نہ آیا

کیونکر یہ ہاتھ اپنا پہنچے گا تا گریباں
دستِ خیال جس کے دامن کو چھو نہ آیا

اپنی بھی بعد مجنوں یارو ہوا بندھی ہے
لے گرد باد خیمہ کب کو بکو نہ آیا

نامحرموں سے تم نے کھلوائے بند محرم
میں تو بھی آہ لیکر کچھ آرزو نہ آیا

ہر دم نصیر رہ تو امیدوارِ رحمت
تیری زبان پہ کس دن لاتقنطوا نہ آیا

اٹھے اشک رواں ساتھ لے آہ جگری کو
عاشق کہیں بے فوج علم اُٹھ نہیں سکتا

سقفِ فلک کہنہ میں کیا خاک لگاؤں
اے ضعفِ دل اس آہ کا تھم اُٹھ نہیں سکتا

سر معرکۂ عشق میں آساں نہیں دینا
گاڑے ہے جہاں شمع قدم اُٹھ نہیں سکتا

ہے جنبش مژگاں کا کسی کی جو تصور
دل سے خلشِ خارِ الم اُٹھ نہیں سکتا

دل پر ہے مرے خیمۂ ہر آبلہ استاد
کیا کیجئے کہ یہ لشکر غم اُٹھ نہیں سکتا

ہر جا متجلے ہے وہی۔ پردۂ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اُٹھ نہیں سکتا

یوں اشک زمیں پر ہیں کہ منزل کو پہنچ کر
جوں قافلۂ ملک عدم اُٹھ نہیں سکتا

شب کو کیونکر تجکو ہے پھبتا سر پر طرۂ ہار گلمیں
جوں پروین وہ آئینہ تھا سر پہ طرہ ہار گلمیں

رونق سر بیاں داغ جنوں ہے اشک سلسل زیب گلے ہے
چاہئے تجکو غیرت لیلا سر پہ طرہ ہار گلمیں

شعلہ کہاں آنسو میں کدھر شب شمع کبھی تھی محفل میں
تاج زر اور موتیوں کا مالا سر پہ طرہ ہار گلمیں

بال پریشاں پیچ کا کل کے پیچ گلمیں ہیں پگڑی کے
یوں رکھتا ہے وہ متوالا سر پہ طرہ ہار گلمیں

ے اس غزل کے جہاں شعر دیکھے اتنے ہی دیکھے اس پر شیخ ابراہیم ذوق کی غزل بھی دیکھو

www.urduchannel.in

خوں بہے ہے طائرِ دل کے باز کا چنگل دام کا حلقا
اے بت کافر مجکو نہ دکھلا سر پہ طرہ ہار گلے میں

شملے اور تسبیح کے بدلے شیخ جی زنار رکھنے لگے ہیں
کیونکہ نہ دیکھیں رند تماشا سر پہ طرہ ہار گلے میں

رشک چمن تو سیر کریگا جبکہ کنار حوض و لب جو
فوارہ اور پھول رکھے گا سر پہ طرہ ہار گلے میں

عکسِ شعاعِ مہر نہیں یہ بیل چنبیلی لپٹی ہے
سرو چمن نے کیا ہے پیدا سر پہ طرہ ہار گلے میں

کیفیت کیا ہو بن ساقی سوئے چمن طاؤس اور قمری
ابر و ہوا میں رکھیں ہیں تنہا سر پہ طرہ ہار گلے میں

ہے یہ تمنا میری جیسے یوں تجھے دیکھوں بادہ کشی میں
ہاتھ میں ساغر بر میں مینا سر پہ طرہ ہار گلے میں

اور بدل کے ردیف و قوافی لکھئے غزل اس بحر میں جلدی
تم نے نصیر اب خوب پنہایا سر پہ طرہ ہار گلے میں

وقتِ نماز ہے ان کا قامت گاہ خدنگ و گاہ کماں
بن جاتے ہیں اہل عبادت گاہ خدنگ گاہ کماں

مرد جوانی میں تو ہے سیدھا پیری میں جھکجاتا ہے
قوت و ضعف کی ہے یہ علامت گاہ خدنگ و گاہ کماں

بادہ کشی کے سکھلاتے ہیں کیا ہی قرینے ساون بھادوں
کیفیت کے ہم نے جو دیکھا دو ہی مہینے ساون بھادوں

چھوٹتے ہیں فوارۂ مژگاں روز و شب ان آنکھوں سے
یوں نہ برستے دیکھے ہونگے ملکے کسی نے ساون بھادوں

تانکے کو پھرتی ہے بجلی اس میں گوٹ تمامی کی
دامنِ ابر کے ٹکڑوں کو جب لگتے ہیں سینے ساون بھادوں

بھولے وہ کی آمد شد ہم یاد کر اس جھولے کی پینگیں
سوجھے ہے بے یار نہ نگیے آہ یہ جینے ساون بھادوں

کیونکہ نہ یہ دہیائے تگرگ اے بادہ پرستو برسائیں
کان گر چھٹ زر کے رکھتے ہیں گنجینے ساون بھادوں

کانِ جواہر کیونکہ نہ سمجھے کھیت کو دہقاں اولوں سے
برساتے ہیں موتیوں میں ہیرے کے نگینے ساون بھادوں

ابر سیہ میں دیکھی تھی بگلوں کی قطار اس شکل سے ہم نے
یاد دلائے بھر کے ترے دندان مسی نے ساون بھادوں

مومن خانصاحب مومن

تمہید

پہلی دفعہ اس نسخہ میں مومن خانصاحب کا حال نہ لکھا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ دور پنجم جس سے

www.urduchannel.in

ان کا تعلق ہے بلکہ دور سوم وچہارم کو بھی اہل نظر دیکھیں کہ جو اہل کمال اس میں بیٹھے ہیں۔ کس لباس وسامان کے ساتھ ہیں کسی مجلس میں بیٹھا ہوا انسان جبھی زیب دیتا ہے کہ اسی سامان وشان اور وضع ولباس کے ساتھ ہو۔ جو اہل محفل کے لئے حاصل ہے۔ نہ ہو تو ناموزوں معلوم ہوتا ہے۔ خان موصوف کے کمال سے مجھے انکار نہیں۔ اپنے وطن کے اہل کمال کا شمار بڑھا کر۔ اور ان کے کمالات دکھا کر غرور چہرۂ فخر کا رنگ چمکاتا۔ لیکن میں نے ترتیب کتاب کے دنوں میں اکثر اہل وطن کو خطوط لکھے اور لکھوائے۔ وہاں سے جواب صاف آیا۔ وہ خط بھی موجود ہیں مجبوراً ان کا حال قلم انداز کیا۔ دنیا کے لوگوں نے اپنے اپنے حوصلہ کے بموجب جو چاہا سو کہا۔ آزاد نے سب کی عنایتوں کو شکریہ کا دامن پھیلا کر لے لیا۔ ذوق

دو گالیاں کہ بوسہ خوشی پر ہے آپ کی	رکھتے فقیر کام نہیں رد و کد سے ہیں

البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ بعض اشخاص جنھوں نے میرے حال پر عنایت کر کے حالات مذکورہ کی طلب وتلاش میں خطوط لکھے۔ اور سعی ان کی ناکام رہی۔ اُنھوں نے بھی کتاب مذکور پر ریویو لکھا۔ مگر اصل حال نہ لکھ کچھ کا کچھ اور لکھدیا۔ میں نے اسی وقت سے دہلی اور اطراف دہلی میں ان اشخاص کو خطوط لکھنے شروع کر دئے تھے جو خان موصوف کے خیالات سے دل گلزار رکھتے ہیں۔ اب طبع ثانی سے چند مہینے پہلے تاکید والتجا کے نیاز ناموں کو جولانی دی۔ اُنھی میں سے ایک صاحب کے الطاف وکرم کا شکر گذار ہوں جنھوں نے باتفاق احباب اور صلاح ہمگر جزئیات احوال فراہم کر کے چند ورق مرتب کئے اور عین حالت طبع میں کہ کتاب مذکور قریب الاختتام ہے مع ایک مراسلہ کے عنایت فرمائے بلکہ اس میں کم وبیش کی بھی اجازت دی۔ میں نے فقط بعض فقرے کم کئے جن سے طول کلام کے سوا کچھ فایدہ نہ تھا۔ اور بعض عبارتیں اور بہت سی روائتیں مختصر کر دیں یا چھوڑ دیں جن سے اُن کے نفس شاعری کو تعلق نہ تھا۔ باقی اصل حال کو بجنسہٖ لکھدیا آپ ہرگز دخل وتصرف نہیں کیا۔ ہاں کچھ کہنا ہوا تو حاشیہ پر یا خط وحدانی میں لکھدیا۔ جو احباب پہلے شاکی تھے۔ امید ہے کہ اب اس فروگذاشت کو معاف فرماوینگے +

مومن خانصاحب کا حال۔ ان کے والد حکیم غلام نبی خاں ولد حکیم نامدار خاں

www.urduchannel.in

شہر کے شرفا میں سے تھے (جن کی اصل نجائے کشمیر سے تھی) اول حکیم نامدار خاں اور حکیم کامدار خاں دو بھائی سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں آکر بادشاہی طبیبوں میں داخل ہوئے۔ شاہ عالم کے زمانہ میں موضع بلالہہ وغیرہ پرگنہ نارنول میں جاگیر پائی۔ جب سرکار انگریزی نے جھجر کی ریاست نواب فیض طلب خاں کو عطا فرمائی تو پرگنہ نارنول بھی اس میں شامل تھا۔ رئیس مذکور نے انکی جاگیر ضبط کرکے ہزار روپیہ سالانہ پنشن ورثۂ حکیم نامدار خاں کے نام مقرر کردی۔ پنشن مذکور میں سے حکیم غلام نبی خانصاحب نے اپنا حصہ لیا۔ اور اس میں سے حکیم مومن خاں صاحب نے اپنا حق پایا۔ اس کے علاوہ ان کے خاندان کے چار طبیبوں کے نام پر سو روپیہ ماہوار پنشن سرکار انگریزی سے بھی ملتی تھی۔ اس میں سے ایک چوتھائی ان کے والد کو۔ اور ان کے بعد اس میں سے ان کا حصہ ان کو ملتا رہا +

ان کی ولادت ۱۲۱۵ھ میں واقع ہوئی۔ بزرگ جب دلّی میں آئے تو چیلوں کے کوچہ میں رہے تھے۔ وہیں خاندان کی سکونت رہی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ وہاں سے بہت قریب تھا۔ ان کے والد کو شاہ صاحب سے کمال عقیدت تھی۔ جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت ہی نے آکر کان میں اذان دی۔ اور مومن خاں نام رکھا۔ گھر والوں نے اس نام کو ناپسند کیا اور حبیب اللہ نام رکھنا چاہا۔ لیکن شاہ صاحب ہی کے نام سے نام پایا +

بچپن کی معمولی تعلیم کے بعد جب ذرا ہوش سنبھالا تو والد نے شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں پہنچایا۔ ان سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے۔ حافظہ کا یہ حال تھا کہ جو بات شاہ صاحب سے سنتے تھے فوراً یاد کر لیتے تھے۔ اکثر شاہ عبدالعزیز صاحب کا وعظ ایک دفعہ سن کر بعینہٖ اسی طرح ادا کر دیتے تھے۔ جب عربی میں کسی قدر استعداد ہو گئی تو والد اور چچا غلام حیدر خاں اور غلام حسن خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں اور انہی کے مطب میں نسخہ نویسی کرتے رہے +

www.urduchannel.in

تیز طبیعت کا خاصہ ہے کہ ایک فن پر دل نہیں جمتا۔ اس نے بزرگوں کے علم یعنے طبابت پر تھمنے نہ دیا۔ دل میں طرح طرح کے شوق پیدا کئے۔ شاعری کے علاوہ نجوم کا خیال آیا۔ اس کو اہل کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہنچائی۔ ان کو نجوم سے قدرتی مناسبت تھی۔ ایسا ملکہ بہم پہنچایا تھا کہ احکام سن سن کر بڑے بڑے منجم حیران رہ جاتے تھے سال بھر میں ایک بار تقویم دیکھتے تھے۔ پھر برس دن تک تمام ستاروں کے مقام اور ان کی حرکات کی کیفیت ذہن میں رہتی تھی۔ جب کوئی سوال پیش کرتا۔ نہ زائچہ کھینچتے نہ تقویم دیکھتے۔ پوچھنے والے سے کہتے کہ تم خاموش رہو۔ جو میں کہتا جاؤں۔ اس کا جواب دیتے جاؤ۔ پھر مختلف باتیں پوچھتے تھے اور سایل اکثر کو تسلیم کرتا جاتا تھا +

ایک دن ایک غریب ہندو نہایت بیقرار اور پریشان آیا۔ اُن کے بیس برس کے رفیق قدیم شیخ عبدالکریم اُس وقت موجود تھے۔ خانصاحب نے اُسے دیکھکر کہا کہ تمہارا کچھ مال جاتا رہا ہے؟ اس نے کہا۔ صاحب میں لُٹ گیا۔ کہا خاموش رہو۔ جو میں کہوں اسے سنتے جاؤ۔ جو غلط بات ہو اس کا انکار کر دینا۔ پھر پوچھا کیا زیور کی قسم سے تھا؟ صاحب ہاں وہی عمر بھر کی کمائی تھی۔ کہا تم نے لیا ہے یا تمہاری بیوی نے۔ کوئی غیر چرانے نہیں آیا۔ اس نے کہا میرا مال تھا اور بیوی کے پہننے کا زیور تھا۔ ہم کیوں چرا۔ تے۔ ہنس کر فرمایا۔ کہیں رکھکر بھول گئے ہوگے۔ مال کہیں باہر نہیں گیا۔ اس نے کہا صاحب سارا گھر ڈھونڈ مارا۔ کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ فرمایا پھر دیکھو۔ گیا اور سارے گھر میں اچھی طرح دیکھا۔ پھر آکر کہا۔ صاحب میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ ایک ایک کونا دیکھ لیا۔ کہیں پتا نہیں لگتا۔ خانصاحب نے کہا۔ اسی گھر میں ہے۔ تم غلط کہتے ہو۔ کہا آپ چلکر تلاشی لے لیجئے میں تو ڈھونڈ چکا۔ فرمایا میں یہیں سے بتاتا ہوں۔ یہ کہکر اس کے سارے گھر کا نقشہ بیان کرنا شروع کیا۔ وہ سب باتوں کو تسلیم کرتا جاتا تھا۔ پھر کہا اس گھر میں جنوب کے رخ ایک کوٹھری ہے۔ اور اس میں شمال کی جانب ایک لکڑی کا مچان ہے۔ اس کے اوپر مال موجود ہے۔ جاکر لے لو۔ اس نے کہا۔ مچان کو تو تیں دفعہ چھان مارا۔ وہاں نہیں ملا۔

www.urduchannel.in

فرمایا الٰہی کے ایک کونے میں پڑا ہے۔ غرض وہ گیا اور جب روشنی کر کے دیکھا تو ڈبا اور اس میں سارا زیور جوں کا توں وہیں سے مل گیا +

ایک صاحب کا مراسلہ اسی تحریر کے ساتھ مسلسل پہنچا ہے جس میں یہ اور اس قسم کے کئی اسرار نجومی ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ اور ان کے شاگردوں کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ تعزادان کے درج کرنے میں قاصر ہے۔ معاف فرمائیں۔ زمانہ ایک طرح کا ہے لوگ کہیں گے کہ تذکرۂ شعرا لکھنے بیٹھا اور نجومیوں کا تذکرہ لکھنے لگا +

خاں صاحب نے اپنی نجوم دانی کو ایک غزل کے شعر میں نہایت خوبی سے ظاہر کیا ہے۔

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس	آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

شطرنج سے بھی اُن کو کمال مناسبت تھی۔ جب کھیلنے بیٹھتے تھے تو دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی تھی۔ اور گھر کے نہایت ضروری کام بھی بھول جاتے تھے۔ دلی کے مشہور شاطر کرامت علی خاں سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ اور شہر کے ایک دو مشہور شاطروں کے سوا کسی سے کم نہ تھے +

شعر و سخن سے انہیں طبعی مناسبت تھی۔ اور عاشق مزاجی نے اسے اور بھی چمکا دیا تھا۔ اُنہوں نے ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم کو اپنا کلام دکھایا۔ مگر چند روز کے بعد اُن سے اصلاح لینی چھوڑ دی اور پھر کسی کو اُستاد نہیں بنایا +

ان کے نامی شاگرد نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ صاحب تذکرۂ گلشن بیخار خلف نواب اعظم الدولہ سرفراز الملک مرتضےٰ خاں مظفر جنگ بہادر رئیس پلول اور اُن کے چھوٹے بھائی نواب اکبر خاں کہ ۴ برس ہوئے راولپنڈی میں دنیا سے انتقال کیا۔ میر حسین تسکین کہ نہایت ذکی الطبع شاعر تھے۔ سید غلام علی خاں وحشت۔ غلام ضامن کرم۔ نواب اصغر علی خاں کہ پہلے اصغر تخلص کرتے تھے۔ پھر نسیم تخلص اختیار کیا۔ اور مرزا خدا بخش قیصر شہزادے وغیرہ اشخاص تھے +

وضع و لباس — رنگین طبع۔ رنگین مزاج۔ خوش وضع۔ خوش لباس۔ کشیدہ قامت۔ سبزہ رنگ۔ سر پر لمبے

www.urduchannel.in

گھونگر والے بال۔ اور ہر وقت اُنگلیوں سے اُنہیں گنگھی کرتے رہتے تھے۔ ململ کا انگرکھا ڈھیلے ڈھیلے پائیچے۔ اس میں لال نیفہ بھی ہوتا تھا۔ مینے اُنہیں نواب اصغر علیخاں اور مرزا خدا بخش قیصر کے مشاعروں میں غزل پڑھتے ہوئے سُنا تھا۔ ایسی دردناک آواز سے دلپذیر ترنم کیساتھ پڑھتے تھے۔ کہ مشاعرہ وجد کرتا تھا۔ اللہ اللہ اب تک وہ عالم آنکھوں کے سامنے ہے۔ باتیں کہانیاں ہوگئیں۔ باوجود اسکے نیک خیالوں سے بھی اُن کا دل خالی نہ تھا۔ نوجوانی ہی میں مولانا سید احمد صاحب بریلوی کے مرید ہوئے۔ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر تھے۔ خانصاحب اُنہی کے عقاید کے بھی قایل رہے۔

پڑھنے کا انداز

اُنہوں نے کسی کی تعریف میں قصیدہ نہیں کہا۔ ہاں راجہ اجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ جو دہلی میں رہتے تھے۔ اور اُنکی سخاوتیں شہر میں مشہور تھیں۔ وہ ایک دن مصاحبوں کے ساتھ سرِ راہ اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے۔ خان صاحب کا ادھر سے گذر ہوا۔ لوگوں نے کہا مومن خان شاعر یہی ہیں۔ راجہ صاحب نے آدمی بھیجکر بُلوایا۔ عزت و تعظیم سے بٹھایا۔ (کچھ نجوم کچھ شعر و سخن کی باتیں کیں) اور حکم دیا کہ ہتنی کسکر لاؤ۔ ہتنی حاضر ہوئی۔ وہ خانصاحب کو عنایت کی۔ اُنہوں نے کہا کہ مہاراج میں غریب آدمی ہوں۔ اسے کہاں سے کھلاؤں گا۔ اور کیونکر رکھوں گا۔ کہا کہ سَو روپیہ اَور دو۔ خانصاحب اسی پر سوار ہوکر گھر آئے۔ اور پہلے اس سے کہ ہتنی روپے کھائے۔ اُسے بیچ کر فیصلہ کیا۔ (اسی موقع پر اوج نے کہا تھا دیکھو صفحہ ۴۹۵) پھر خانصاحب نے ایک قصیدہ مدحیہ شکریہ میں کہکر راجہ صاحب کو دیا۔ جس کا مطلع ہے۔

ارباب نیاز کی تعریف میں کچھ نہیں کہا

صبح ہوئی تو کیا ہُوا ہے وہی تیرہ اختری کثرتِ دود سے سیاہ شعلۂ شمع خاوری

سوا اس قصیدہ کے اور کوئی مدح کسی دنیا دار کے صلہ و انعام کی توقع پر نہیں لکھی۔ وہ اس قدر غیور تھے کہ کسی عزیز یا دوست کا ادنیٰ احسان بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

راجہ کپورتھلہ نے اُنہیں ساڑھے تین سو روپیہ مہینا کرکے بلایا اور ہزار روپیہ خرچ سفر بھیجا۔ وہ بھی تیار ہوئے۔ مگر معلوم ہُوا کہ وہاں ایک گویّے کی بھی یہی تنخواہ ہے کہا کہ

www.urduchannel.in

جہاں میرا ایک گوتیے کی برابر تنخواہ ہو میں نہیں جاتا۔

جس طرح شاعری کے ذریعہ سے اُنہوں نے رپیہ نہیں پیدا کیا اسی طرح نجوم رمل اور طبابت کو بھی معاش کا ذریعہ نہیں کیا۔ جس طرح شطرنج ان کی ایک دل لگی کی چیز تھی اسی طرح نجوم۔ رمل اور شاعری کو بھی ایک بہلاوا دل کا سمجھتے تھے۔

خانصاحب پانچ چار دفعہ دلی سے باہر گئے۔ اول رامپور اور وہاں جا کر کہا۔

دلی سے رامپور میں ہے لایا جنوں کا شوق
ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم

دوسری دفعہ سہسوان گئے۔ وہاں فرماتے ہیں۔

چھوڑ دلی کو سہسوان آیا
ہرزہ گردی میں مبتلا ہوں میں

۳۔ جہانگیر آباد میں نواب مصطفیٰ خان کے ساتھ کئی دفعہ گئے۔ ۴۔ ایک دفعہ نواب شایستہ خان کے ساتھ سہارنپور گئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دلی میں جو میسر تھا اسی پر قانع تھے درست ہے۔ تصدیق اسکی دیکھو غالب مرحوم کے حال میں صفحہ ۴۰۸

ان کی تیزی ذہن اور ذکاوت طبع کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ وہ خود بھی ذہانت میں دو شخصوں کے سوا کسی ہمعصر کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ ایک مولوی اسمٰعیل صاحب۔ دوسرے خواجہ محمد نصیر صاحب کہ ان کے پیر اور خواجہ میر درد صاحب کے نواسے تھے۔

اسی سلسلہ میں نواب مصطفیٰ خان کی ایک سیج تقریر ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا ذکی الطبع آج تک نہیں دیکھا ان کے ذہن میں بجلی کی سی سرعت تھی وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ اس کے سلست مزاج میں بعض اور معاملے منقول ہیں۔ مگر ان میں بھی واردات کی بنیاد نہیں لکھی۔ مثلاً یہ کہ مولا بخش قلق مولوی امام بخش صاحب صہبائی کے شاگرد رشید دیوان نظیری پڑھتے تھے۔ ایک دن خانصاحب کے پاس آئے اور ایک شعر کے معنے پوچھے۔ اُنہوں نے ایسے نازک معنے اور نادر مطلب بیان فرمائے کہ قلق معتقد ہو گئے۔ اور کہا کہ مولوی صاحب نے جو معنے بتائے ہیں وہ اس سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔ لیکن نہ وہ شعر لکھا ہے نہ کسی صاحب کے معنے لکھے ہیں۔ ایسی باتوں کو آزاد نے افسوس کے ساتھ ترک کر دیا ہے۔ شفیق مکرم معاف فرما دیں۔

www.urduchannel.in

لطیفہ۔ ان کی عالی دماغی اور بلند خیالی شعرائے متقدمین و متاخرین میں سے کسی کی فصاحت یا بلاغت کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ یہ قول ان کا مشہور تھا کہ گلستان سعدی کی تعریف میں لوگوں کے دم چڑھے جاتے ہیں۔ اس میں ہے کیا؟ گفت گفت۔ گفتہ اند گفتہ اند۔ کہتا چلا جاتا ہے اگر ان لفظوں کو کاٹ دو تو کچھ بھی نہیں رہتا۔ ایک دن مفتی صدرالدین خان مرحوم کے مکان پر یہی تقریر کی۔ مولوی احمدالدین کرسانوالہ۔ مولوی فضل حق صاحب کے شاگرد بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف میں کیا فصاحت ہے۔ جا بجا قال قال۔ قالوا قالوا ہے۔

ان کے کسی شاگرد نے غزل میں یہ شعر لکھا تھا۔

	ہجر میں کیونکر پھروں ہرسو نہ گھبرایا ہوا		وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا	

خانصاحب نے پہلے مصرع کو یوں بدل دیا۔ ع اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا

اہل مذاق جانتے ہیں کہ اب شعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

ایک اور شخص نے الٰہی بخش کا سجع لکھا تھا ع مجھ گنہگار کو الٰہی بخش۔ خانصاحب نے فرمایا۔ ع میں گنہگار ہوں الٰہی بخش۔

تاریخیں۔ تاریخ میں ہمیشہ تعمیہ اور تخرجہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان کی طبع رسا نے اسے محسنات تاریخ میں داخل کر دیا۔ چنانچہ اپنے والد کی تاریخ وفات کہی۔

	بہ من الہام گشت سالِ وفات		کہ غلام نبی بہ حق پیوست	

غلام نبی کے اعداد کیساتھ حق ملائیں تو پورے سنہ فوت نکل آتے ہیں۔

اپنی صغیر سن بیٹی کی تاریخ فوت کہی

	خاک برفرقِ دولتِ دنیا		من فشاندم خزانہ بر سرِ خاک	

خزانہ کے اعداد۔ سرِ خاک۔ یعنے خ کے ساتھ ملانے سے ۱۲۶۳ھ ہوتے ہیں۔

تاریخ چاہ۔ ع آبِ لذت فزا بہ جام بگیر۔ آبِ لذت فزا کے اعداد۔ جام کے اعداد میں ڈالو تو ۱۲۶۹ھ نکل آئے

ان تاریخوں کے لطف و نزاکت میں کلام نہیں۔ لیکن اصول فن کے بموجب ۹ سے زیادہ کمی بیشی جائز نہیں۔ اس انداز کے ایجاد داخل سمجھتے ہیں +

www.urduchannel.in

ایک شخص زین خان نام حج کو گیا۔ رستہ میں سے پھر آیا۔ خانصاحب نے کہا۔ ع
چون بیاید ہنوز خر باشد۔ ۱۲۵۶ھ

شاہ محمد اسحاق صاحب نے دلّی سے ہجرت کی خانصاحب نے کہا۔

گفتیم وحید عصر اسحاق　　بر حکم شہنشۂ دو عالم
بگذاشتہ دارِ حرب اسال　　جا کردہ بمکۂ معظم

وحید عصر اسحاق کے اعداد مکۂ معظم کے اعداد کے ساتھ ملاؤ۔ اور دارِ حرب کے اعداد اس میں سے تفریق کرو تو سنہ ۱۲۶۰ ہجری تاریخ ہجرت نکلتی ہے۔

ایک شخص قلعۂ دلّی سے نکالا گیا انہوں نے تاریخ کہی ع از باغ خلد بیرون شیطان بیحیا شد +

باغ خلد کے اعداد میں سے شیطان بیحیا کے عدد نکال ڈالیں تو سنہ ۱۲۳۶ رہتے ہیں۔

سادی تاریخیں بھی عمدہ ہیں۔ چنانچہ خلیل خان کے ختنہ کی تاریخ کہی سنت خلیل اللہ

اپنی عمہ کے مرنے کی تاریخ کہی۔ لَہَا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔

اپنے والد کی وفات کی تاریخ کہی۔ قَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیْماً۔

اپنی بیٹی کی ولادت کی تاریخ کہی۔

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے　　کہی تاریخ دخترِ مومن

دختر مومن کے اعداد میں سے نال کے اعداد کو اخراج کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات کی تاریخ۔

دست بے دادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے　　فقر و دین۔ فضل و ہنر۔ لطف و کرم علم و عمل

الفاظ مصرع آخر کے اول و آخر کے حرفوں کو گرا دو۔ بیچ کے حرفوں کے عدد لیلو تو سنہ ۱۲۳۹ رہتے ہیں

اِن کے معمّے بھی متعدد ہیں۔ مگر ایک لاجواب ہے۔ ایسا نہیں سُنا گیا۔

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا　　ہم اُلٹے۔ بات اُلٹی۔ یار اُلٹا۔ یعنے مہتاب ہے

پہیلیاں بھی کہیں۔ ایک یہاں لکھی جاتی ہے کہ گھڑیال پر ہے۔

www.urduchannel.in

نہ بولے وہ جب تک کہ کوئی بلائے	نہ لفظ اور معنے سمجھ میں کچھ آئے
نہیں چور پردہ لٹکتا رہے	زمانہ کا احوال بکتا رہے
شب و روز غوغا مچایا کرے	اسی طرح سے مار کھایا کرے

کوٹھے سے گرنے کے بعد اُنہوں نے حکم لگایا تھا کہ ۵ دن یا ۵ مہینے یا ۵ برس میں مر جاؤنگا چنانچہ ۵ مہینے کے بعد مر گئے۔ گرنے کی تاریخ خود ہی کہی تھی۔ دست و باز و بشکست۔ مرنے کی تاریخ ایک شاگرد نے کہی۔ ماتم مومن۔ دلّی دروازہ کے باہر مید ہیوں کے جانب غرب۔ زیر دیوار احاطہ مدفون ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان بھی یہیں مدفون ہے۔

روایت مرنے کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب طرح سے خواب میں دیکھا۔ ایک خواب نہایت سچا اور حیرت انگیز ہے۔ نواب مصطفٰے خاں نے دو برس بعد خواب میں دیکھا کہ ایک قاصد نے آکر خط دیا کہ مومن مرحوم کا خط ہے۔ اُنہوں نے لفافہ کھولا تو اس کے خاتمہ پر ایک مُہر ثبت تھی جسمیں مومن جنتی لکھا تھا۔ اور خط کا مضمون یہ تھا کہ آجکل میرے عیال پر مکان کی طرف سے بہت تکلیف ہے۔ تم ان کی خبر لو۔ صبح کو نواب صاحب نے دو سو روپے ان کے گھر بھیجے اور خواب کا مضمون بھی کہلا بھیجا۔ ان کے صاحبزادے احمد نصیر خان سلمہ اللہ کا بیان ہے کہ فی الواقع ان دنوں میں ہم پر مکان کی نہایت تکلیف تھی۔ برسات کا موسم تھا اور سارا مکان ٹپکتا تھا۔

اپنے شفیق کرم کے الطاف و کرم کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے یہ حالات مرتب کرکے عنایت فرمائے۔ لیکن کلام پر رائے نہ لکھی اور باوجود التجا مکرر کے انکار کیا۔ اس لئے بندۂ آزاد اپنے فہم قاصر کے بموجب لکھتا ہے۔

رائے ان کے کلام پر

غزلوں میں اُن کے خیالات نہایت نازک اور مضامیں عالی ہیں۔ اور استعارہ اور تشبیہ کے زور نے اور بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا ہے۔ ان میں معاملات عاشقانہ عجیب مزے سے ادا کئے ہیں۔ اسی واسطے جو شعر صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرأت سے ملتا ہے اور اس پر وہ خود بھی نازاں تھے۔ اشعار

مذکورہ میں فارسی کی عمدہ ترکیبیں اور دلکش تراشیں ہیں کہ اردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں ان کی زبان میں چند وصف خاص ہیں جن کا جتانا لطف سے خالی نہیں۔ وہ اکثر اشعار میں ایک شے کو کسی صفت خاص کے لحاظ سے ذات شے کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور اس ہیر پھیر سے شعر میں عجب لطفِ لطیف بلکہ معانی پنہانی پیدا کرتے ہیں مثلاً۔

موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا — بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا
محو مجسا دم نظارۂ جاناں ہوگا — آئینہ آئینہ دیکھیگا تو حیراں ہوگا
کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا — الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
روز جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا — میرا سوال ہے میرے خوں کا جواب تھا
پرسشِ تن خمِ زجرِ محتسب معقول — گنا ہگار نے سمجھا گنا ہگار مجھے
نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیتِ عاشق حیف — خونِ فرہاد و سرِ گردنِ فرہاد رہا

اکثر عمدہ ترکیبیں اور نادر تراشیں فارسی کی۔ اور استعارے و اضافتیں اردو میں استعمال کر کے کلام کو نمکین کرتے ہیں۔ مثلاً

گر وہاں ہے یہ خموشی اثر افغاں ہوگا — حشر میں کون میرے حال کو پرساں ہوگا

یعنے فغانے کہ اثرش خموشی است۔

بیمارِ اجل چارہ کو گر حضرتِ عیسیٰ — اچھا نہ کرینگے تو کچھ اچھا نہ کرینگے

یعنے بیمارے کہ چارہ اش اجل است۔

وفائے غیرتِ شکرِ جفا نے کام کیا — کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گزرے
ستم لے شور بختی میری ہڈی کیوں نہ کھا تا — سگِ لیلیٰ اداکو گر نہ ظالم بدمزہ لگتی

اکثر اہل اردو یہ طرز پسند نہیں کرتے۔ لیکن اپنا اپنا مذاق ہے۔ ناسخ اور آتش کے حال میں اس تقریر کو بہت طول دے چکا ہوں دوبارہ لکھنا فضول ہے۔

ل بعض اشعار پر لوگوں کے اعتراض ہیں۔ انکی تفصیل تحریر ایک معمولی بات ہے مثلاً شمر جو بالسکون ہے، اسے شمر بفتحتین باندھا ہے سے دل ایسے شوخ کو مومن نے دیدیا کہ جو ہے، محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا یا نوحہ زن کرنی ترکیب ہے۔ دیکھو صفحہ ۴۱۹ - اور ایسے ایجاد ان کے کلام میں اکثر ہیں۔

قصائد - اپنے درجہ میں اعلیٰ رتبہ رکھتے ہیں اور زبان کا انداز وہی ہے۔

مثنویاں - نہایت درد انگیز ہیں کیونکہ درد خیز دل سے نکلی ہیں۔ زبان کے لحاظ سے جو غزلوں کا انداز ہے وہی ان کا ہے۔

غزلیں

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا / میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

اڑتے ہی رنگ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں / اس مرغ پرشکستہ کی پرواز دیکھنا

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں / اے ہمنفس نزاکت آواز دیکھنا

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب / تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن / حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم / پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا

کشتہ ہوں اس کی چشم فسوں گر کا اے مسیح / کرتا سمجھ کے دعویٔ اعجاز دیکھنا

میری نگاہ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو / بیطاقتی پہ سرزنش ناز دیکھنا

ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے / مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا

اشکِ دے اڑ و نہ اثر باعث صد جوش ہوا / ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

جلوہ افزائے رخ کے لئے مے نوش ہوا / میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بیہوش ہوا

کیا یہ پیغامبر غیر ہے اے مرغ چمن / خندہ زن باد بہاری سے وہ گلگوش ہوا

ہے یہ غم گور میں رنج شب اول سے فزوں / کہ وہ مہرو مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

مجھ پہ شمشیر نگہ خود بخود آپڑتی ہے / عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

آفریں دل میں ہی خنجر دشمن کے سبب / اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

ورد شانہ سے ترا مجھ نزاکت خوش ہے / کہ میں ہمدوش ہوا گو غیر بھی ہمدوش ہوا

www.urduchannel.in

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھری تو وہ بھری
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

تو نے جو قہرِ خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخرِ شب
اپنے نالے نے جگایا یہ اثر آخرِ شب

صبحدم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مر گئے ہم دمِ آغازِ سحر آخرِ شب

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

سوزِ دل سے گئی جان سخت پگھلنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

ملے ہی غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ ادھر آخرِ شب

صبحدم آنے کو وہ تھا کہ گواہی دے ہے
رجعتِ قہقریٔ چرخ و قمر آخرِ شب

غیر نکلا تیرے گھر سے گئی اس دم میں جاں
غل ہوئے چور کے اس کو چپیں گر آخرِ شب

دی تسلی تو وہ ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو میرے آئے وہ مگر آخرِ شب

موسفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخرِ شب

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

اس بُت کیلئے میں ہوسِ حور سے گذرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

چشمک میری وحشت پہ ہے کیا حضرتِ ناصح
طرزِ نگہِ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو

ارباب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعیٔ عاشقِ جانباز تو دیکھو

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں رہے راز تو دیکھو

اُس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

دیں پاکئے دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسفِ بیدرد کا اعجاز تو دیکھو

جنت میں بھی مومن نہ ملا پائے بتوں سے

جورِ اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے / فلس ماہی کے گلِ شمع شبستاں ہونگے
ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہونگے / نیم بسمل کئی ہونگے کئی بیجاں ہونگے
تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں / اور بن جائینگے تصویر جو حیراں ہونگے
تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے / ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم / لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے
کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں / گر وہ ہونگے بھی تو بے وقت پشیماں ہونگے
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس / ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے
ہم نکالینگے سن اے موج ہوا بل تیرا / اسکی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے
صبر یارب میری وحشت کا پڑیگا کہ نہیں / چارہ فرما بھی کبھی قیدیِ زنداں ہونگے
منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائینگے کبھی / زندگی کیلئے شرمندۂ احساں ہونگے
تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے / گل نہ ہونگے شررِ آتشِ سوزاں ہونگے
غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم / کیا کہیں اسکے سگِ کوچہ کے قرباں ہونگے
داغِ دل نکلینگے تربت سے مری جوں لالہ / یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہونگے
چاک پردے سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں / ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہونگے
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی / پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہونگے
سنگ اور ہاتھ وہی وہی سر و داغِ جنوں / وہی ہم ہونگے وہی دشت و بیاباں ہونگے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنیکی / خبر ہے لاش پہ اس بیوفا کے آنیکی
ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خونکے مرے / سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنیکی
سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا میں اے ناصح / کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنیکی

www.urduchannel.in

امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم / شمیم سلسلۂ مشکسا کے آنیکی
چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ / تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنیکی
نہ جائے کیوں دلِ مرغِ چمن کہ سیکھ گئی / بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی
مشامِ غیر میں پہنچی ہے نکہتِ گلِ داغ / یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنیکی
جو بے حجاب ہوگی تو جان جائیگی / کہ راہ دیکھی ہے اُس نے حیا کے آنیکی
پھر اب کے لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل / گئے ہیں جان سے وہ سوگند کھا کے آنیکی
خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا / امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی
کروں میں عذر خلافی کا شکوہ کس کس سے / اجل بھی رہ گئی ظالم سُنا کے آنیکی
کہاں ہے ناقہ ترے کان بجتے ہیں مجنوں / قسم ہے مجھکو صدائے درا کے آنیکی
مرے جنازے پہ آنیکا ہے ارادہ تو آ / کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنیکی

مجھے یہ ڈر ہے کہ **مومن** کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روزِ جزا کے آنیکی

ازبس جنوں جدائی گل پیرہن سے ہے / دل چاک چاک نغمۂ مرغ چمن سے ہے
سرگرمِ مدحِ غیر دمِ شعلہ زن سے ہے / دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے
روزِ جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب / وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے
یاد آگیا ازبس کوئی مہر دیدہ مہروش / امیدِ داغ تازہ سپہر کہن سے ہے
کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس / سب کاوشِ رقیب دلِ کوہکن سے ہے
ان کو گماں ہے گلۂ چینِ زلف کا / خوشبو دہانِ زخم جو مشکِ ختن سے ہے
میں کیا کہ مرگ غیر بہ داماں تر نہ ہو / وہ اشک ریز خندۂ چاک کفن سے ہے
کیونکر نجات آتش ہجراں سے ہو کہ مرگ / آئی تو دور ہی تبِ تابِ بدن سے ہے
خود رفتگی میں چین نہ دیا یا کہ کیا کہوں / غربت جو تجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے
ترسا بچے ہی کعبے سے خود کریں یہ وحشتیں / نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

www.urduchannel.in

داغِ جنوں کو دیتے ہیں گل سے زبس مثال
میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے

کیوں ہائے نوحہ زن ہیں کہاں مرگ مجھکو تو
لب بستگی تصورِ بوس دہن سے ہے

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
تو اب بھی دل درست اُسی دشمن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو ضد یہ کیشِ بدِ برہمن سے ہے

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کیلئے
سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کیلئے
عبث میں خاک ہوا میلِ آسماں کیلئے

خلافِ وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امیدِ بخشش ہے پاسِ جاوداں کے لئے

سُنیئے آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیئے دل اپنے رازداں کیلئے

حجابِ چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب
فغاں اثر کیلئے اور اثر فغاں کے لئے

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کیلئے

مزا یہ شکوہ میں آیا کہ بیمزہ ہوئے وہ
میں تلخ کام رہا لذتِ زباں کیلئے

لیا ہے دل کے عوض جان تقیبِ دو دل
میں اور آپ کی سوداگری زباں کیلئے

وہ سیلِ روح فزا ہے کہاں تلک بوسے
گر جو ہے کم ہے یہاں شوق جانفشاں کیلئے

ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کیلئے

کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ اُنس قفس
ہے ہم بہ برقِ طلا روز آشیاں کیلئے

جنونِ عشق تسلی کیوں خاک اڑ اُٹھیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کیلئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی بسنی تھی جاں اسکے امتحاں کیلئے

رواں فزائی سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کیلئے

www.urduchannel.in

ملک الشعرا خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق

جب وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں کا تاج سجایا جنکی خوشبو شہرت عام بنکر جہان میں پھیلی۔ اور رنگ نے بقائے دوام سے آنکھوں کو طراوت بخشی۔ وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر نہ پہنچے۔ ملک الشعرائی کا سکہ اسکے نام سے موزوں ہوا اور اُس کے طغرائے شاہی میں یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اردو کا خاتمہ کیا گیا۔ چنانچہ اب ہرگز امید نہیں کہ ایسا قادر الکلام پھر ہندوستان میں پیدا ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جس باغ کا بلبل تھا وہ باغ برباد ہو گیا۔ نہ ہم صفیر رہے نہ ہمداستان رہے۔ نہ اس بولی کے سمجھنے والے رہے۔ جو خراب آباد اس زبان کے لئے ٹکسال تھا۔ وہاں بھانت بھانت کا جانور بولتا ہے۔ شہر چھاؤنی سے بدتر ہو گیا۔ اُمرا کے گھرانے تباہ ہو گئے۔ گھرانوں کے وارث علم و کمال کے ساتھ روٹی سے محروم ہو کر حواس کھو بیٹھے۔ وہ جادو کار طبیعتیں کہاں سے آئیں۔ جو بات بات میں دلپسند انداز اور عمدہ تراشیں نکالتی تھیں۔ آج جن لوگوں کو زمانہ کی فارغ البالی نے اس قسم کے ایجاد و اختراع کی فرصتیں دی ہیں وہ اَور اَور اصل کی شاخیں ہیں۔ اُنہوں نے اور پانی سے نشو و نما پائی ہے۔ وہ اَور ہی ہواؤں میں اُڑ رہے ہیں۔ پھر اس زُبان کی ترقی کا کیا بھروسہ۔

راقم سے اور انسے کیا تعلق تھا

کیسا مبارک زمانہ ہو گا۔ جبکہ شیخ مرحوم اور میرے والد مغفور ہم عمر ہونگے تحصیل علمی ان کی عمروں کی طرح حالتِ طفولیت میں ہو گی۔ صرف و نحو کی کتابیں ہاتھوں میں ہونگی۔ اور ایک اُستاد کے دامنِ شفقت میں تعلیم پاتے ہوں گے۔ ان نیک نیت لوگوں کی ہر ایک بات استقلال کی بُنیاد پر قایم ہوتی تھی۔ وہ رابطہ ان کا عمروں کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ اور اخیر وقت تک ایسا نبھ گیا کہ قرابت سے بھی زیادہ تھا۔ ان کے تحریرِ حالات میں بعض باتوں کے لکھنے کو لوگ فضول سمجھینگے۔ مگر کیا کروں۔ جی یہی چاہتا ہے کہ کوئی حرف اس گرانبہا داستان کا نہ چھوڑوں۔ یہ شاید اس سبب سے ہو کہ اپنے پیارے اور پیار کرنے

والے بزرگ کی ہر بات پیاری ہوتی ہے۔ لیکن نہیں! اس شعر کے پُتلے کا ایک رونگٹا بھی بیکار نہ تھا۔ ایک صنعکاری کی کل میں کون سے پُرزے کو کہہ سکتے ہیں کہ نکال ڈالو یہ کام کا نہیں اور کونسی حرکت اسکی ہے جس سے کچھ حکمت انگیز فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ اسی واسطے میں لکھونگا اور سب کچھ لکھوں گا۔ جو بات ان کے سلسلۂ حالات میں مسلسل ہوسکیگی ایک حرف نہ چھوڑونگا

خاندان

شیخ مرحوم کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے۔ مگر زمانہ کے تجربہ اور بزرگوں کی صحبت نے اُنہیں حالات زمانہ سے ایسا باخبر کیا تھا۔ کہ اُنکی زبانی باتیں کتب تاریخ کے قیمتی سرمائے تھے۔ وہ دلّی میں کابلی دروازہ کے پاس رہتے تھے۔ اور نواب لطف علی خاں نے انہیں معتبر اور بالیاقت شخص سمجھکر اپنی حرم سرا کے کاروبار سپرد کر رکھے تھے۔ شیخ علیہ الرحمہ ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ کہ ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اسوقت کسے خبر ہوگی کہ اس رمضان سے وہ چاند نکلیگا۔ جو آسمانِ سخن پر عید کا چاند ہو کر چمکیگا۔ جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو حافظ **غلام رسول** نام ایک شخص بادشاہی حافظ اُن کے گھر کے پاس رہتے تھے۔ محلّے کے اکثر لڑکے اُنہی کے پاس پڑھتے تھے۔ انہیں بھی وہیں بٹھا دیا +

۱۲۰۴ میں پیدا ہوئے

تعلیم و تربیت

حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے۔ **شوق** تخلص کرتے تھے۔[۲۵] اگلے وقتوں کے لوگ جیسے

[۲۵] نمونۂ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں	عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اسکی پھانکیں	یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکو نمیں یہ زیرا	یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگونِ مجسّم یا بھرا خون	کسی ہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جبکا صفراوی ہے اے شوق	دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں
لکھا ہوا تھا یہ اُس مہ جبیں کے پردہ پر	نہیں ہے کوئی اب ایسا زمیں کے پردہ پر
کہ ناوک مژگان چشم ستمگر آ کے جگر میں کھوپ چلی	آؤ کی ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ کو اپنے دھوپ چلی
وعدہ کیا تھا شام کا مجھ سے شوق جنہوں نے کل دن کو	آج وہ آئے پاس میرے جب ڈیڑھ پہر کی توپ چلی
فاتحے مست عدوئے بد ایسا ہی چھٹی کا رتجا ہے	نانی جسکی آتی چھٹی میں دھوم سے لیکر کھمی کھچڑی
شیخ کھائے شیخی اپنی مفت کے لقمے کھاتا ہے	دود ملیدا کھاتے ہیں یا ست قلندر کھمی کھچڑی

www.urduchannel.in

شعر کہتے ہیں ویسے شعر کہتے تھے۔ محلہ کے شوقین نوجوان دلوں کی اُمنگ میں اُن سے کچھ کچھ کہوا لیجایا کرتے تھے۔ اکثر اصلاح بھی لیا کرتے تھے۔ غرض ہر وقت ان کے ہاں یہی چرچہ رہتا تھا۔ شیخ مرحوم خود فرماتے تھے۔ کہ وہاں سنتے سنتے مجھے بہت شعر یاد ہو گئے۔ نظم کے پڑھنے اور سُننے میں دلکو ایک روحانی لذت حاصل ہوتی تھی۔ اور ہمیشہ اشعار پڑھتا پھرا کرتا تھا۔ دل میں شوق تھا اور خدا سے دعائیں مانگتا تھا کہ الٰہی مجھے شعر کہنا آجائے۔ ایک دن خوشی میں آکر خود بخود میری زبان سے دو شعر نکلے۔ اور یہ فقط حُسنِ اتفاق تھا۔ کہ ایک حمد میں تھا ایک نعت میں۔ اس عمر میں مجھے اتنا ہوش تو کہاں تھا کہ اس مبارک مُہم کو خود اس طرح سمجھکر شروع کرتا کہ پہلا حمد میں ہو دوسرا نعت میں ہو جب یہ بھی خیال نہ تھا کہ اس قدرتی اتفاق کو مبارک فال سمجھوں۔ مگر ان دو شعروں کے موزون ہو جانے سے جو خوشی دل کو ہوئی۔ اس کا مزہ اب تک نہیں بھولتا۔ انہیں کہیں اپنی کتاب میں کہیں جا بجا کاغذوں پر رنگ برنگ کی روشنائیوں سے لکھتا تھا ایک ایک کو سناتا تھا اور خوشی کے مارے پھولوں نہ سماتا تھا۔ غرضکہ اسی عالم میں کچھ کچھ کہتے رہے اور حافظ جی سے اصلاح لیتے رہے۔

پہلے دو شعر

ابتدائی مشق

اسی محلہ میں میر کاظم حسین نام ایک ان کے ہم سن ہم سبق تھے کہ نواب سید رضی خاں مرحوم کے بھانجے تھے۔ بیقرار تخلص کرتے تھے۔ اور حافظ غلام رسول ہی سے اصلاح لیتے تھے مگر ذہن کی جودت اور طبیعت کی براقی کا یہ عالم تھا کہ کبھی برق تھے اور کبھی بادو باراں انہیں اپنے بزرگوں کی صحبت میں تحصیل کمال کیلئے اچھے اچھے موقع ملتے تھے۔ شیخ مرحوم اور وہ اتحادِ طبعی کے سبب سے اکثر ساتھ رہتے تھے۔ اور شوق کے میدان میں ساتھ ہی گھوڑے دوڑاتے تھے۔ انہیں دنوں کا شیخ مرحوم کا ایک مطلع ہے کہ نمونہ تیزی طبع کا دکھاتا ہے۔

ماتھے پہ ترے جھکے ہے جھومر کا پڑا چانہ	لابوسہ۔ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند

شاہ نصیر مرحوم کی شاگردی

ایک دن میر کاظم حسین نے غزل لاکر سُنائی۔ شیخ مرحوم نے پوچھا یہ غزل کب کہی؟ خوب گرم شعر نکالے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے انہیں سے یہ اصلاح لی ہے۔ شیخ مرحوم کو بھی شوق پیدا ہوا اور ان کے ساتھ جاکر شاگرد ہو گئے۔

www.urduchannel.in

سعودۂ اصلاح جاری تھے مشاعروں میں غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ لوگوں کی واہ وا طبیعتوں کو بلند پروازیوں کے پر لگاتی تھی۔ کہ رشک چو تلامیذ الرحمٰن کے آئینوں کا جوہر ہے اُستاد شاگردوں کو چمکانے لگا۔ بعض موقع پر ایسا ہُوا کہ شاہ صاحب نے ان کی غزل کو دیکھ کر بے اصلاح پھیر دیا۔ اور کہا کہ طبیعت پر زور ڈال کر کہو۔ کبھی کہدیا کہ یہ کچھ نہیں۔ پھر سوچکر کہو بعض غزلوں کو جو اصلاح دی تو اس سے بے ادائی پائی گئی۔ ادھر انہیں کچھ تو یاروں نے چمکا دیا کچھ اپنی غربت حالت نے یہ آزردگی پیدا کی کہ شاہ صاحب اصلاح میں بے توجہی یا پہلو تہی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح کئی دفعہ غزلیں پھیریں۔ بہت سے شعر کٹ گئے۔ زیادہ ترقباحت یہ ہوئی کہ شاہ صاحب کے صاحبزادے **شاہ وجیہ الدین منیر** تھے جو براقی طبع میں اپنے والد کے خلف الرشید تھے۔ ان کی غزلوں میں توارد سے یا خدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے۔ اس لئے انہیں زیادہ رنج ہُوا۔

منیر مرحوم کو جسقدر دعوے تھے اس سے زیادہ طبیعت میں نوجوانی کے زور بھرے ہوئے تھے وہ کسی شاعر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جس غزل پر ہم قلم اٹھائیں اس زمین میں کون قدم رکھ سکتا ہے۔ مشکل طرحیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کون پہلوان ہے۔ جو اس نال کو اٹھا سکے۔ غرض کہ ان سے اور شیخ مرحوم سے بمقتضائے سن اکثر تکرار ہو جاتی تھی اور مباحثے ہوتے تھے۔ ایکدفعہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ گھر کے کہے ہوئے شعر صحیح نہیں۔ شاید آپ استاد سے کہوا لاتے ہونگے۔ ہاں ایک جلسہ میں بیٹھکر میں اور آپ غزل کہیں۔ چنانچہ اس معرکہ کی منیر مرحوم کی غزل نہیں ملی۔ شیخ علیہ الرحمہ کی غزل کا مطلع مجھے یاد ہے۔

یہاں کے آنیکا مقرر قاصدا وہ دن کرے	جو تو مانگیگا وہی دونگا خدا وہ دن کرے

اگرچہ ان کی طبیعت حاضر و فکر رسا۔ بندش چست اس پر کلام میں زور سب کچھ تھا۔ مگر چونکہ یہ ایک غریب سپاہی کے بیٹے تھے نہ دنیا کے معاملات کا تجربہ تھا نہ کوئی ان کا دوست ہمدرد تھا اس لئے رنج اور دل شکستگی حد سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی قیل و قال میں ایک دن سودا کی

اب بگاڑ شعر(ا) ہوتا ہے۔

www.urduchannel.in

غزل پر غزل کہی۔ دوشِ نقشِ پا۔ آغوشِ نقشِ پا۔ شاہ صاحب کے پاس لیگئے۔ اُنہوں نے خفا ہو کر غزل پھینکدی کہ استاد کی غزل پر غزل کہتا ہے؟ اب تو مرزا رفیع سے بھی اونچا اُڑنے لگا۔ ان دنوں میں ایک جگہ مشاعرہ ہوتا تھا۔ اشتیاق نے بیقرار کر کے گھر سے نکالا مگر غزل بے اصلاح تھی۔ دل کے ہراس نے روک لیا کہ ابتدائے کار ہے۔ احتیاط شرط ہے۔ قریب شام افسردگی اور مایوسی کے عالم میں جامع مسجد تک آ نکلے۔ آثار شریف میں فاتحہ پڑھی۔ حوض پر آئے وہاں میر کلو حقیر بیٹھے تھے۔ چونکہ مشاعرہ کی گرم غزلوں نے روشناس کر دیا تھا اور سن رسیدہ اشخاص شفقت کرنے لگے تھے۔ میر صاحب نے اُنہیں پاس بٹھایا اور کہا کہ کیوں میاں ابراہیم؟ آج کچھ مکدر معلوم ہوتے ہو۔ خیر ہے؟ جو کچھ ملال دل پر تھا۔ اُنہوں نے بیان کیا میر صاحب نے کہا کہ بھلا وہ غزلیں ہمیں تو سُناؤ! انہوں نے غزل سنائی۔ میر صاحب کو ان کے معاملہ پر درد آیا۔ کہا کہ جاؤ بے تامل غزل پڑھ دو۔ کوئی اعتراض کریگا تو جواب ہمارا ذمہ ہے۔ اور ہاتھ اُٹھا کر دیر تک ان کیلئے دعا کرتے رہے۔ اگرچہ میر صاحب کا قدیمانہ انداز تھا۔ مگر وہ ایک کُہن سال شخص تھے۔ بڑے بڑے باکمال شاعروں کو دیکھا ہُوا تھا۔ اور مکتب پڑھایا کرتے تھے۔ اسلئے شیخ مرحوم کی خاطر جمع ہوئی۔ اور مشاعرہ میں جاکر غزل پڑھی وہاں بہت تعریف ہوئی چنانچہ غزل مذکور یہ ہے۔

رکھتا بہر قدم ہے وہ یہ ہوشِ نقشِ پا / ہو خاکِ عاشقاں نہ ہم آغوشِ نقشِ پا

افتادگاں کو بے سر و ساماں نہ جانیو / داماں خاک ہوتا ہے روپوشِ نقشِ پا

اعجاز پا سے تیرے عجب کیا کہ راہ میں / بول اٹھے منہ سے ہر لبِ خاموشِ نقشِ پا

اس رہگذر میں کس کو ہوئی فرصتِ مقام / بیٹھے ہے نقشِ پا بسرِ دوشِ نقشِ پا

جسمِ نزارِ خاک نشینانِ کوئے عشق / یوں ہے زمیں پہ جیسے تن و توشِ نقشِ پا

فیض برہنہ پائی مجنوں سے دشت میں / ہر آبلہ بنے ہے دُرِ گوشِ نقشِ پا

پابوس در کنار کہ اپنی تو خاک بھی
پہنچی نہ ذوق اس کے بہ آغوشِ نقشِ پا

www.urduchannel.in

اِس دن سے جُرأت زیادہ ہوئی اور بے اصلاح مشاعرہ میں غزل پڑھنے لگے۔ اب کلام کا چرچا زیادہ تر ہُوا۔ طبیعت کی شوخی اور شعر کی گرمی سننے والوں کے دلوں میں اثر برقی کی طرح دوڑنے لگی۔ اس زمانہ کے لوگ منصف ہوتے تھے۔ بزرگانِ پاک طینت جو اساتذۂ سلف کی یادگار باقی تھے۔ مشاعرہ میں دیکھتے تو شفقت سے تعریفیں کرکے دل بڑھاتے۔ بلکہ غزل پڑھنے کے بعد آتے تو دوبارہ پڑھوا کر سُنتے۔ غزلیں اربابِ نشاط کی زبانوں سے نکلکر کوچہ و بازار میں رنگ اُڑانے لگیں۔

قلعہ میں کس تقریب سے پہنچے۔

اکبر شاہ بادشاہ تھے۔ اُنہیں تو شعر سے کچھ رغبت نہ تھی۔ مگر مرزا ابوظفر ولیعہد کہ بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے۔ شعر کے عاشق شیدا تھے۔ اور ظفر تخلص سے ملک شہرت کو تسخیر کیا تھا۔ اس لئے دربارِ شاہی میں جو جو کہنہ مشق شاعر تھے۔ مثلاً حکیم ثناء اللہ خان فراق۔ میر غالب علیخان سید۔ عبدالرحمٰن خان احسان۔ برہان الدین خان زار۔ حکیم قدرت اللہ خان قاسم۔ ان کے صاحبزادے حکیم عزت اللہ خان عشق۔ میاں شکیبا شاگردِ میر تقی مرحوم مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا۔ میر قمرالدین منت۔ ان کے صاحبزادے میر نظام الدین ممنون وغیرہ سب شاعر میں آکر جمع ہوتے تھے۔ اپنے اپنے کلام سُناتے تھے۔ مطلع اور مصرع جلسہ میں ڈالتے تھے۔ ہر شخص مطلع پر مطلع کہتا تھا۔ مصرع پر مصرع لگاکر طبع آزمائی کرتا تھا۔ میر کاظم حسین بیقرار کہ ولیعہد موصوف کے ملازم خاص تھے۔ اکثر ان صحبتوں میں شامل ہوتے تھے۔ شیخ مرحوم کو خیال ہُوا کہ اس جلسہ میں طبع آزمائی ہُوا کرے تو قوتِ فکر کو خوب بلند پروازی ہو۔ لیکن اُس عہد میں کسی امیر کی ضمانت کے بعد بادشاہی اجازت ہُوا کرتی تھی جب کوئی قلعہ میں جانے پاتا تھا چنانچہ میر کاظم حسین کی وساطت سے یہ قلعہ میں پہنچے۔ اور اکثر دربار ولیعہدی میں جانے لگے۔

قدرتی سامان

شاہ نصیر مرحوم کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے۔ دکن چلے گئے۔ میر کاظم حسین انکی غزل بنانے لگے۔ انہیں دنوں میں جان الفنسٹن صاحب شکارپور سندھ وغیرہ سرحدات سے لیکر کابل تک عہدنامے کرنے کو چلے۔ اُنہیں ایک میر منشی کی ضرورت ہوئی کہ قابلیت

www.urduchannel.in

وعلمیت کے ساتھ اِمارتِ خاندانی کا جوہر بھی رکھتا ہو۔ یہ کاظم حسین نے اس عہدہ پر سفارش کے لئے ولیعہد سے شُقّہ چاہا۔ مرزا مغل بیگ۔ ان دنوں میں ان کے مختار کل تھے اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ جس پر ولیعہد کی زیادہ نظر عنایت ہو اسے کسی طرح سامنے سے سرکاتے رہیں۔ اس تدبیر تیج سے میر کاظم حسین کو شُقّہ سفارش آسان حاصل ہو گیا اور وہ چلے گئے۔

ولیعہد شاگرد ہوتے ہیں

چند روز کے بعد ایک دن شیخ مرحوم جو ولیعہد کے ہاں گئے تو دیکھا کہ تیراندازی کی مشق کر رہے ہیں اُنہیں دیکھتے ہی شکایت کرنے لگے کہ میاں ابراہیم! اُستاد تو دکن گئے میر کاظم حسین ادھر چلے گئے تم نے بھی ہمیں چھوڑ دیا؟ غرض اسی وقت ایک غزل جیب سے نکال کر دی کہ ذرا اسے تو بنا دو! یہ وہیں بیٹھ گئے اور غزل بنا کر سنائی۔ ولیعہد بہادر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بھئی کبھی کبھی تم آ کر ہماری غزل بنا جایا کرو۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ ممتاز محل کی خاطر سے اکبر شاہ کبھی مرزا سلیم کبھی مرزا جہانگیر وغیرہ شاہزادوں کی ولیعہدی کے لئے کوششیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مرزا ابوظفر میرے بیٹے ہی نہیں۔ مقدمہ اسکا گورنمنٹ میں دائر تھا۔ اور ولیعہد کو بجائے ۵ ہزار روپیہ کے فقط ۵ سو روپے مہینا ملتا تھا۔ غرض چند روز اصلاح جاری رہی اور آخر کو سرکار ولیعہدی سے للعہ مہینا بھی ہو گیا۔ اُس وقت لوگوں کے دلوں میں بادشاہ کا رعب داب کچھ اور تھا۔ چنانچہ کچھ ولیعہدی کے مقدمہ پر خیال کر کے کچھ تنخواہ کی کمی پر نظر کر کے باپ نے اکلوتے بیٹے کو اس نوکری سے روکا۔ لیکن ادھر تو شاعروں کے جمگھٹ کی دل لگی نے ادھر کھینچا اُدھر قسمت نے آواز دی کہ للعہ نہ سمجھنا یہ ایوان ملک الشعرائی کے چار ستون قائم ہوتے ہیں۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ چنانچہ شیخ مرحوم ولیعہد کے اُستاد ہو گئے۔

نواب الٰہی بخش خاں اصلاح لیتے ہیں

دلّی میں نواب الٰہی بخش خاں[۲۵] معروف ایک عالی خاندان امیر تھے۔ علوم ضروری سے

---

۲۵ بخارا میں خواجہ عبد الرحمٰن یسوی ایک بس عالی خاندان۔ خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے۔ اتفاق زمانہ سے وطن چھوڑ کر بلخ میں گئے۔ اور یہیں خانہ دار ہوئے۔ خدا نے تین فرزند رشید عطا کئے

www.urduchannel.in

باخبر تھے۔ اور شاعری کے کہنہ مشاق۔ مگر اس فن سے ایسا عشق رکھتے تھے کہ فنافی الشعر کا مرتبہ اسی کو کہتے ہیں۔ چونکہ لطف کلام کے عاشق تھے اس لئے جہاں متاع نیک دیکھتے تھے نہ چھوڑتے تھے۔ زمانہ کی دراز دستی نے سات شاعروں کی نظر سے ان کا کلام گذرانا تھا چنانچہ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتے رہے اور سید علی خان غمگین۔ وغیرہ وغیرہ استادوں سے بھی مشورہ ہوتا رہا۔ جب شیخ مرحوم کا شہرہ ہوا تو انہیں بھی اشتیاق ہوا یہ موقع وہ تھا کہ نواب موصوف نے اہل فقر کی برکت صحبت سے ترک دنیا کر کے گھر سے نکلنا

(بقیہ صفحہ ۴۲۶) قاسم جان۔ عالم جان۔ عارف جان۔ جوانوں کی ہمت مردانہ نے گھر میں بیٹھنا گوارا نہ کیا ایک جمعیت سوار و پیادہ ترکان اذبک وغیرہ کی لیکر ہندوستان میں آئے۔ پنجاب میں معین الملک عرف میر منو خلف نواب قمرالدین خان وزیر محمد شاہی حاکم تھے۔ ان رئیس زادوں کو اپنی رفاقت میں لیا۔ خاک پنجاب میں سکھوں کی قوم سبزۂ خودرو کی طرح جوش مار رہی تھی۔ ان کے زمانے میں انکی ترک تازنے ہمت کے گھوڑے دوڑا کر نام پیدا کیا۔ چند روز میں میر منو مر گئے۔ بادشاہی زور کو سکھوں نے دبانا شروع کیا انہوں نے امرائے بادشاہی کی نااہلی اور بے لیاقتی سے دل شکستہ ہو کر دربار کا رخ کیا۔ وقت وہ تھا کہ شاہ عالم بادشاہ تھے اور میرن کے مقابلہ پر بنگالہ میں فوج لئے پڑے تھے یہ بھی وہیں پہنچے۔ اور دلاوری کے ساتھ ایسی جانفشانی دکھائی۔ کہ نواب قاسم جان کو ہفت ہزاری منصب اور شرف الدولہ سہراے جنگ خطاب عطا ہوا۔ جب بادشاہ وہاں سے پھرے تو تینوں بھائی دلی میں آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ لڑائیوں میں ہمیشہ اپنی ہمت کیساتھ ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان سپہ سالار کے لئے قوت بازو رہے۔ نواب عارف جان دیہات جاگیر وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ انہوں نے وفات میں بھی اپنے برادر ارجمند نواب قاسم جان کا ساتھ دیا۔ اور چار بیٹے چھوڑے۔ نبی بخش خان۔ احمد بخش خان۔ محمد علیخان الٰہی بخش خان۔ نواب احمد بخش خان۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ والی الور کی طرف سے معتمد اور وکیل ہو کر لارڈ لیک صاحب بہادر کے ساتھ ہندوستان کی مہمات میں شامل رہے۔ اور اپنی ذات سے بھی رسالہ رکھکر خدمات گورنمنٹ بجا لاتے رہے۔ اس کے صلہ میں فیروز پور جھرکہ وغیرہ جاگیر سرکار سے عنایت ہوئی۔ اور دربار شاہی سے خطاب فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ بوسیلہ رزیڈنٹ دہلی

www.urduchannel.in

بھی چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ اُستاد مرحوم فرماتے تھے کہ میری ۱۹ - ۲۰ برس کی عمر تھی۔ گھر کے قریب ایک قدیمی مسجد تھی ظہر کے بعد وہاں بیٹھکر میں وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ ایک چوبدار آیا اس نے سلام کیا اور کچھ چیز رومال میں لپٹی ہوئی میرے سامنے رکھکر الگ بیٹھ گیا۔ وظیفہ سے فارغ ہوکر اسے دیکھا تو اس میں ایک خوشہ انگور کا تھا۔ ساتھ ہی چوبدار نے کہا کہ نواب صاحب نے دعا فرمائی ہے۔ یہ تبرک بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کا کلام تو پہنچا ہے۔ مگر آپ کی زبان سے سُننے کو جی چاہتا ہے۔ شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تیسرے دن تشریف لے گئے۔ وہ بہت اخلاق سے ملے اور بعد گفتگوئے معمولی کے شعر کی فرمایش کی۔ اُنہوں نے ایک غزل کہنی شروع کی تھی۔ اس کا مطلع پڑھا:

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی ۔۔۔ چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

سُنکر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ خیر حال تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ مگر تمہاری زبان سے

(بقیہ صفحہ ۴۲۶) عطا ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے نواب شمس الدین خان جانشین ہوئے۔ مگر زمانہ نے اس کا ورق اس طرح الٹا کہ نام و نشان تک نہ رہا۔ فخرالدولہ مرحوم نواب امین الدین خان و نواب ضیاءالدین خان کو جدا جاگیر دے گئے تھے۔ کہ لوہارو مشہور ہے۔ نواب امین الدین خان مسند نشین ریاست رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے نواب علاءالدین خان مسند نشین ہوئے کہ علوم مشرقی کیساتھ زبان انگریزی میں مہارت کامل رکھتے ہیں۔ علائی تخلص کرتے ہیں اور غالب مرحوم کے شاگرد ہیں۔ نواب ضیاءالدین خان بہادر کو علوم ضروری سے فارغ ہو کر فن شعر اور مطالعہ کتاب کا ایسا شوق ہوا کہ دنیا کی کوئی دولت اور لذت نظر میں نہ آئی۔ اب تک اسی میں محو ہیں۔ غالب مرحوم کے شاگرد ہیں۔ فارسی میں نیّر تخلص کرتے ہیں۔ احباب کی فرمایش سے کبھی اردو میں بھی کہہ دیتے ہیں اور اسمیں رخشاں تخلص کرتے ہیں۔ فقیر آزاد کے حال پر شفقت بزرگانہ فرماتے ہیں۔ خدا دونوں کے دامن کمال کا سایہ اہل دہلی کے سر پر رکھے۔ انہی لوگوں سے دلّی۔ دلّی ہے۔ ورنہ اینٹ پتھر میں کیا دھرا ہے۔

ہم تبرک ہیں بس اب کریے زیارت مجنوں ۔۔۔ سر پہ پھرتا ہے لئے آبلۂ پا ہم کو

www.urduchannel.in

سُن کر اور لطف حاصل ہؤا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ عجیب اتفاق یہ کہ حافظ[۲۵] غلام رسول شوق یعنے استاد مرحوم کے قدیمی اُستاد اسی وقت آنکلے۔ نواب انہیں دیکھکر مسکرائے اور شیخ مرحوم نے اسی طرح سلام کیا کہ جو سعادتمند شاگردوں کا فرض ہے۔ وہ ان سے خفا رہتے تھے کہ شاگرد میرا اور مجھے غزل نہیں دکھاتا۔ اور مشاعروں میں میرے ساتھ نہیں چلتا۔ غرض انہوں نے اپنے شعر پڑھنے شروع کر دیئے۔ شیخ مرحوم نے وہاں ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا اور رخصت چاہی۔ چونکہ نواب مرحوم کے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ نواب نے چپکے سے کہا۔ کان بدمزہ ہوگئے کوئی شعر اپنا سناتے جاؤ۔ اُستاد مرحوم نے اُنہی دنوں میں ایک غزل کہی تھی۔ دو مطلع اس کے پڑھے۔

استاد کا ادب

جینا نظر اپنا ہمیں اصلا نہیں آتا	گر آج بھی وہ رشکِ مسیحا نہیں آتا
مذکور ترے بزم میں کس کا نہیں آتا	پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

اس دن سے معمول ہوگیا کہ ہفتہ میں دو دن جایا کرتے اور غزل بنا آیا کرتے تھے چنانچہ جو دیوان معروف اب رائج ہے وہ تمام وکمال انہی کا اصلاح کیا ہوا ہے۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے خود کاوش کرکے مضمون کو لفظوں میں بٹھا نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کے حقائق و دقائق کو ایسا پہنچتے تھے کہ حق ہے۔ اُس عالم میں استاد مرحوم کی جوان طبیعت اور ذہن کی کاوش ان کی فرمائش کے نکتے نکتے کا حق ادا کرتی تھی۔ شیخ مرحوم کہا کرتے تھے کہ اگرچہ بڑی بڑی کاہشیں اٹھانی پڑیں مگر ان کی غزل بنانے میں ہم آپ بن گئے۔

نواب آلہی بخش خان معروف فن شعر کے ماہر کامل تھے

[۲۵] حافظ غلام رسول کے سامنے ہی شیخ مرحوم کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہؤا کہ وہ گلی میں ٹہل رہے تھے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ حافظ غلام رسول صاحب سامنے سے آگئے۔ شیخ مرحوم نے اسی آداب سے جس طرح بچپن میں سلام کرتے تھے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ مگر اس تُرش روئی سے کہ گویا سو شیشے سرکے کے بہا دیئے۔ جب وہ بازار میں نکلتے تو لوگ آپس میں اشارے کرکے دکھاتے کہ دیکھو میاں وہ استاد ذوق کے استاد جاتے ہیں۔

www.urduchannel.in

فرماتے تھے کہ اپنی مدتِ شوق میں وہ بھی کبھی جرأت کبھی سودا کبھی میر کے انداز میں غزلیں لکھتے رہے مگر اخیر میں کچھ بمقتضائے سن یہ کچھ اس سبب سے کہ صاحبِ دل اور صاحبِ نسبت تھے۔ خواجہ میر درد کی طرز میں آگئے تھے۔ یہ بھی آپ ہی کہتے تھے کہ اُن دنوں میں ہمارا عالم ہی اور تھا۔ جوانی دوانی۔ ہم کبھی جرأت کے رنگ میں۔ کبھی سودا کے انداز میں اور وہ روکتے تھے۔ آج الٰہی بخش خان مرحوم ہوتے تو ہم کہکر دکھاتے۔ اب ان کا دیوان ویسا ہی بنا دیتے جیسا ان کا جی چاہتا تھا۔ ان کی باتیں کرتے اور بار بار افسوس کرتے اور کہتے ہائے الٰہی بخش خاں۔ ان کا نام ادب سے لیتے تھے۔ اور اس طرح ذکر کرتے تھے جیسے کوئی باعتقاد اپنے مُرشد کا ذکر کرتا ہے۔ ان کی سینکڑوں باتیں بیان کیا کرتے تھے جو دین دنیا کے کاموں کا دستور العمل ہیں۔

الٰہی بخش خان مرحوم کی سخاوت

یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا سخی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ جو آتا تھا۔ امیر۔ فقیر۔ بچہ۔ بوڑھا اسے بغیر دیئے نہ رہتے تھے اور دینا بھی وہی کہ جو اس کے مناسبِ حال ہو۔ کوئی سوداگر نہ تھا کہ آئے اور خالی پھر جائے۔ انہیں اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ ہماری غزل ہمارے پاس بیٹھکر بناتے جاؤ سناتے جاؤ۔ میں نے اس باب میں پہلو بچایا تھا مگر ان کی خوشی اسی میں دیکھی تو مجبور ہوا اور یہی خوب ہوا۔ ایک دن میں ان کی غزل بنا رہا تھا۔ اس کا مقطع تھا۔

اک غزل پُر درد سی معروف لکھ اس طرح میں
ذوق ہے دل کو نہایت درد کے اشعار سے

کون روتا ہے یہ لگ کر باغ کی دیوار سے
جانور گرنے لگے جائے ثمر اشجار سے

تلوار کی قدردانی

سوداگر آیا اور اپنی چیزیں دکھانے لگا۔ ان میں ایک اصفہانی تلوار بھی تھی۔ وہ پسند آئی۔ خم دم۔ آبداری اور جوہر دیکھکر تعریف کی اور میری طرف دیکھکر کہا ع اس ضعیفی میں یہاں تک شوق ہے تلوار سے۔ میں نے اسی وقت دوسرا مصرع لگا کر داخلِ غزل کیا۔ بہت خوش ہوئے۔

سر لگا دیں ابروئے خمدار کی قیمت میں آج
اس ضعیفی میں یہاں تک شوق ہے تلوار سے

خیر اور چیزوں کے ساتھ وہ تلوار بھی لے لی۔ میں حیران ہوا کہ یہ تو ان کے معاملات و حالات سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتی۔ اسے کیا کرینگے۔ خدا کی قدرت ۲-۳ ہی دن کے بعد بڑے صاحب (فریزر صاحب رزیڈنٹ دہلی) ایک اور صاحب کو اپنے ساتھ لیکر نواب احمد بخش خان مرحوم کی ملاقات کو آئے۔ وہاں سے ان کے پاس آئے۔ بیٹھے۔ باتیں چیتیں ہوئیں۔ جو صاحب ساتھ تھے ان سے ملاقات کروائی۔ جب چلنے لگے تو انہوں نے وہی تلوار منگا کر صاحب ہمراہی کی کمر سے بندھوائی اور کہا۔

برگ سبز است تحفۂ درویش | چہ کند بے نوا ہمیں دارد

ان کے ساتھ میم صاحب بھی تھیں۔ ایک ارگن باجا نہایت عمدہ کسی رومی سوداگر سے لیا تھا وہ انہیں دیا۔

تسبیح زمرد

ان کے اشعار کا ایک سلسلہ ہے جسمیں ردیف وار ا۔ ا مطلع ہے اور کوئی سبزی کے مضمون سے خالی نہیں۔ اسی رعایت سے اس کا نام تسبیح زمرد رکھا تھا۔ یہ تسبیح بھی استاد مرحوم نے پروئی تھی۔ اور آخر میں ایک تاریخ فارسی زبان میں اپنے نام سے کہکر لگائی تھی جن دنوں اس کے دانے پروتے تھے تو نواب صاحب مرحوم کی سب پر فرمایش تھی کہ کوئی مثل۔ کوئی محاورہ سبزی کا بتاؤ۔ ان کے بذل و کرم اور حسن اخلاق اور علو رتبہ کے سبب سے اکثر شرفا خصوصاً شعرا آکر جمع ہوتے تھے۔ اور اشعار سنتے سناتے تھے۔ ان دنوں میں ان کے شوق سے اوروں پر بھی سبز رنگ چھایا ہوا تھا۔ بھوریخان آشفتہ ایک پرانے شاعر شاہ محمدی مائل کے شاگرد اور ان کے مرید تھے۔ صدر وظیفہ بھی پاتے تھے۔ ان کے شعر میں ہری چگ[1] کا لفظ آیا۔ کہ ان کے ہاں ابھی تک بندھا تھا۔ ان سے وہ شعر لے لیا اور اپنے انداز سے سجایا۔

آج یہاں کل وہاں۔ گذرے یونہی جگ ہیں | کہتے ہیں سب سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہیں

[1] ہری چگ بیوفا ہرجائی کو کہتے ہیں۔ گویا وہ ایک جانور ہے کہ جہاں ہری گھاس پاتا ہے چرتا ہے جب وہ نہ رہے تو جہاں اور ہری گھاس دیکھتا ہے وہاں جا موجود ہوتا ہے۔

www.urduchannel.in

انہیں سو روپے ایک تہ مال میں باندھکر دیدیئے کہ تمہاری کاوش کیوں خالی جائے افسوس کہ اخیر میں کم بخت بھوریخان نے روسیاہی کمائی اور سب تعلقات پر خاک ڈالکر انکی ہجو کہی

بھوریخان کی سیہ کاری

لطف یہ کہ دریا دل نواب طبیعت پر اصلا میل نہ لائے۔ لیکن اس نا اہل کو ان کا آزردہ ہی کرنا منظور تھا جب دیکھا کہ انہیں کچھ رنج نہیں تو نواب حسام الدین حیدر خانِ نامی کی ہجو کہی۔ نامی مرحوم سے انہیں ایسی محبت تھی کہ وہ خود بھی کہتے تھے اور لوگ بھی کہتے تھے کہ ان دونوں بزرگوں میں محبت نہیں عشق ہے (اگلے زمانہ کے لوگوں کی دوستیاں ایسی ہی ہوتی تھیں) ان کی تعریف میں غزلیں کہکر داخل دیوان کی تھیں۔ ایک مطلع یاد ہے۔

جو تم آؤ میرے مہماں حسام الدین حیدرخان
کروں دل نذر جاں قرباں حسام الدین حیدرخان

جب انکی ہجو کہی تو انہیں سخت رنج ہوا۔ اس پر بھی اتنا کیا کہ کہا ہمارے سامنے نہ آیا کرو۔ وہ بھی سمجھ گیا۔ عذر میں کہا کہ لوگ ناحق بدنام کرتے ہیں۔ میں نے تو نہیں کہی۔ کہا کہ بس اب آگے نہ بولو۔ اتنی مدت ہم نے زمینِ سخن کی خاک اُڑائی۔ کیا تمہاری زبان بھی نہیں پہچانتے؟ میں تو اس سے بدتر ہوں جو کچھ کہ تم نے کہا۔ مگر میرے لئے تم میرے دوستوں کو خراب کرنے لگے۔ بھئی مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پھر جیتے جی بھوریخان کی صورت نہ دیکھی۔ اُستاد مرحوم فرماتے تھے کہ دالان میں ایک طرف جانماز بچھی رہتی تھی جب میں رخصت ہوتا تو آٹھویں

سخاوت کا انداز تو دیکھو

دسویں دن فرماتے۔ بھئی میاں ابراہیم! ذرا ہماری جانماز کے نیچے دیکھنا۔ پہلے دن تو میں دیکھکر حیران ہوا کہ ایک پڑیا میں کچھ روپے دھرے تھے۔ آپنے سامنے سے مُسکرا کر فرمایا
ع۔ خدا دیوے تو بندہ کیوں نہ لیوے۔ اسمیں لطیفہ یہ تھا کہ ہم کس قابل ہیں جو کچھ دیں۔ جس سے ہم مانگتے ہیں۔ یہ وہی تمہیں دیتا ہے۔

حقہ اسطرح پلواتے ہیں

ایک دفعہ اُستاد بیمار ہوئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد گئے۔ ضعف تھا۔ اور کچھ کچھ شکایتیں باقی تھیں۔ فرمایا کہ حقہ پیا کرو۔ عرض کی کہ بہت خوب۔ اب وہ حقہ پلوائیں۔ تو خالی حقہ کیا پلوائیں۔ ایک چاندی کی گڑگڑی۔ چلم اور چنبل۔ مغرق نیچہ۔ مرصع مہنال تیار کروا کر سامنے رکھوا دیا +

www.urduchannel.in

بچہ بھی خالی نہ جائے

خلیفہ صاحب (میاں محمد اسمٰعیل) چھوٹے سے تھے۔ ایک دن اُستاد کے ساتھ چلے گئے۔ رخصت ہوئے تو ایک چھوٹا سا ٹانگن اصطبل سے منگایا۔ زین زرّین کسا ہُوا۔ اس پر سوار کر کے رخصت کیا۔ کہ یہ بچہ ہے۔ کیا جانے گا کہ میں کسکے پاس گیا تھا۔

کسی کھانے کو جی چاہتا تو آپ نہ کھاتے۔ بہت سا پکواتے۔ لوگوں کو بُلا تے آپ کھڑے رہتے۔ اُنہیں کھلواتے۔ خوش ہوتے اور کہتے کہ دل سیر ہو گیا۔ یہ ساری سخاوتیں اُسی سعادتمند بھائی کی بدولت تھیں جو دن بھر سرانجام مہام میں جان کھپاتا تھا۔ راتوں سوچ میں گھُلتا تھا۔ اور خاندان کے نام کو زندہ کرتا تھا۔ اور ان سے فقط دعا کی التجا رکھتا تھا۔

بھائی کیساتھ لطیفہ آزادانہ

اُستاد مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دن میں بیٹھا غزل بنا رہا ہوں کہ نواب احمد بخش خان آئے آداب معمولی کے بعد باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ فلان انگریز کی ضیافت کی اتنا روپیہ میں صرف ہُوا۔ فلانی گھُڑ دوڑ میں ایک چائے پانی دیا تھا۔ یہ خرچ ہو گیا۔ وہ صاحب آئے تھے اصطبل کی سیر دکھائی۔ کاٹھیاواڑ کے گھوڑوں کی جوڑی کھڑی تھی۔ انہوں نے تعریف کی مینے بگّی میں جڑوائے۔ اور اسی پر سوار کر کے انہیں رخصت کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا کروں خالی ملنا۔ خالی رخصت کرنا۔ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یہاں کے امیروں کو امارت کے بڑے بڑے دعوے ہیں (جس طرح بچے بزرگوں سے بگڑ بگڑ کر باتیں کرتے ہیں۔ چین بہ جبین ہوتے تھے اور کہتے تھے) فیل خانہ میں گیا تھا وہاں یہ بندوبست کر آیا ہوں۔ گھوڑیاں آج سب علاقہ بھجوا دیں حضرت کیا کروں۔ شہر میں اس گلّہ کا گذارہ نہیں۔ یہ لوگ اس خرچ کا بوجھ اٹھائیں تو چھاتی نرق جائے۔ الٰہی بخش خان مرحوم بھی ادا شناسی میں کمال ہی رکھتے تھے۔ تاڑ گئے۔ چپکے بیٹھے سُنتے تھے۔ اور مُسکراتے تھے۔ جب ان کی زبان سے نکلا کہ۔ چھاتی نرق جائے۔ آپ مُسکرا کر بولے۔ بال تو آپکی چھاتی میں بھی آیا ہو گا۔ شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ آخر امیر زادے ہو۔ خاندان کا نام ہے۔ یہی کرتے ہیں مگر اس طرح نہیں کہا کرتے۔ نواب احمد بخش خان نے کہا۔ حضرت پھر آپ سے بھی نہ کہوں؟ فرمایا خدا سے کہو۔ وہ بولے کہ مجھے آپ دکھائی دیتے ہیں آپ ہی سے کہتا ہوں

آپ خدا کے لئے کہئے۔ فرمایا کہ اچھا ہم تم مل کر کہیں۔ تمہیں بھی کہنا چاہئے۔ نواب احمد بخش خان بھی جانتے تھے۔ کہ جو سخاوت ادھر ہوتی ہے عین بجا ہے۔ اور اسی کی ساری برکت ہے۔

فقیرانہ تصرف

ایک دن نواب احمد بخش خان آئے۔ لیکن افسردہ اور برآشفتہ۔ الٰہی بخش خان مرحوم سمجھ جاتے تھے کہ کچھ نہ کچھ آج ہے جو اس طرح آئے ہیں۔ پوچھا۔ آج کچھ خفا ہو؟ کہا کہ نہیں حضرت۔ فیروز پور جھرکے جاتا ہوں۔ پوچھا کیوں؟ کہا کہ بڑے صاحب (صاحب ریذیڈنٹ) نے حکم دیا ہے کہ جس کو ملنا ہو بدھ کو ملاقات کرے۔ حضرت آپ جانتے ہیں مجھے ہفتہ میں ۱۰ دفعہ کام پڑتے ہیں۔ جب جی چاہا گیا۔ جو ضرورت ہوئی۔ کہہ سن آیا۔ مجھ سے یہ پابندیاں نہیں اٹھتیں۔ میں یہاں رہتا ہی نہیں۔ فرمایا کہ تم سے کہا ہے؟ کہا کہ مجھ سے تو نہیں کہا۔ سُنا ہے بعض رؤسا گئے بھی تھے۔ ان سے ملاقات نہ کی۔ یہی کہلا بھیجا کہ بدھ کو ملئے۔ فرمایا کہ تمہارے واسطے نہیں۔ اوروں کے لئے ہوگا۔ احمد بخش خان نے کہا کہ نہیں حضرت یہ اہل فرنگ ہیں۔ ان کا قانون عام ہوتا ہے۔ جو سب کے لئے ہے۔ وہی میرے لئے ہوگا۔ فرمایا کہ بھلا تو جاؤ۔ تم ابھی جاؤ۔ دیکھو تو کیا ہوتا ہے انہوں نے کہا۔ بہت خوب جاؤں گا۔ فرمایا کہ جاؤں گا نہیں۔ اُٹھئے بس ابھی جائیے نواب نے کہا کہ نہیں میں نے عرض کیا۔ ضرور جاؤں گا۔ بگڑ کر بولے کہ عرض فرض نہیں بس شرط یہ ہے کہ اسی وقت جائیے۔ اور سیدھے وہیں جائیے گا۔ احمد بخش خان بھی انداز دیکھ کر خاموش ہوئے اور اُٹھ کر چلے۔ انہوں نے پھر فرمایا کہ وہیں جانا۔ اور مجھے پریشان تو کیا ہے ذرا پھرتے ہوئے ادھر ہی کو آنا۔ اُستاد کہتے تھے کہ وہ تو گئے مگر میں جو دیکھتا ہوں کہ چُپ اور چہرہ پر اضطراب۔ کوئی دو ہی گھڑی ہوئی تھی۔ ابھی میں بیٹھا غزل بنا رہا ہوں کہ دیکھتا ہوں۔ نواب سامنے سے چلے آتے ہیں۔ خوش خوش۔ لبوں پہ تبسم۔ آکر سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا کیوں صاحب؟ نواب بولے گیا تھا وہ اطلاع ہوتے ہی خود نکل آئے۔ اور پوچھا کہیں نواب! اس وقت خلاف عادت؟ میں نے کہا ابھی میں نے سنا تم نے حکم دیا ہے کہ جو ہم سے ملے بدھ کو ملے ابھی میں نے تقریر تمام بھی نہ کی تھی کہ وہ بولے نہیں نہیں

نواب صاحب! آپکے واسطے یہ حکم نہیں۔ آپ ان لوگوں میں نہیں ہیں۔ آپ جسوقت چاہیں چلے آئیں۔ میں نے کہا۔ بھائی تم جانتے ہو۔ ریاست کے جھگڑے۔ میں خفقانی دیوانہ۔ کوئی بات کہنی ہے۔ کوئی سُنی ہے بس میرے کام تو بند ہوئے۔ بھائی میں تو رخصت کو آیا تھا کہ فیروز پور چلا جاؤں گا۔ اب یہاں رہ کر کیا کروں۔ انہوں نے پھر وہی کلمات ادا کئے اور کہا۔ دن رات دن رات جب جی چاہے۔ میں نے کہا۔ خیر تو خاطر جمع ہو گئی۔ اب میں جاتا ہوں۔ الٰہی بخش خان مرحوم بھی شگفتہ ہو گئے اور کہا بس اب جائیے آرام کیجئے۔ **آزاد** جو خدا کے لئے دنیا کو چھوڑ بیٹھتے ہیں خدا بھی اُنہیں نہیں چھوڑتا۔

جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے

ساتھ ہی اُستاد مرحوم یہ بھی کہتے تھے اور یہ بات لکھنے کے قابل ہے کہ زبان سے الٰہی بخش خان مرحوم نے کبھی نہیں کہا۔ مگر مَیں جانتا ہوں۔ انہیں آرزو تھی کہ علی بخش خاں (ایک ہی بیٹا تھا) بذات خود صاحب منصب اور صاحب امارت ہو چکا کا اور اسکی اولاد کا دست نگر نہو۔ ساز و سامان کرکے ریاستوں میں بھی بھیجا۔ صاحب لوگوں کے ہاں بھی بندوبست کئے۔ ظاہری و باطنی ساری کوششیں کیں۔ یہی بات نصیب نہو ئی مشیتِ الٰہی مشیت اللہ اور وہ خود بھی اخیر میں سمجھ گئے تھے۔ ایک دن انہیں باتوں میں اُستاد نے فرمایا کہ علی بخش خاں بھی خوبصورت اور شاندار امیرزادہ تھا۔ میں نے عرض کی کہ حضرت کئی دفعہ بعض مجلسوں میں۔ بعض دباروں میں مَیں نے دیکھا۔ ایسے تو نہیں۔ افسردہ ہو کر کہا۔ کیا کہتے ہو۔ ذکرِ جوانی اور پیری در ذکر امیری در فقیری۔ کسکو یقین آتا ہے ؟۔

لطیفہ نادرہ

لطیفہ۔ استاد مرحوم نے فرمایا کہ اُن دنوں مرزا خان کوتوال تھے۔ مرزا **قتیل** کے شاگرد فارسی نگاری اور انشاپردازی کیا تھ سخن فہمی کے دعوے رکھتے تھے۔ منشی محمد حسن خاں میر منشی تھے۔ اور فی الحقیقت نہایت خوش صحبت۔ خوش اخلاق بامرّوت لوگ تھے ایکدن دونو صاحب الٰہی بخش خان مرحوم کی ملاقات کو آئے۔ اور تعارفِ رسمی کے بعد شعر کی فرمائش کی۔ انہیں اور لوگوں کی طرح یہ عادت نہ تھی۔ کہ خواہ مخواہ جو آئے اسے اپنے شعر سنانے لگیں۔ اگر کوئی فرمائش کرتا تھا تو بات کو ٹالکر پہلے اس کا کلام سُن لیتے۔ شائق ہوتا

www.urduchannel.in

تو کہتے کہ کسی اور اُستاد کے دو چار شعر پڑھئے جو آپ کو پسند ہوں جب اسکی طبیعت معلوم کر لیتے تو اسی رنگ کا شعر اپنے اشعار میں سے سُناتے۔ اسی بنیاد پر ان سے کہا کہ آپ دونوں صاحب کچھ کچھ اشعار سنائیے۔ انہوں نے کچھ شعر پڑھے۔ بعد اس کے الٰہی بخش خان مرحوم نے دو تین شعر۔ وہ بھی ان کے اصرار سے پڑھے۔ اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹال گئے۔ جب وہ چلے گئے تو مجھ سے کہنے لگے۔ میاں ابراہیم! تم نے دیکھا؟۔ اور ان کے شعر بھی سُنے؟ عجب مجہول الکیفیت ہیں۔ کچھ حال ہی نہیں کھلتا کہ ہیں کیا؟۔ یہی مرزا خاں اور منشی صاحب ہیں جنکی سخن پردازی اور نکتہ یابی کی اتنی دھوم ہے۔ اور اس پر تماشبینی کے بھی دعوے ہیں! رنڈی تو ان کے مُنہ پر دو جوتیاں بھی نہ مارتی ہوگی۔ بھلا یہ کیا کہینگے اور کیا سمجھینگے؟ **آزاد**۔ ملک سخن اور شاعری کا عالم۔ عالمِ گوناگون ہے۔ ہمہ گیر ذہن۔ اور ہر کیفیت سے لطف اٹھانیوالی طبیعت اس کے لئے لازم ہے۔ الٰہی بخش خان مرحوم صاحبدل۔ پاکیزہ نفس۔ روشن ضمیر تھے۔ مگر ہر بات کو جانتے تھے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ بات کا جاننا اَور چیز ہے اور کرنا اور چیز ہے طبیعتیں ہیں کہ نہیں کرتیں اور سب کچھ جانتی ہیں۔ اور ایسی بھی ہیں کہ سب کچھ کرتی ہیں اور کچھ بھی نہیں جانتیں۔ خوشا نصیب ان لوگوں کے جنہیں خدا اثر پذیر دل۔ اور کیفیت کے پانے والی طبیعت عنایت کرے کہ عجیب دولت ہے۔

شاہ نصیر مرحوم سے سرکار آرائی ہوتی ہے۔

اِدھر ولیعہد بہادر کی فرمایشیں اُدھر نواب مرحوم کی غزلوں پر طبیعت کی آزمایشیں تھیں کہ کئی برس کے بعد **شاہ نصیر** مرحوم دکن سے پھرے اور اپنا معمولی مشاعرہ جاری کیا۔ شیخ علیہ الرحمہ کی مشقیں خوب زوروں پر چڑھ گئی تھیں انہوں نے بھی مشاعرہ میں جاکر غزل پڑھی۔ شاہ صاحب نے دکن میں کسی کی فرمایش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی جسکی ردیف تھی۔ آتش و آب و خاک باد۔ وہ غزل مشاعرہ میں سنائی اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل لکھے اُسے میں اُستاد مانتا ہوں[۲۵]۔ دوسرے مشاعرہ میں انہوں نے اُس پر غزل پڑھی۔ شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود

[۲۵] یہ طنز ہے شیخ مرحوم پر کہ ولیعہد بہادر اور نواب الٰہی بخش خان کی غزل بناتے تھے اور اُستاد کہلاتے تھے۔

www.urduchannel.in

اس پر کچھ اعتراض ہوئے۔ جشن قریب تھا۔ شیخ علیہ الرحمہ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا۔ مگر پہلے مولوی شاہ عبد العزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں۔ انہوں نے سنکر پڑھنے کی اجازت دی مگر ولیعہد بہادر نے اپنے شُقہ کے ساتھ اُسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہی جواب میں لکھدیا اور یہ شعر بھی لکھا۔

بود بگفتۂ من حرفِ اعتراض چناں	کسے بدیدۂ بینا فسرو بر دانگشت

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہوگیا۔ اور دربارِ شاہی میں جاکر قصیدہ سُنایا۔ اس کے بڑے بڑے چرچے ہوئے اور کئی دن کے بعد سُنا کہ اس پر اعتراض لکھے گئے ہیں۔

شیخ مرحوم قصیدہ مذکور کو مشاعرہ میں لے گئے کہ وہاں پڑھیں اور روبرو بسرِ معرکہ فیصلہ ہوجائے چنانچہ قصیدہ پڑھا گیا۔ شاہ نصیر مرحوم نے ایک مستعد طالبعلم کو کہ کتب تحصیلی اسے خوب روان تھیں۔ جلسہ میں پیش کرکے فرمایا کہ انہوں نے اس پر کچھ اعتراض لکھے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ نے عرض کی کہ میں آپ کا شاگرد ہوں اور اپنے تئیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ کے اعتراضوں کے لئے قابل خطاب ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھے کچھ تعلق نہیں۔ انہوں نے کچھ لکھا ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا کہ خیر تحریر تو اسی وقت تک ہے کہ فاصلہ دوری درمیان ہو جب آمنے سامنے موجود ہیں تو تقریر فرمائیے

معرکۂ عجیب

قصیدہ کا مطلع تھا۔

کوہ اور آندھی میں ہوں گر آتش و آب و خاک و باد	آج نہ چل سکینگے پر۔ آتش و آب خاک و باد

معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ میں آتش کے چلنے کا ثبوت چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ جب پہاڑ کو بڑھنے کے سبب سے حرکت ہے تو اسمیں آگ کو بھی حرکت ہوگی۔ معترض نے کہا کہ سنگ میں آتش کا ثبوت چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مشاہدہ! اس نے کہا کہ کتابی سند دو۔ انہوں نے کہا تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ ہوشنگ کے وقت میں آگ نکلی۔ اس نے کہا کہ شاعری میں شعر کی سند درکار ہے۔ تاریخ شعر میں نہیں چلتی۔ حاضرین مشاعرہ ان جواب

www.urduchannel.in

سوال کی الٹ پلٹ کے تماشے دیکھ رہے تھے۔ اور اعتراض پر حیران تھے کہ دفعتہً شیخ علیہ الرحمہ نے یہ شعر حسن تاثیر کا پڑھا۔

پیش از ظہور جلوۂ جانانہ سوختیم	آتش بہ سنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

سنتے ہی مشاعرہ میں غل سے ایک ولولہ پیدا ہوا۔ اور ساتھ ہی سودا کا مصرع گذرانا۔ ع - ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا۔ اسی طرح اور اکثر اشعار پر سوال وجواب ہوئے۔ شاہ صاحب بھی بیچ میں کچھ دخل دیتے جاتے تھے۔ اخیر میں ایک شعر پر انہوں نے یہ اعتراض کیا۔ کہ اسمیں ثبوت روانی کا نہیں ہے۔ شیخ علیہ الرحمہ نے کہا کہ یہاں تغلیب ہے۔ اُسوقت خود شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ تغلیب کہیں آئی نہیں انہوں نے کہا کہ تغلیب کا قاعدہ عام ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک کسی اُستاد کے کلام میں نہ ہو۔ جائز نہیں ہو سکتی۔ شیخ علیہ الرحمہ نے کہا۔ کہ آپ نے ۹ شعر کی غزل پڑھکر فرمایا تھا کہ اس طرح میں کوئی غزل کہے تو ہم اُسے استاد جانیں۔ میں نے تو ایک غزل اور تین قصیدے لکھے اب بھی اُستاد نہ ہوا؟ معترض نے کہا کہ اس وقت مجھ سے اعتراضوں کا پورا سر انجام نہیں ہو سکتا۔ کل پر منحصر رکھنا چاہئے اور جلسہ برخواست ہوا۔

تکمیل علوم کے قدرتی سامان

اسی دن سے انہیں تکمیل علوم اور سیر کتب کا شغل واجب ہوا۔ قدرتی سامان اس کا یہ ہوا کہ راجہ صاحب رام۔ جو املاکِ شاہ اودھ کے مختار تھے۔ انہیں یہ شوق ہوا کہ اپنے بیٹے کو کتبِ علمی کی تحصیل تمام کروائیں۔ مولوی عبد الرزاق کہ شیخ مرحوم کے قدیمی اُستاد تھے۔ وہی ان کے پڑھانے پر مقرر ہوئے۔ اتفاقاً ایک دن یہ بھی مولوی صاحب کے ساتھ گئے۔ چونکہ ان کی تیزی طبع کا شہرہ ہو گیا تھا۔ راجہ صاحب رام نے ان سے کہا کہ میاں ابراہیم اتم ہمیشہ درس میں شریک ہو۔ چنانچہ نوبت یہ ہو گئی کہ اگر یہ کبھی شغل یا ضرورت کے سبب وہاں نہ جاتے۔ تو راجہ صاحب کا آدمی اُنہیں ڈھونڈ کر لاتا۔ اور نہیں تو ان کا سبق بھی ملتوی رہتا۔

www.urduchannel.in

کہا کرتے تھے کہ جب بادشاہ عالم ولیعہدی میں تھے۔ تو مرزا سلیم کے بیاہ کی تہنیت میں ایک **مثنوی** ہمنے لکھی۔ اسکی بحر، مثنوی کی معمولی بحروں سے الگ تھی۔ لوگوں نے چرچا کیا کہ یہ جائز نہیں۔ **میر نجات کی گُلِ کُشتی** ہمنے دیکھی ہوئی تھی۔ مگر حکیم مرزا[۲۵] محمد صاحب رحمہم اللہ زندہ تھے۔ اور میرے والد مرحوم اُنہی کا علاج کرتے تھے وسعتِ معلومات اور حصولِ تحقیقات کی نظر سے ہمنے ان سے جا کر پوچھا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ رواجِ اتفاقی ہے جو مثنوی انہی آٹھ بحروں میں منحصر ہو گئی ہے ورنہ طبع سلیم پر کون حاکم ہے جو روکے۔ جس بحر میں چاہو لکھو۔ اُستاد کے مسودوں میں ایک پرچہ پر چند شعر اس کے نکلے تھے۔ ان میں ساچق کا مضمون تھا۔ دو شعر اب تک یاد ہیں۔

ٹھلیاں تو نہ تھیں وہ مئے عشرت کے سبو تھے	یا قلزمِ مستی کے حباب لبِ جو تھے
لازم تھا کہ لکھ باندھتے یہ اُنکے گلو میں	ہے بند کیا عیش کے دریا کو سبو میں

درباری ہی سے خاقانی ہند خطاب ملا۔ چند سال کے بعد انہوں نے ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار میں کہہ کر سُنایا کہ جس کے مختلف شعروں میں انواع و اقسام کے صنایع و بدایع صرف کئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ایک زبان میں جو ایک ایک شعر تھا۔ ان کی تعداد ۱۸ تھی مطلع اس کا یہ ہے۔

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن	آب و ایلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن

اس پر بادشاہ نے **خاقانی ہند** کا خطاب عطا کیا۔ اس وقت شیخ مرحوم کی عمر ۱۹ برس کی تھی۔

[۲۵] حکیم مرزا محمد صاحب علم و فضل کے خاندان سے ایک فاضل کامل اور جامع الکمالات تھے۔ طب میں حکیم شریف خان مرحوم کے شاگرد تھے۔ جو حکیم محمود خان کے دادا تھے۔ حکیم مرزا محمد صاحب خود بھی شاعر تھے اور ان کے والد بھی صاحب علم و فضل شاعر تھے۔ کامل تخلص کرتے تھے۔ اور میر شمس الدین فقیر مصنف حدایق البلاغت کے شاگرد تھے۔ انکا ایک مبسوط رسالہ علم قوافی میں ہمنے دیکھا ہوا ہے انہوں نے تحفۂ اثنا عشریہ کا جواب لکھا تھا جس کے ۴ باب باقی تھے جو دنیا سے انتقال کیا۔ اکثر علما نے کتاب مذکورہ کے جواب لکھے ہیں۔ مگر جس متانت اور جامعیت اور اختصار کیساتھ انہوں نے لکھا ہے کسی نے نہیں لکھا۔

حافظ احمد یار[۲۵] نے چند روز پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہے بہت سے لوگ گرد جمع ہیں۔ وہاں حافظ عبد الرحیم کہ حافظ احمد یار کے والد تھے۔ ایک کھیر کا پیالہ لئے کھڑے ہیں۔ اور شیخ علیہ الرحمہ کو اسمیں سے چمچے بھر بھر کر دیتے جاتے ہیں۔ حافظ موصوف نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا معرکہ ہے۔ اور جنازہ کس کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ مرزا رفیع کا جنازہ ہے اور میاں ابراہیم ان کے قائم مقام مقرر ہوئے ہیں خاقانی ہند کے خطاب پر لوگوں نے بڑے چرچے کئے۔ کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا۔ کہن سال اور نامی شاعروں کے ہوتے ایک نوجوان کو ملک الشعرا بنایا اور ایسا عالی درجہ کا خطاب دیا! ایک جلسہ میں یہی گفتگو ہو رہی تھی کسی نے کہا کہ جس قصیدہ پر یہ خطاب ہوا ہے اُسے بھی تو دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ قصیدہ مذکور لاکر پڑھا گیا میر کلّو حقیر کہ شاعر سن رسیدہ اور شعرائے قدیم کے صحبت یافتہ تھے۔ سُنکر بولے کہ بھئی انصاف شرط ہے کلام کو بھی تو دیکھو۔ ایسے شخص کو بادشاہ نے خاقانی ہند کے خطاب سے ملک الشعرا بنایا تو کیا بُرا کیا مجھے یاد ہے جب اُستاد مرحوم نے یہ حال بیان کیا تھا اسوقت بھی کہا تھا اور جب میں ارباب زمانہ کی بے انصافی یا اُن کی بیخبری اور بے بصری سے دق ہو کر کچھ کہتا تو فرماتے تھے کہ بے انصافوں ہی میں سے کوئی با انصاف بھی بول اُٹھتا ہے بے خبروں میں باخبر بھی نکل آتا ہے اپنا کام کئے جاؤ۔ ۲۶ برس کی عمر تھی جبکہ جملہ منہیات سے توبہ کی اور اسکی تاریخ کہی ع اے ذوق بگو سہ بار توبہ۔

توبہ اور توبہ کی تاریخ

مرزا ابوظفر بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے تو انہوں نے پہلے یہ قصیدہ گذرانا

مبارک ہو بادشاہ شاگرد ہوا

روکش ترے رُخ سے ہو کیا نورِ سحر رنگِ شفق	ہے ذرہ تیرا ایر تو اِ نورِ سحر رنگ شفق

اگرچہ مرزا ابوظفر ہمیشہ انہیں دل سے عزیز رکھتے تھے۔ اور دلی رازوں کے لئے مخزن

[۲۵] دیکھو صفحہ ۲۹۹ کہ حافظ احمد یار، سید انشا کے یار ہیں۔ یہ عجب شگفتہ مزاج خوش طبع۔ سخن فہم شخص تھے۔ باوجودیکہ استاد جوان تھے وہ بڈھے تھے۔ مگر یاروں کی طرح ملتے تھے۔ حافظ مرحوم انہی مولوی صاحب کے داماد تھے۔ جنہوں نے حلت زاغ کا فتویٰ دیا تھا۔ اور سودا نے انکی ہجو کہی تھی۔ ترجیع بند مخمس میں ع ایک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے۔

www.urduchannel.in

اعتبار سمجھتے تھے۔ مگر ولیعہدی میں مرزا مغل بیگ مختار تھے۔ جب کبھی بڑی سے بڑی ترقی یا انعام کے موقع آئے تو استاد کے لئے یہ ہوا کہ للعہ مہینے سے صہ ہوگئے صہ سے معہ روپے ہوگئے۔ جب بادشاہ ہوئے۔ اور مرزا مغل بیگ وزیر ہوئے تو وزیر شاہی کا سارا کنبہ قلعہ میں بھر گیا مگر استاد شاہی کو سے مہینا! پھر بھی انہوں نے حضور میں اپنی زبان سے ترقی کے لئے عرض نہیں کی۔ انکی عادت تھی کہ فکر سخن میں ٹہلا کرتے تھے اور شعر موزون کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان دنوں میں جب کوئی عالی مضمون چستی اور درستی کیساتھ موزون ہوتا تو اسکے سرور میں آسمان کیطرف دیکھتے اور کہتے پھرتے۔

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

میاں عبدالعزیز خانصاحب ایک مرد بزرگ صاحب نسبت فقیر تھے۔ شیخ مرحوم بھی ان سے بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ اس عالم میں ایکدن انکے پاس گئے۔ اور کہا کہ تخت نشینی سے پہلے حضور کے بڑے بڑے وعدے تھے۔ لیکن اب یہ عالم ہے کہ الف کے نام ب نہیں جانتے۔ زبان تک درست نہیں۔ مگر جو کچھ ہیں مرزا مغل بیگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خدائی کے کارخانے میں اگرچہ عقل ظاہربین کام نہیں کرتی مگر یہ دیکھو کہ جو دولت تم کو دی ہے وہ اسکو بھی تو نہیں دی ہے۔ جس دعوے سے تم دربار میں کھڑے ہوکر اپنا کلام پڑھتے ہو۔ اس دعوے سے وہ اپنی وزارت کے مقام پر کب کھڑا ہو سکتا ہوگا۔ ادنیٰ ادنیٰ منشی متصدی اس کے لکھتے پڑھتے ہونگے۔ وہ کیسا ترستا ہوگا کہ نہ ان کے لکھے کو سمجھ سکتا ہے۔ نہ ان کا جھوٹ سچ معلوم کر سکتا ہے۔ شیخ مرحوم نے ان کی ہدایت کو تسلیم کیا اور پھر کبھی شکایت نہ کی۔

چند روز کے بعد مرزا مغل بیگ کی ترکی تمام ہوگئی۔ تمام کنبہ قلعہ سے نکالا گیا۔ نواب حامد علیخان مرحوم مختار ہوگئے۔ جب استاد شاہی کا سو روپیہ مہینا ہوا۔ ہمیشہ عیدوں اور نوروزوں کے جشنوں میں قصیدے مبارکباد کے پڑھتے تھے اور خلعت سے اعزاز پاتے تھے۔

ت ۱ فراشخانہ کی کھڑکی رہتے تھے۔

www.urduchannel.in

اواخرِ ایّام میں ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہوئے جب شفا پائی اور انہوں نے ایک قصیدۂ غرّا کہکر نذر گذرانا تو خلعت کے علاوہ خطاب خاں بہادر اور ایک ہاتھی مع حوضۂ نقرئی انعام ہوا۔

پھر ایک بڑے زور شور کا قصیدہ کہکر گذرانا۔ جس کا مطلع ہے ع شب کو میں اپنے سر بسترِ خوابِ راحت۔ اس پر ایک گانوجاگیر میں عطا ہوا۔

جس رات کی صبح ہوتے انتقال ہوا۔ قریب شام میں بھی موجود تھا کہ انہیں پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ خلیفہ صاحب نے اٹھایا۔ چوکی پائنتی لگی ہوئی تھی۔ ہاتھ کا سہارا دیا اور انہوں نے کھسک کر آگے بڑھنا چاہا۔ طاقت نے یاری نہ دی۔ تو کہا۔ آہ! ناتوانی خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ شاعروں ہی کا ضعف ہو گیا۔ حافظ ویراں بھی بیٹھے تھے۔ وہ بولے کہ آپ نے بھی ضعف کے بڑے بڑے مضمون باندھے ہیں۔ مسکرا کر فرمایا کہ اب تو کچھ اس سے بھی زیادہ ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ اس عالم میں بھی مبالغہ قائم ہے۔ خدا اسی مبالغہ کیساتھ توانائی دے۔ میں رخصت ہوا۔ رات اسی حالت سے گذری۔ صبح ہوتے کہ ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ جمعرات کا دن تھا۔ ۱۷ دن بیمار رہ کر وفات پائی۔ مرنے سے ۳ گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا۔

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا	کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

شعرائے ہند نے جسقدر تاریخیں ان کی کہیں۔ آج تک کسی بادشاہ یا صاحبِ کمال کو نصیب نہیں ہوئیں۔

اردو اخبار ان دنوں دہلی میں جاری تھا۔ برس دن تک کوئی اخبار اس کا ایسا نہ تھا جسمیں ہر ہفتہ کئی کئی تاریخیں نہ چھپی ہوں ؛

خاص حالات اور طبعی عادات

شیخ مرحوم قد و قامت میں متوسط اندام تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

www.urduchannel.in

آدمیت ہے ہے بالا آدمی کا مرتبہ	پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

رنگ سانولا چیچک کے داغ بہت تھے۔ کہتے تھے کہ ۹ دفعہ چیچک نکلی تھی۔ مگر رنگت اور وہ داغ کچھ ایسے مناسب وموزون واقع ہوئے تھے۔ کہ چمکتے تھے اور بھلے معلوم ہوتے تھے۔ آنکھیں روشن اور نگاہیں تیز تھیں۔ چہرہ کا نقشہ کھڑا کھڑا تھا۔ اور بدن میں پھرتی پائی جاتی تھی۔ بہت جلد چلتے تھے وہ اکثر سفید کپڑے پہنتے تھے اور وہ انکو نہایت زیب دیتے تھے۔ آواز بلند اور خوش آیندہ۔ جب مشاعرہ میں پڑھتے تھے تو محفل گونج اٹھتی تھی۔ ان کے پڑھنے کی طرز ان کے کلام کی تاثیر کو زیادہ زور دیتی تھی۔ اپنی غزل آپ ہی پڑھتے تھے۔ کسی اور سے ہرگز نہ پڑھواتے تھے۔

قوت حافظہ

صانع قدرت جنہیں صاحب کمال کرتا ہے انہیں اکثر صفتیں دیتا ہے جن میں وہ ابنائے جنس سے صاف الگ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ انکی تیزی ذہن اور براقی طبع کا حال تو اب بھی ان کے کلام سے ثابت ہے۔ مگر قوت حافظہ کے باب میں ایک جرا عالم شیرخواری کا اُنہوں نے بیان کیا۔ جسے سنکر سب تعجب کرینگے۔ کہتے تھے مجھے اب تک یاد ہے کہ اس عالم میں ایکدن مجھے بخار تھا۔ والدہ نے پلنگ پر لٹا کر لحاف اڑھا دیا۔ اور آپ کسی کام کو چلی گئیں۔ ایک بلی لحاف میں گھس آئی۔ مجھے اس سے اور اُسکی خُرخُر کی آواز سے نہایت تکلیف معلوم ہونے لگی۔ لیکن نہ ہاتھ سے ہٹا سکتا تھا نہ زبان سے پکار سکتا تھا۔ گھبراتا تھا اور رہ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں والدہ آگئیں۔ اُنہوں نے اُسے ہٹایا تو مجھے غنیمت معلوم ہوا اور وہ دونو کیفیتیں اب تک یاد ہیں۔ چنانچہ میں جب بڑا ہوا تو میں نے والدہ سے پوچھا اُنہوں نے یاد کرکے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ فی الحقیقت اسوقت تیری عمر برس دن سے کچھ کم تھی۔

صلاحیت طبع

صلاحیت طبع کے باب میں خدا کا شکر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ایک دن املی کے درخت میں کنکوا اٹک گیا۔ میں اُتارنے کو اوپر چڑھ گیا۔ ایک ٹہنی کو سہارے کے قابل سمجھکر پاؤں رکھا۔ وہ ٹوٹ گئی میں نیچے آپڑا۔ بہت چوٹ لگی مگر خدا نے ایسی توفیق

www.urduchannel.in

دی کہ پھر نہ کنکوا اڑایا۔ نہ درخت پر چڑھے۔

خوف خدا

عمر بھر اپنے ہاتھ سے جانور ذبح نہیں کیا۔ عالم جوانی کا ذکر کرتے تھے کہ یاروں میں ایک مجرب نسخہ قوتِ باہ کا بڑی کوششوں سے ہاتھ آیا۔ شریک ہو کر اُسکے بنانیکی صلاح ٹھہری۔ ایک ایک جز کا بہم پہنچانا ایک ایک شخص کے ذمّہ ہوا۔ چنانچہ ۴۰ چڑوں کا مغز ہمارے سر ہُوا۔ ہم نے گھر آ کر ان کے پکڑنے کے سامان پھیلا دیئے۔ اور دو تین چڑے پکڑ کر ایک پنجرے میں ڈالے۔ ان کا پھڑکنا دیکھکر خیال آیا کہ ابراہیم ایک پل کے پل مزے کے لئے ۴۰ بیگناہوں کا مارنا کیا انسانیت ہے۔ یہ بھی تو آخر جان رکھتے ہیں اور اپنی پیاری زندگی کے لئے ہر قسم کی لذّتیں رکھتے ہیں۔ اُسی وقت اُٹھا۔ انہیں چھوڑ دیا۔ اور سب سامان توڑ پھوڑ کر یاروں میں جا کر کہدیا کہ بھئی ہم اس نسخہ میں شریک نہیں ہوتے۔

خوف خدا

ان کی عادت تھی کہ ٹہلتے بہت تھے۔ دروازہ کے آگے لمبی گلی تھی اکثر اسمیں پھرا کرتے تھے۔ رات کے وقت ٹہلتے ٹہلتے آئے اور کہنے لگے کہ میاں ابھی ایک سانپ گلی میں چلا جاتا تھا۔ حافظ غلام رسول ویران شاگرد رشید بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت پھر آپنے اُسے مارا نہیں؟ کسی کو آواز دی ہوتی۔ فرمایا خیال تو مجھے بھی آیا تھا۔ مگر پھر میں نے کہا کہ ابراہیم آخر یہ بھی تو جان رکھتا ہے۔ تجھے کے رکعت کا ثواب ہوگا۔ پھر یہ قطعہ پڑھا۔

چہ خوش گفت فردوسئی پاک زاد	کہ رحمت بر آن تُربتِ پاک باد
میازار موریکہ دانہ کش است	کہ جان دارد و جانِ شیریں خوش است

خوف خدا میں لطیفہ

ایک دفعہ برسات کا موسم تھا۔ بادشاہ قطب میں تھے۔ یہ ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے اُس وقت قصیدہ لکھ رہے تھے۔ ع شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت۔ چڑیاں سایبان میں تنکے رکھ کر گھونسلا بنا رہی تھیں۔ اور ان کے تنکے جو گرتے تھے انہیں لینے کو بار بار ان کے آس پاس آ بیٹھتی تھیں یہ عالم محویت میں بیٹھے تھے۔ ایک چڑیا سر پر آن بیٹھی۔ انہوں نے ہاتھ سے اڑا دیا۔ تھوڑی دیر میں پھر آن بیٹھی۔ اُنہوں نے پھر

www.urduchannel.in

اُڑا دیا۔ جب کئی دفعہ ایسا ہوا۔ تو ہنسکر کہا کہ اس غیبانی نے میرے سر کو کبوتر وں کی چھتری بنایا ہے۔ ایک طرف میں بیٹھا تھا۔ ایک طرف حافظ ویران بیٹھے تھے۔ وہ نابینا ہیں اُنھوں نے پوچھا کہ حضرت کیا؟ میں نے حال بیان کیا۔ ویران بولے کہ ہمارے سر پر تو نہیں بیٹھتی۔ استاد نے کہا کہ بیٹھے کیونکر؟ جانتی ہے کہ یہ مُلا ہے۔ عالم ہے۔ حافظ ہے ابھی اُحِلَّ لَکُمُ الصَّیْدُ۔ کی آیت پڑھکر کُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ بسم اللہِ اللہ اکبر کر دیگا۔ دیوانی ہے؟ جو تمہارے سر پر آئے۔

ایک صاحب نظر کہاں جمع ہیں

فرماتے تھے کہ میں نے ساڑھے تین سو دیوان استاذۂ سلف کے دیکھے اور اُن کا خلاصہ کیا۔ خان آرزو کی تصنیفات۔ ٹیک چند بہار کی تحقیقات اور اس قسم کی اَور کتابیں گویا ان کی زبان پر تھیں۔ مگر مجھے اس کا تعجب نہیں۔ اگر شعرائے عجم کے ہزاروں شعر انہیں ازبر تھے تو مجھے حیرت نہیں۔ گفتگو کے وقت جس تڑاقے سے وہ شعر سند میں دیتے تھے مجھے اس کا بھی خیال نہیں۔ کیونکہ جس فن کو وہ ملئے بیٹھے تھے یہ سب اس کے لوازمات ہیں۔ ہاں تعجب یہ ہے کہ تاریخ کا ذکر آئے تو وہ ایک صاحب نظر مورخ تھے۔ تفسیر کا ذکر آئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا تفسیر کبیر دیکھکر اٹھے ہیں۔ خصوصاً

تصوف

تصوف میں ایک عالم خاص تھا۔ جب تقریر کرتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ شبلی ہیں یا بایزید بسطامی بول رہے ہیں کہ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں علم اشراق کا پرتو دے کر کبھی ابوسعید ابوالخیر تھے۔ کبھی محی الدین عربی۔ پھر جو کہتے تھے ایسی کانٹے کی تول کہتے تھے کہ دل پر نقش ہو جاتا تھا۔ اور جو کچھ ان سے سُن لیا ہے آجتک دل پر نقش ہے رمل و نجوم کا ذکر آئے تو وہ نجومی تھے۔ خواب کی تعبیر میں انہیں خدا نے ایک ملکۂ راسخہ دیا تھا۔ اور لطف یہ کہ احکام اکثر مطابق واقع ہوتے تھے۔ اگرچہ مجھے اسقدر وسعت نظر بہم پہنچانے کا تعجب ہے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ان کے حافظہ میں اس قدر مضامین محفوظ کیونکر رہے۔

وہ کہتے تھے کہ اگرچہ شعر کا مجھے بچپن سے عشق ہے۔ مگر ابتدا میں دنیا کی شہرت

www.urduchannel.in

چند روز موسیقی کا بھی شوق رہا۔

اور ناموری اور تفریح طبع نے مجھے مختلف کمالوں کے رستے دکھائے۔ چند روز موسیقی کا شوق ہوا اور کچھ حاصل بھی کیا۔ مگر خاندیس سے ایک بڑا صاحب کمال گویا آیا۔ اس سے ملاقات کی۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا کہ جو گانے کا شوق کرے اسکے لئے ۳۰۰ برس کی عمر چاہیئے۔ ۱۰۰ برس سیکھے۔ ۱۰۰ برس سُنتا پھرے۔ اور جو سیکھا ہے اسے مطابق کرے پھر ۱۰۰ برس بیٹھکر اوروں کو سنائے۔ اور اس کا لطف اٹھائے یہ سُنکر دل برداشتہ ہوگیا اور یہ بھی خیال آیا کہ ابراہیم اگر بڑا کمال پیدا کیا۔ تو ایک ڈوم ہوگئے۔ اس پر بھی جو کلاونت ہوگا وہ ناک چڑھا کر یہی کہیگا کہ اتائی ہیں۔ سپاہی زادے سے ڈوم بنا۔ کیا ضرور۔

نجوم و رمل

نجوم و رمل کا بھی شوق کیا۔ اسمیں دستگاہ پیدا کی۔ نجوم کا ایک صاحب کمال منغلپورے رہتا تھا۔ اس سے نجوم کے مسائل حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک دن کسی سوال کا نہایت درست جواب اُس نے دیا اور گفتگو ہوتے ہوتے یہ بھی کہا کہ ایک ایک ستارہ کا حال اور اسکے خواص معلوم کرنے کیلئے ۲۲ برس چاہیئے ہیں۔ یہ سُنکر اس سے بھی دل برداشتہ ہوگیا +

طب

طب کو چند روز کیا۔ اسمیں خون ناحق نظر آنے لگے۔ آخر جو طبیعت خدا نے دی تھی وہی خوبی قسمت کا سامان ہوا +

عجیب پیشینگوئی

لکھن لعل کے گنج میں ایک جوتشی پنڈت تلسی رام نابینا تھے۔ اکبر دو دیرینہ سال منشی درگا پرشاد کہ شیخ مرحوم کے قدیمی دوست تھے۔ اور جوتشی صاحب کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔ انہوں نے جوتشی صاحب کی بہت تعریف کی۔ اور ایک دن قرار پاکر یہ بھی اُن کے پاس گئے۔ کئی دلچسپ سلسلہ گفتگوؤں کے ہوئے۔ بعد ازاں اُنہوں نے بے اظہار نام اپنے زائچہ کی صورت حال بیان کی۔ جوتشی صاحب نے کہا کہ وہ شخص صاحب کمال ہو اور غالباً کمال اس کا کسی ایسے فن میں ہو کہ باعث تفریح ہو۔ اس کا کمال بمعراج خوب پاوے۔ اس کے حریف بھی بہت ہوں۔ مگر کوئی سامنے نہ ہو سکے۔ وہ اسی قسم کی باتیں کہے جاتے تھے۔ جو شیخ مرحوم نے پوچھا کہ اسکی عمر کیا ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ ۶۷۔ ۶۸۔ حد ۶۹ یہ سُن کر

www.urduchannel.in

شیخ مرحوم کے چہرہ پر آثارِ ملال ظاہر ہوئے اور خدا کی قدرت کہ ۶۸ برس کی عمر میں انتقال ہوا اگرچہ عقلاً اور نقلاً احکام نجوم پر اعتقاد نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن واقعہ پیش نظر گذرا تھا۔ اس لئے واقعہ نگاری کا حق ادا کیا۔ میں بھی دیکھتا تھا۔ کہ انہیں آخر عمر میں مرنیکا خیال اکثر رہتا تھا ایکدفعہ بادشاہ بیمار ہوکر اچھے ہوئے۔ غسل صحت کا جشن قریب تھا۔ اُنہوں نے مبارکباد کا قصیدہ کہا۔ میں حسب معمول خدمتمیں حاضر ہوا۔ وہ اسوقت قصیدہ ہی لکھ رہے تھے۔ چنانچہ کچھ اشعار اس کے سنانے لگے مطلع تھا۔

زہے نشاط کہ گر کیجئے اسے تحریر		عیاں ہو خامہ سے تحریر نغمہ جائے سریر

اس کے آگے شعر سناتے جاتے تھے۔ میں تعریف کرتا جاتا تھا۔ وہ مُسکراتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے۔ جب یہ شعر پڑھا۔

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ		کہ جیسے جائے کوئی فیلِ مست بے زنجیر

بے اختیار میری زبان سے نکلا کہ سبحان اللہ۔ رنگینی اور یہ زور۔ ظہوری کا ساقی نامہ ہوگیا۔ چُپ ہوگئے اور کہا کہ اس میں زور آتا جاتا ہے۔ میں گھلا جاتا ہوں۔ اسکی جوانی ہے اور میرا بڑھاپا ہے۔ حافظ ویران سلمہ اللہ نے بیان کیا۔ اشعار بہاریہ کے لکھنے میں دو تین دفعہ فرمایا کہ خواجہ حافظ کا شعر بھی اسمیں موقع سے تضمین کرینگے۔

مئے دوسالہ و محبوب چاردہ سالہ		ہمین بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر

ایک دن جو میں گیا تو جو شعر پرچوں پر پریشان تھے۔ انہیں ترتیب دیا تھا چنانچہ سناتے سناتے پھر شعر مذکور پڑھا۔ بعد اس کے قطعہ پڑھا کہ خود کہا تھا۔

ہوا ہے مدرسہ بھی درسگاہِ عیش و نشاط		کہ شمس بازغہ کی جا پڑھیں ہیں بدرِ منیر
اگر پیالہ ہے صغرا تو ہے سبو کُبرا		نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہیں صغیر و کبیر

میری طرف دیکھکر فرمایا۔ اب بھی! میں نے عرض کی سبحان اللہ اب اسکی کیا ضرورت رہی۔ آنکھیں بزرگ کرکے فرمایا۔ ادھر ہی کا فیضان ہے۔

دلّی میں نواب زینت محل کا مکان لال کوئیں کے پاس اب بھی موجود ہے بادشاہ نے

www.urduchannel.in

وہیں دربار کر کے یہ قصیدہ سُنا تھا۔ اس برس ایک شادی کی تقریب میں مجھے دلّی بلایا ہُوا اسی مکان میں برات بیٹھی تھی۔ فتح دہلی کے بعد گورنمنٹ نے وہ مکان سرکار پٹیالہ کو دیدیا ہے بند پڑا رہتا ہے۔ اب اتنے ہی کام کا ہے کہ ادھر کے ضلع میں کوئی بڑی برات یا شادی کا جلسہ ہوتا ہے تو داروغہ سے اجازت لیکر وہاں آن بیٹھتے ہیں۔ واہ

کشتوں کا تیرے چشم سیہ مست کے مزار	ہوگا خراب بھی تو خرابات ہوئے گا

وہ زمانہ اور آج کی حالت دیکھکر خدا یاد آتا ہے۔

گذارہ کا اندازہ

ان کی طبیعت کو خدا تعالیٰ نے شعر سے ایسی مناسبت دی تھی کہ رات دن اس کے سوا کچھ خیال نہ تھا اور اسی میں خوش تھے۔ ایک تنگ و تاریک مکان تھا۔ جسکی انگنائی اس قدر تھی۔ کہ ایک چھوٹی سی چارپائی ایک طرف بچھتی تھی۔ دو طرف اتنا رستہ رہتا تھا کہ ایک آدمی چل سکے۔ حقہ منہ سے لگا رہتا تھا۔ کھڑی چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ لکھے جاتے تھے یا کتاب دیکھے جاتے تھے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات۔ تینوں موسموں کی بہاریں وہیں بیٹھے گذر جاتی تھیں۔ انہیں کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔ کوئی میلہ کوئی عید اور کوئی موسم بلکہ دنیا کے شادی وغم سے انہیں سروکار نہ تھا۔ جہاں اوّل روز بیٹھے وہیں بیٹھے۔ اور جبھی اٹھے کہ دنیا سے اُٹھے۔

پاک خیال

نماز عصر کے وقت میں ہمیشہ حاضر خدمت ہوتا تھا۔ نہاکر وضو کرتے تھے اور ایک لوٹے سے برابر کُلیاں کئے جاتے تھے۔ ایک دن میں نے سبب پوچھا۔ متاسفانہ طور سے بولے کہ خدا جانے کیا کیا ہزلیات زبان سے نکلتے ہیں۔ خیر یہ بھی ایک بات ہے پھر ذرا تامّل کر کے۔ ایک ٹھنڈی سانس بھری اور یہ مطلع اسیوقت کہکر پڑھا۔

پاک رکھ اپنا دہاں ذکرِ خدائے پاک سے	کم نہیں ہرگز زبان منہ میں تیرے مسواک سے

اوراد و وظائف

ان کا معمول تھا کہ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر بادشاہ کی غزل کہتے تھے۔ آدھی بجے تک اس سے فراغت ہوتے تھے۔ پھر وضو کرتے اور وہی ایک لوٹے پانی سے کلیاں کر کے نماز پڑھتے۔ پھر وظیفہ شروع ہوتا۔ زیر آسمان کبھی ٹہلتے جاتے کبھی قبلہ رو ٹھہر جاتے

www.urduchannel.in

اگرچہ آہستہ آہستہ پڑہتے تھے مگر کثرا وقات اس جوش دل سے پڑہتے تھے کہ معلوم ہوتا گویا سینہ پھٹ جائیگا۔

وظیفہ پڑھکر دعائیں شروع ہوتی تھیں۔ یہ گویا ایک نمونہ تھا ان کی طبیعت کی نیکی اور عام نیک خواہی کا۔ اسمیں سب سے پہلے یہ دُعا تھی کہ۔ الٰہی ایمان کی سلامتی۔ بدن کی صحت۔ دنیا کی عزت و حُرمت۔ پھر۔ الٰہی میرے بادشاہ کو بادولت با اقبال صحیح و سالم رکھ۔ اسکے دشمن روہوں وغیرہ وغیرہ۔ پھر میاں اسمٰعیل یعنے اپنے بیٹے کے لئے۔ پھر اپنے عیال اور خاص خاص دوستوں کیلئے۔ یا جو کسی دوست کے لئے خاص مشکل درپیش ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک تب اس موقع پر میرے والدِ مرحوم اُنہی کے ہاں تھے۔ ساری دعائیں سُنا کئے۔ چنانچہ اُنکے دروازہ کے سامنے محلّہ کا حلال خور رہتا تھا۔ اُن دنوں میں اسکا بیل بیمار تھا۔ دعائیں مانگتے مانگتے وہ بھی یاد آگیا۔ کہا کہ الٰہی جُمّا حلال خور کا بیل بیمار ہے اُسے بھی شفا دے۔ بچارا بڑا غریب ہے بیل مرجائیگا تو یہ بھی مرجائیگا۔ والد نے جب یہ سُنا تو بے اختیار ہنس پڑے۔ فُقرا اور بزرگان دین کے ساتھ اُنہیں ایسا دلی اعتقاد تھا کہ اسکی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ عُلَمٰا اور اساتذہ سلف کو ہمیشہ با ادب یاد کرتے تھے اور کبھی اُن پر طعن و تشنیع نہ کرتے تھے۔ اس واسطے ان کے مذہب کا حال کسی کو نہ کھُلا +

ترتیبِ دیوان

اس میں کسی کو کلام نہیں کہ انہوں نے فکرِ سخن اور کثرت مشق میں فنا فی الشعر کا مرتبہ حاصل کیا۔ اور انشاپردازی ہند کی روح کو شگفتہ کیا۔ مگر فصاحت کا دل کُملا جاتا ہوگا جب ان کے دیوانِ مختصر پر نگاہ کرتی ہوگی۔ اس کے سبب کا بیان کرنا ایک سخت مصیبت کا افسانہ ہے۔ اور اسکے مرثیہ خوانی کرنی میرا فرض ہے۔ ان کے وفات کے چند روز بعد میں نے اور خلیفہ اسمٰعیل مرحوم نے کہ وہ بھی باپ کی طرح اکلوتے بیٹے تھے۔ چاہا کہ کلام کو ترتیب دیں۔ متفرق غزلوں کے بستے اور بڑی بڑی پوٹیں تھیں۔ بہت سی تھیلیاں اور مٹکے تے۔ کہ جو کچھ کہتے تھے گویا بڑی احتیاط سے اُن میں بھرتے جاتے تھے۔ ترتیب اُسکی

www.urduchannel.in

پسینے کی جگہ خون بہاتی تھی - کیونکہ بچپن سے لیکر دمِ واپسیں تک کا کلام اُنہی میں تھا - بہت سی متفرق غزلیں بادشاہ کی - بہتیری غزلیں شاگردوں کی بھی ملی ہوئی تھیں -

چنانچہ اول اُنکی اپنی غزلیں اور قصائد انتخاب کرلئے - یہ کام کئی مہینے میں ختم ہُوا غرض پہلے غزلیں صاف کرنی شروع کیں - اس خطا کا مجھے اقرار ہے کہ کام کو میں نے جلدی کیا - مگر باطمینان کیا - مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح یکایک زمانہ کا ورق اُلٹ جائیگا - عالم تہ و بالا ہوجائیگا - حسرتوں کے خون بہ جائینگے - دل کے ارمان دل ہی میں رہ جائینگے

دفعتہً ۱۸۵۷ء کا غدر ہوگیا - کسی کا کسی کو ہوش نہ رہا - چنانچہ افسوس ہے کہ خلیفہ محمد اسمٰعیل ان کے فرزند جسمانی کے ساتھ ہی ان کے فرزندانِ روحانی بھی دنیا سے رحلت کرگئے میرا یہ حال ہوا کہ فتحیاب لشکر کے بہادر دفعتہً گھر میں گھس آئے - اور بندوقیں دکھائیں کہ جلد یہاں سے نکلو - دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی - بھرا ہُوا گھر سامنے تھا اور میں حیران کھڑا تھا کہ کیا کیا کچھ اٹھا کر لے چلوں - انکی غزلوں کے جُنگ پر نظر پڑی - یہی خیال آیا کہ - محمد حسین ! اگر خدا نے کرم کیا اور زندگی باقی ہے تو سب کچھ ہوجائیگا - مگر اُستاد کہاں سے پیدا ہونگے - جو یہ غزلیں پھر اکٹھی کہینگے - اب ان کے نام کی زندگی ہے - اور ہے تو ان پر منحصر ہے - یہ ہیں تو وہ مرکر بھی زندہ ہیں - یہ گئیں تو نام بھی نہ رہیگا - وہی جُنگ اٹھا بغل میں مارا - سچے بھائے گھر کو چھوڑ ۲۲ نیم جانوں کے ساتھ گھر سے بلکہ شہر سے نکلا - ساتھ ہی زبان سے نکلا کہ حضرت آدمؑ بہشت سے نکلے تھے دِلّی بھی ایک بہشت ہے اُنہی کا پوتا ہوں - دہلی سے کیوں نہ نکلوں - غرض میں تو آوارہ ہوکر خدا جانے کہاں کا کہاں نکل آیا - مگر حافظ غلام رسول ویران کہ محبت کے لحاظ سے میرے شفیق دوست اور حضرت مرحوم کی شاگردی کے رشتہ سے روحانی بھائی ہیں - اُنہوں نے شیخ مرحوم کے بعض اور دردخواہ دوستوں سے ذکر کیا - کہ مسوّدوں کا سرمایہ تو سب دِلّی کے ساتھ برباد ہُوا اِسوقت یہ زخم تازہ ہے اگر اب دیوان مرتب نہ ہوا تو کبھی نہ ہوگا - حافظ موصوف کو خود بھی حضرت مرحوم کا کلام بہت کچھ یاد ہے - اور خدا نے اُنکی بصیرت کی آنکھیں ایسی روشن

www.urduchannel.in

کی ہیں کہ بصارت کی آنکھوں کے محتاج نہیں۔ اسلئے لکھنے کی سخت مشکل ہوئی۔ غرضکہ ایک مشکل میں کئی کئی مشکلیں تھیں۔ اُنہوں نے اس مہم کا سرانجام کیا۔ اور اپنی یاد کے علاوہ نزدیک بلکہ دور دور سے بہت کچھ بہم پہنچایا۔ سب کو سمیٹ کر ۱۲۷۹ھ میں ایک مجموعہ جس میں اکثر غزلیں تمام اکثر ناتمام۔ بہت سے متفرق اشعار۔ اور چند قصیدے ہیں چھاپ کر نکالا۔ مگر دردمندی کا دل پانی پانی ہوگیا۔ اور عبرت کی آنکھوں سے لہو ٹپکا۔ کیونکہ جس شخص نے دنیا کی لذتیں۔ عمر کے مختلف موسم۔ اور موسموں کی بہاریں۔ دن کی عیدیں رات کی شب براتیں۔ بدن کے آرام۔ دلکی خوشیاں۔ طبیعت کی اُمنگیں سب چھوڑیں اور ایک شعر کو لیا جسکی انتہاءِ تمنا یہی ہوگی۔ کہ اسکی بدولت نام نیک باقی رہیگا۔ تبہ کار زمانہ کے ہاتھوں آج اسکی عمر بھر کی محنت نے یہ سرمایہ دیا۔ اور جس نے ادنیٰ ادنےٰ شاگردوں کو صاحبِ دیوان کر دیا۔ اسکو یہ دیوان نصیب ہوا۔ خیر۔ ع یونہی خدا جو چاہے تو بندہ کا کیا چلے۔ میرے پاس بعض قصیدے ہیں۔ اکثر غزلیں ہیں داخل ہو جائینگی یا ناتمام غزلیں پوری ہو جائینگی۔ مگر تصنیف کے دریا میں سے پیاس بھر پانی بھی نہیں چنانچہ یہ تذکرہ چھپ لے تو اُس پر توجہ کروں۔ مسبّبُ الاسباب سرانجام کے اسباب عنایت فرمائے۔

غزلوں پر رائے

جو غزلیں اپنے تخلص سے کہیں تھیں اگر جمع کی جاتیں تو بادشاہ کے چاروں دیوانوں کے برابر ہوتیں۔ غزلوں کے دیوان کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ عام جوہر ان کے کلام کا۔ تازگیٔ مضمون۔ صفائیٔ کلام۔ چستیٔ ترکیب۔ خوبی محاورہ۔ اور عام فہمی سے بمگر حقیقت میں رنگ مختلف وقتوں میں مختلف رہا۔ ابتدا میں مرزا رفیع کا انداز تھا۔ شاہ نصیر سے ان دنوں معرکے ہو رہے تھے۔ اُن کا ڈھنگ وہی تھا۔ اسلئے انہوں نے بھی وہی اختیار کیا۔ اسکے علاوہ مرزا کی طرز کو جلسہ کے گرانے میں اور لوگوں کے لب و دہن سے واہ واکے نکال لینے میں ایک عجیب جادو کا اثر ہے۔ چنانچہ وہی مشکل طرحیں چست بندشیں برجستہ ترکیبیں۔ معانی کی بلندی۔ الفاظ کی شکوہیں۔ ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں۔ چند

www.urduchannel.in

روز کے بعد الٰہی بخش خانِ معروف کی خدمت میں۔ اور ولیعہد کے دربار میں پہنچے۔ معروف ایک دیرینہ سال مشاق اور فقیر مزاج شخص تھے۔ انکی پسندِ طبع کے بموجب انہیں بھی تصوّف اور عرفان اور دردِ دلی کی طرف خیالات کو مائل کرنا پڑا۔ نوجوان ولیعہد طبیعت کے بادشاہ تھے۔ اِدھر یہ بھی جوان اور انکی طبیعت بھی جوان تھی۔ وہ جُرأت کے انداز کو پسند کرتے تھے۔ اور جُرأت اور سید انشا و مصحفی کے مطلع اور اشعار بھی لکھنؤ سے اکثر آتے رہتے تھے۔ اُن کی غزلیں اُنہی کے انداز میں بناتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کی غزل آخیر کو ایک گلدستہ گلہائے رنگا رنگ کا ہوتی تھی۔ دو تین شعر بلند خیالی کے۔ ایک دو تصوّف کے۔ دو تین معاملے کے۔ اور بیچ اسمیں یہ ہوتا تھا۔ کہ ہر قافیہ بھی ایک خاص انداز کیساتھ خصوصیت رکھتا ہے کہ اسی میں بندھے تو لطف دے۔ نہیں تو پھیکا ہے پس وہ مشاق باکمال اس بات کو پورا پورا سمجھا ہوا تھا۔ اور جس قافیہ کو جس پہلو کے مناسب دیکھتا تھا۔ اسی میں باندھ دیتا تھا۔ اور اس طرح باندھتا تھا کہ اور پہلو نظر نہ آتا تھا۔ ساتھ اسکے صفائی اور محاورہ کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اور انہی اصول کے لحاظ سے **میر۔ مرزا۔ درد۔ مصحفی۔ سید انشا۔ جُرأت**۔ بلکہ تمام شعرائے متقدمین کو اس ادب سے یاد کرتے تھے گویا انہی کے شاگرد ہیں۔ ایک ایک کے چیدہ اشعار اس محبت سے پڑھتے تھے گویا اسی دستور العمل سے انہوں نے تہذیب پائی ہے۔ اور فی الحقیقت سب کے انداز کو اپنے اپنے موقع پر پورا پورا کام میں لاتے تھے۔ پھر بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ اصلی میلان ان کی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا۔ نظمِ اردو کی نقاشی میں مرزائے موصوف نے قصیدہ پر دستکاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اس پر قلم نہیں اُٹھایا۔ اور انہوں نے مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ جہاں کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ انوری۔ ظہیر۔ ظہوری۔ نظیری۔ عرفی۔ فارسی کے آسمان پر بجلی ہو کر چمکتے ہیں۔ لیکن ان کے قصیدوں نے اپنے کڑک دمک سے ہند کی زمین کو آسمان کر دکھایا۔ ہر جشن میں ایک قصیدہ کہتے تھے۔ اور خاص خاص تقریبیں جو پیش آتی تھیں وہ

رائے بر قصائد

www.urduchannel.in

الگ تھیں۔ اسلئے اگر جمع ہوتے تو خاقانی ہند کے قصائد خاقانی شروانی سے دوچند ہوتے
جب تک اکبر شاہ زندہ تھے۔ تب تک ان کا دستور تھا کہ قصیدہ کہکر لے جاتے۔ اور اپنے
آقا یعنے ولیعہد بہادر کو سُناتے۔ دوسرے دن ولیعہد ممدوح اُسمیں اپنی جگہ بادشاہ کا
نام ڈالوا کر لے جاتے۔ اور دربار شاہی میں سنواتے۔ افسوس یہ ہے کہ عالم جوانی کی طبع
آزمائی سب برباد ہوئی۔ جو کچھ ہیں وہ چند قصیدے ہیں کہ بڑھاپے کی ہمت کی برکت ہے

مثنوی

نواب حامد علیخان مرحوم نے نہایت شوق سے ایک عاشقانہ خط لکھنے کی انہیں
فرمایش کی تھی۔ بادشاہ کی متواتر فرمایشیں یہاں ایسے کاموں کے لئے کب فرصت دیتی
تھیں۔ مگر اتفاق کہ انہی دنوں میں رمضان آگیا۔ اور اتفاق پر اتفاق یہ کہ بادشاہ نے
روزے رکھنے شروع کئے۔ اس سبب سے غزل کہنی موقوف کر دی۔ خیر۔ ان کی زبان کب
رہ سکتی تھی۔ اسکے علاوہ اس نئے چمن کی ہوا کھانے کو اپنا بھی جی چاہتا تھا۔ انہوں نے
وہ نامہ لکھنا شروع کیا۔ اس نے ایسا طول کھینچا کہ تخمیناً ۳۰۰ شعر اسکے ہوگئے۔ اس عرصہ
میں تین تختیاں اس سے سیاہ ہوئیں تھیں۔ مگر ادھر رمضان ہوچکا۔ بادشاہ کی غزلیں
پھر شروع ہوگئیں۔ مثنوی وہیں رہ گئی۔ بیچ میں کبھی کبھی پھر بھی طبیعت میں اُمنگ اُٹھی
مگر کبھی ایک دن کبھی دو دن ۲۰۰-۲۵ شعر ہوئے پھر رہ گئے۔ میں نے جب ہوش
سنبھالا۔ اور ہر وقت پاس رہنے لگا۔ تو کئی دفعہ اسکے مختلف ذکر کرتے۔ اور جابجا کے
شعر پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ تختیاں اور کاغذی مسودے نکلوائے۔ بہت کم تھا
جو کچھ کہ پڑھا جاتا تھا۔ آخر فرصت کے وقت نکال نکال کر ان سے پڑھواتا گیا۔ اور آپ
لکھتا گیا۔ کل ۵۰۰ شعر سے زیادہ ہوئے۔ اگرچہ نامہ ناتمام تھا۔ مگر ایک ایک مصرع
سونے کے پانی سے لکھنے کے لایق تھا۔ میرے صاف کئے ہوئے مسودے بھی اُنہی متفرق
غزلوں میں تھے۔ جو میں خلیفہ صاحب کے پاس جاکر صاف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ
وہ بھی گئے۔ اس کا نام نامۂ جانسوز تھا۔ اول حمد و نعت تھی۔ پھر ساقی نامہ۔ پھر القاب
معشوق۔ اسی میں اسکا سراپا۔ اس کے بعد یاد ایام۔ اس میں چاروں موسموں کی بہار

www.urduchannel.in

مگر اس کے معنوں کی نزاکت ۔ لفظوں کی لطافت ۔ ترکیبوں کی خوبیاں ۔ اندازوں کی شوخیاں کیا کہوں ! ۔ سامری کے جادو ۔ اور جادو کے طلسم اسکے آگے دھواں ہو کر اُڑے جاتے تھے

تاریخیں

کئی مخمس تھے ۔ کئی رباعیاں تھیں ۔ صدہا تاریخیں تھیں ۔ مگر تاریخوں کی کمائی بادشاہ کے حصہ میں آئی ۔ کیونکہ بہت بلکہ کُل تاریخیں اُنہی کی فرمائش سے ہوئیں ۔ اور اُنہی کے نام سے ہوئیں ۔ مرثیہ سلام کہنے کا انہیں موقع نہیں ملا ۔ بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ شاہ عالم اور اکبر شاہ کی طرح محرم میں کم سے کم ایک سلام ضرور کہتے تھے ۔ شیخ مرحوم بھی اسی کو اپنی سعادت اور عبادت سمجھتے تھے ۔ ہزاروں گیت ۔ ٹپے ۔ ٹھمریاں ۔ ہولیاں کہیں ۔ وہ بادشاہ کے نام سے عالم میں مشہور ہیں ۔ اور ان باتوں میں وہ اپنی شہرت چاہتے بھی نہ تھے ۔ میرے نزدیک ان کے اور اُن کے دیکھنے والوں کے لئے بڑے فخر کی بات یہ ہے کہ خدا نے کمال شاعری اور ایسا اعلیٰ درجہ قادر الکلامی کا اُنہیں دیا ۔ اور ہزاروں آدمیوں سے انہیں ناراضی یا رنج پہنچا ہوگا ۔ مگر اُنہوں نے تمام عمر میں ایک شعر بھی ہجو میں نہ کہا ۔ خدا ہر شخص کو اسکی نیت کا پھل دیتا ہے ۔ اس کی شان دیکھو کہ ۸۰ برس کی عمر پائی ۔ مگر خدا نے ان کی ہجو بھی کسی کے منہ سے نہ نکلوائی ۔

مرثیے سلام

ہجو

اکثر نئے ایجاد و اختراع ان کے ارادے میں تھے ۔ اور بعض بعض ارادے شروع ہوئے ۔ مگر ناتمام رہے ۔ کیونکہ بادشاہ کی فرمائشیں دم لینے کی مہلت نہ دیتی تھیں ۔ اور تماشہ یہ کہ بادشاہ بھی ایجاد کا بادشاہ تھا ۔ اتنا تھا کہ بات نکالتا مگر اُسے سمیٹ نہ سکتا تھا ۔ اس کا کیا ہوا انہیں سنبھالنا پڑتا تھا ۔

وہ اپنی غزل بادشاہ کو سناتے تھے ۔ اگر کسی طرح اس تک پہنچ جاتی ۔ تو وہ اسی غزل پر خود غزل کہتا تھا ۔ اب اگر نئی غزل کہہ کر دیں اور وہ اپنی غزل سے پست ہو تو بادشاہ بھی بچہ نہ تھا ۔ ۷۰ برس کا سخن فہم تھا ۔ اگر اس سے چُست کہیں تو اپنے کہے کو آپ مٹانا بھی کچھ آسان کام نہیں ۔ ناچار اپنی غزل میں ان کا تخلص ڈالکر دیدیتے تھے ۔ بادشاہ کو بڑا خیال رہتا تھا کہ وہ اپنی کسی چیز پر زور طبع نہ خرچ کریں ۔ جب ان کے شوقِ طبع کو کسی

www.urduchannel.in

طرف متوجہ دیکھتا۔ تو برابر غزلوں کا تار باندھ دیتا۔ کہ جو کچھ جوشِ طبع ہو ادھر ہی آجائے۔

عموماً اندازِ کلام

کلام کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اُتارے ہیں۔ مگر اپنے لفظوں کی ترکیب سے اُنہیں ایسی شان وشکوہ کی کرسیوں پر بٹھایا ہے کہ پہلے سے بھی اونچے نظر آتے ہیں۔ اُنہیں قادر الکلامی کے دربار سے ملکِ سخن پر حکومت مل گئی ہے۔ کہ ہر قسم کے خیال کو جس رنگ سے چاہتے ہیں کہہ جاتے ہیں۔ کبھی تشبیہ کے رنگ سے سجاکر استعارہ کی بُو سے بساتے ہیں۔ کبھی بالکل سادے لباس میں جلوہ دکھاتے ہیں۔ مگر ایسا کچھ کہہ جاتے ہیں کہ دل میں نشتر سا کھٹک جاتا ہے۔ اور منہ سے کبھی واہ نکلتی ہے اور کبھی آہ نکلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہونٹوں میں شُستہ اور برجستہ لفظوں کے خزانے بھرے ہیں۔ اور ترکیب الفاظ کے ہزاروں رنگ ہیں۔ مگر جسے جہاں سجتا دیکھتے ہیں وہ گویا وہیں کے لئے ہوتا ہے۔ وہ طبیب کامل کی طرح ہر مضمون کی طبیعت کو پہچانتے تھے۔ کہ کونسا ہے کہ سادگی میں رنگ دے جائیگا۔ اور کونسا رنگینی میں۔ کامل مصوّر کی تیزیٔ قلم کو اسکے رنگوں کی شوخی روشن کرتی ہے۔ اسی طرح ان کے مضمون کی باریکی کو اُنکے الفاظ کی لطافت جلوہ دیتی ہے۔ اُنہیں اس بات کا کمال تھا کہ باریک سے باریک مطلب اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون کو اس صفائی سے ادا کر جاتے تھے۔ گویا ایک شربت کا گھونٹ تھا۔ کہ کانوں کے رستے سے پلادیا۔ اسی وصف نے نادانوں کو غلطی میں ڈالا ہے جو کہتے ہیں کہ ان کے ہاں عالی مضامین نہیں۔ بلکہ سیدھی باتیں اور صاف صاف خیالات ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان ہونٹوں میں خدا نے عجب تاثیر دی تھی۔ کہ جو لفظ ان سے ترکیب پاکر نکلے ہیں۔ خودبخود زبانوں پر ڈھلکتے آتے ہیں جیسے ریشم پر موتی۔ خدا جانے زبان نے کسی آئینہ کی صفائی اُڑائی ہے یا اُنہوں نے الفاظ کے نگینوں پر کیونکر جلا کی ہے۔ جس سے کلام میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے حقیقت میں اسکا سبب یہ ہے۔ کہ قدرتِ کلام اُن کے ہر ایک نازک اور باریک خیال کو

www.urduchannel.in

محاورہ اور ضرب المثل میں اس طرح ترکیب دیتی ہے جیسے آئینہ گر شیشہ کو قلعی سے ترکیب دیکر آئینہ بناتا ہے۔ اسی واسطے صاف ہر ایک شخص کی سمجھ میں آتا ہے اور دل پر اثر بھی کرتا ہے۔

ان کے کلام میں یہ بھی خصوصیت ہے کہ شعر کا کوئی لفظ بھول جائے تو جبتک وہی لفظ اسکی جگہ نہ رکھا جائے شعر مزا نہیں دیتا۔ چنانچہ لکھنؤ میں میر انیس مرحوم کے سامنے سلسلہ تقریر میں ایکدن مینے ان کا مطلع پڑھا۔

کوئی آوارہ تیرے نیچے لے گردون نہ ٹھیریگا	ولیکن تو بھی گر چاہے کہ میں ٹھیرون ٹھیریگا

اُنہوں نے پوچھا کہ یہ شعر کسکا ہے؟ میں نے کہا شیخ مرحوم کا ہے دو چار باتیں کرکے اُنہوں نے پھر فرمایا کہ ذرا شعر پڑہیے گا۔ میں نے پھر پڑہا۔ اُنہوں نے دوبارہ خود اپنی زبان سے پڑھا پھر باتیں ہونے لگیں۔ چلتے ہوئے پھر کہا کہ ذرا وہ شعر پڑھتے جائیگا۔ اور ساتھ اسکے یہ بھی کہا کہ صاحب کمال کی یہ بات ہے کہ جو لفظ جس مقام پر اس نے بٹھادیا ہے اسی طرح پڑھا جائے تو ٹھیک ہوتا ہے نہیں تو شعر رتبہ سے گر جاتا ہے۔

ان کا مضمون جس طرح دل کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح پڑہنے میں زبان کو مزا آتا ہے۔ ان کے لفظوں کی ترکیب میں ایک خداداد چستی ہے۔ جو کلام میں زور پیدا کرتی ہے۔ وہ زور فقط ان کے دل کا جوش ہی نہیں ظاہر کرتا۔ بلکہ سُننے والے کے دل میں ایک خروش پیدا کرتا ہے۔ اور یہی قدرتی رنگ ہے جو ان کے کلام پر سودا کی تقلید کا پرتو ڈالتا ہے۔

ان کے دیوان کو جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو اس سے رنگا رنگ کے زمزمے اور بوقلمون آوازیں آتی ہیں۔ ہر رنگ کے انداز موجود ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے دیکھنے سے دل اُکتا نہیں جاتا۔ وہ لفظ لفظ کی نبض پہچانتے تھے۔ اور مضامین کے طبیب تھے جسطرح برجستہ بیٹھتا دیکھتے تھے۔ اسی طرح باندھ دیتے تھے۔ خیال بندی ہو یا عاشقانہ یا تصوف۔ ان کے سینہ میں جو دل تھا۔ گویا ایک آدمی کا دل نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل تھے۔ اس واسطے کلام ان کا مقناطیس کی طرح قبول عام کو کھینچتا ہے۔ دل دل

www.urduchannel.in

کے خیال باندھتے۔ اور اس طرح باندھتے تھے گویا اپنے ہی دل پر گذری ہے۔

اعتراض

ان کی کلام پر لوگ اعتراض بھی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک پرانی غزل کا شعر ہے

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے	یہ نصیب! اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

لوگوں نے کہا کہ بے اضافی یا صفتی ترکیب کی اس میں تی زیادہ کرنی جائز نہیں۔ مگر یہ اعتراض انکی کم نظری کے سبب سے تھے۔

درختے کہ اکنوں گرفت است پائے	بہ نیروے مردے بر آید ز جائے
اے زدہ بر تر از گمان دامنِ کبریائے را	دست بتو کجا رسد عقل شکستہ پائے را

ایک پرانی غزل شاہ نصیر کے مشاعرہ میں طرح ہوئی تھی۔

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو	آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہمکو

اس پر اعتراض ہوا کہ اصل لفظ جزو مع واو کے ہے۔ فقط جز صحیح نہیں۔ اس کا بھی یہی حال تھا۔ امیر خسرو فرماتے ہیں۔

ہر چہ کند در جزو در کل اثر	کلی و جزئیش بود زان خبر

اور میر تقی فرماتے ہیں۔

جز مرتبۂ کل کو۔ حاصل کرے ہے آخر	ایک قطرہ نہ دیکھا جو۔ دریا نہوا ہوگا

ایک دن میں اوج سے ملا اور استاد مرحوم کے مطلع کا ذکر آیا۔[۲۵]

مقابل اس رخِ روشن کے شمع گر ہو جائے	صبا وہ دھول لگائے کہ بس سحر ہو جائے

کئی دن کے بعد جو رستہ میں ملے تو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہا۔

یہاں جو برگِ گل خورشید کا کھڑکا ہو جائے	دہول دستارِ فلک پر لگے تڑکا ہو جائے

اور کہا کہ دیکھا! محاورہ یوں باندھا کرتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ طنز کرتے ہیں کہ سحر ہو جائے جو استاد نے باندھا ہے یہ جائز نہیں مگر تجاہل کر کے میں نے کہا کہ ہاں حقیقت میں پات کے کھڑکے

[۲۵] اوج کا حال دیکھو صفحہ ۴۹۴

www.urduchannel.in

کا آپ نے خوب ترجمہ کیا۔ اور استعارہ میں لاکر ،میری طرف دیکھکر ہنسے اور کہا کہ بھئی واہ آخر شاگرد تھے۔ ہماری بات ہی بگاڑ دی۔

دوسرے دن میں اُستاد مرحوم کی خدمت میں گیا اور یہ ماجرا بیان کیا۔ فرمایا کہ شمع کو صبح ہوتے ہاتھ مار کر بُجھا دیتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ شمع اگر مقابلہ کرے تو اس گُستاخی کی سزا میں صبا اُسے ایسی دھول مارے کہ وہ بجھ جائے۔ اور ایسی بُجھے کہ وہی اس کے حق میں سحر ہو جائے یعنی روشنی نصیب نہو۔ کبھی دوسری تیسری رات ہوئی ہوئی۔ نہوئی۔ نہوئی۔ وہ اور بات ہے۔ اب یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ ہماری زبان میں اسکے مقابل ایک محاورہ بھی موجود ہے کہ۔ ایسی دھول لگی کہ تڑکا ہو گیا۔ خیر اگر ہُوا تو کچھ لطف ہی پیدا ہوا۔ بلکہ طرز بیان میں ایک وسعت کا قدم آگے بڑھا۔ قباحت کیا ہوئی۔ اور یہ بھی دیکھو۔ وہ محاورہ تھا تو کیا تھا۔ مبتذل عامیانہ۔ اب ثقہ متین اور شریفانہ ہے۔

آزاد۔ ایک شعر ناسخ کا بھی اسی ترکیب کا ہے۔

جو ستمگر ہیں کبھی وہ پھولتے پھلتے نہیں	سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

محاورہ میں تلوار کا کھیت کہتے ہیں۔ شمشیر کا کھیت نہیں ہے۔

اُنکی ایک غزل کا شعر ہے۔

مُنہ اٹھائے ہوئے جاتا ہے کہاں تو کہ تجھے	ہے تیرا نقش قدم چشم نمائی کرتا

نواب کلب حسین خان نادر تلخیص معلّی میں فرماتے ہیں (تجھے) دوسرے مصرع کا حق ہے پہلے مصرع میں نہیں لانا چاہیئے۔ اس کا جواب مجھے نہیں آتا۔

طبیعت حاضر کا کمال آمد و جودتِ خیال

ایک دفعہ طبع موزون نے نیا گل کھلایا۔ یہ وقت وہ تھا۔ کہ اصلاح بند ہو گئی تھی مگر آمد و رفت جاری تھی۔ شاہ صاحب کو جاکر غزل سنائی۔ انہوں نے تعریف کی اور کہا کہ مشاعرہ میں ضرور پڑھنا اتفاقاً مطلع کے سرے ہی پر سبب خفیف کی کمی تھی۔ جب وہاں غزل پڑھی تو شاہ صاحب نے آواز دی۔ کہ بھئی میاں ابراہیم واہ مطلع تو خوب کہا۔ شیخ مرحوم فرماتے تھے کہ اُسیوقت مجھے کھٹکا ہوا اور ساتھ ہی لفظ بھی سوجھا۔ دوبارہ میں نے پڑھا۔

www.urduchannel.in

(جس) ہاتھ میں خاتم لعل کی ہے گر اُسمیں زلف کرشن ہو ۔۔۔ پھر زلف بنے وہ دستِ موسیٰ جبیں اخگر آتش ہو

اس پر اس قدر حیرت ہوئی کہ انہوں نے جانا شاید پہلے عمداً یہ لفظ چھوڑ دیا تھا۔ مگر پھر اعتراض ہوا کہ یہ بحر ناجائز ہے۔ کسی استاد نے اس پر غزل نہیں کہی۔ شیخ مرحوم نے جواب دیا کہ ۱۹ بحریں آسمان سے نہیں نازل ہوئیں۔ طبایع موزون نے وقت بوقت گل کھلائے ہیں یہ تقریر مقبول نہ ہوئی۔ مگر پھر منیر مرحوم نے اس پر غزل کہی۔ ایکدفعہ شیخ مرحوم نے مشاعرہ میں غزل پڑھی مطلع تھا۔

نرگس کے پھول بھیجے ہیں بٹوے میں ڈالکر ۔۔۔ ایما یہ ہے کہ بھیجدے آنکھیں نکالکر

شاہ صاحب نے کہا کہ میاں ابراہیم پھول بٹوے میں نہیں ہوتے یہ کہو۔ ع نرگس کے پھول بھیجے ہیں دونے میں ڈالکر۔ انہوں نے کہا کہ دونے میں رکھنا ہوتا ہے۔ ڈالنا نہیں ہوتا۔ یوں کہئے کہ ۔

بادام دو جو بھیجے ہیں بٹوے میں ڈالکر ۔۔۔ ایما یہ ہے کہ بھیجدے آنکھیں نکالکر

نقل:۔ شاہ نصیر مرحوم کے ہاں سال بسال ایک عرس ہوا کرتا تھا۔ اسمیں بعد فاتحہ کے کھچڑی کھلایا کرتے تھے۔ حسبِ معمول اُستاد بھی گئے۔ فاتحہ کے بعد سب کھانا کھانے بیٹھے شاہ صاحب ایک ہاتھ میں چمچہ دوسرے میں ایک بادیہ لئے ہوئے آئے۔ اسمیں دہی تھا کہ خاص خاص اشخاص کے سامنے ڈالتے آتے تھے۔ ان کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور چمچہ بھرا۔ انہیں ریزش ہو رہی تھی۔ پرہیز کے خیال سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ شاہ صاحب نے کہا۔ سنکھیا ہے سنکھیا۔ دیکھو کھاؤ گے تو مرجاؤ گے۔ استاد نے ہنس دیا اور کہا کہ ع بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہوئے تو میں جانوں۔ اگرچہ یہ مصرع قدیمی میاں مجذوب[۲۵] کا ہے۔ مگر چونکہ کھانے کا موقع تھا اسلئے سب کو بہت مزا دیا۔

دہلی کالج کے مشاعرے

جن دنوں شاہ صاحب سے معرکے ہو رہے تھے۔ منشی فیض پارسا دہلی کالج میں مدرس حساب تھے۔ اور اُن دنوں جوانی کے عالم میں شاعری کے جوش و خروش میں تھے۔ انہوں نے مدرسہ میں بڑی دھوم دھام سے مشاعرہ قایم کیا اور اسے انشائے اردو کی ترقی کا جزو اعظم

[۲۵] دیکھو صفحہ ۱۰۱

www.urduchannel.in

پھر اکر صاحب پرنسپل سے مدد لی۔ اُن دنوں میں مدرسہ اجمیری دروازہ کے باہر تھا شہر کے دروازے ۹ بجے بند ہوجاتے تھے۔ گڈہ کپتان سے اجازت لی کہ مشاعرہ کے دن ۲ بجے تک اجمیری دروازہ کھلا رہا کرے۔ غرض مشاعرۂ مذکور اس شان وشکوہ سے جاری ہوا کہ پھر کوئی ایسا مشاعرہ دِلّی میں نہیں ہوا۔ شہر کے رؤسا اور تمام نامی شاعر موجود ہوتے تھے۔ مگر سب کی نگاہیں شاہ صاحب اور شیخ صاحب کی طرف ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک مشاعرہ میں شاہ صاحب نے غزل قفس کی تیلیاں خس کی تیلیاں پڑہی۔ دوسرے مشاعرہ میں یہی طرح ہوگئی۔ سب غزلیں کہہ کر لائے۔ شیخ مرحوم نے دوغزلہ لکھا اور اس پر کچھ تکرار ہوئی۔ اس پر جوش میں آکر فرمایا۔ کہ برس دن تک جو مشاعرہ ہو اس میں علاوہ غزل طرح کے ایک غزل اس زمین میں ہوا کرے۔ چنانچہ دو مشاعروں میں ایسا ہوا۔ ایسے معرکوں میں عوام الناس بھی شامل ہوتے ہیں۔ تیسرے جلسہ میں جب اُنہوں نے غزل پڑہی تو بعض شخصوں نے کچھ کچھ چوٹیں کیں۔ جنہیں شیخ صاحب کے طرفدار سمجھے کہ شاہ صاحب کے اشارے سے ہوئیں۔ زیادہ تر یہ کہ شاہ وجیہ الدین منیر یعنی شاہ صاحب کے صاحبزادے نے یہ شعر بھی پڑھ دیا۔

گرچہ قندیلِ سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا	ڈھانچ ہیں تو ہیں وہی اگلے برس کی تیلیاں

اس پر تکرار زیادہ ہوئی اور مشاعرہ بند کر دیا گیا۔ کہ مبادا زیادہ بے لطفی ہوجائے۔

اُنہی دنوں میں ایک دفعہ میر محمد خاں اعظم الدولہ نے کہ سرور تخلص کرتے تھے اور پرانے شاعر تھے ایک تذکرہ شعرائے اردو کا لکھا۔ استاد مرحوم اتفاقاً ان کے بالاخانے کے سامنے سے گذرے۔ اُنہوں نے بُلایا۔ اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ۔ ہمارا تذکرہ تمام ہوگیا۔ اس کی تاریخ تو کہدو۔ انہوں نے کہا کہ اچھا فکر کروں گا۔

تاریخ دربارۂ اعظم

؂ بعض بزرگوں سے سُنا کہ لالہ گھنشام داس عاصی نے پڑھا تھا وہ بھی شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ اور ان دنوں نوجوان لڑکے تھے۔ میں نے انہیں دلی میں حکیم سکھانند مرحوم کے مکان پر دیکھا تھا۔ بڈھے ہوگئے تھے۔ مگر طبیعت میں جوانوں سے زیادہ شوخی تھی۔ اسوقت کی باتیں اس طرح سناتے تھے جیسے کوئی کہانیاں کہتا ہے۔

www.urduchannel.in

اُنہوں نے کہا کہ نسیکر کی سہی نہیں۔ ابھی کہدو۔ فرماتے تھے کہ خدا کی قدرت اُن کے خطاب اور تخلص کے لحاظ سے خیال گزرا کہ دریائے اعظم دل میں حساب کیا تو عدد برابر تھے۔ میں نے جھٹ کہدیا۔ حاضرین جلسہ حیران رہ گئے۔

شہیدی مرحوم دلی میں آئے۔ امرائے شہر سے ملاقاتیں ہوئیں۔ نواب عبداللہ خاں[۲۵] صدرالصدور شعر کے عاشق تھے۔ ان سے ایک جلسہ میں میاں شہیدی نے کہا کہ آج ہندوستان میں تین شیخ ہیں۔ لکھنؤ میں ناسخ۔ دلی میں ذوق۔ دکن میں حفیظ۔ اُنہوں نے کہا کہ ناسخ کی اولیت کا سبب؟ میاں شہیدی نے۔ چمن کی شاخ۔ یاسمن کی شاخ۔ کی غزل پڑھی۔ خان موصوف نے اُستاد مرحوم سے کہا۔ انہوں نے اس غزل پر ایک بڑی سیر حاصل غزل کہی۔ اور یہ بھی کہا کہ اب جو کوئی اس طرح میں غزل کہیگا۔ ہر ایک قافیہ کو جس پہلو سے میں نے باندھ دیا ہے۔ اُسے الگ کرکے نہ باندھ سکیگا۔ نواب عبداللہ خاں کی فرمایش سے غزل اور اُنہی کی وساطت سے یہ گفتگوئیں ہوئیں تھیں۔ اُنہوں نے تجویز کی کہ مشاعرہ میں برسرمعرکہ غزلیں پڑھی جائیں۔ مگر شہیدی مرحوم بے اطلاع چلے گئے نواب نے پیچھے آدمی دوڑایا۔ اس نے بریلی میں جا پکڑا۔ مگر وہ تشریف نہ لائے۔ غزل مذکور انشاء اللہ شایقان سخن کے ملاحظہ سے گذریگی۔ خدا دیوان پورا کرے۔

ایک دن حسب معمول بادشاہ کے پاس گئے۔ اُن دنوں میں مرزا شاہرخ ایک بیٹے بادشاہ کے تھے۔ کہ انہوں نے بہت سی خدمتیں کاروبار کی قبضہ میں کر رکھی تھیں۔ اور اکثر حاضر رہا کرتے تھے۔ وہ اس وقت موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی بولے کہ لیجئے وہ بھی آہی پہنچے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ کی ایک غزل ہے۔ اس کے ہر شعر میں ایک ایک مصرع پیوند کرکے متلث کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ایجاد یہ ہے کہ مصرع جو لگے بموجب رواج قدیم کے اوپر نہ لگے۔ بلکہ ہر شعر کے نیچے ایک ایک مصرع لگے۔ کہ جس سے گویا ہر بند میں ایک ایک مطلع پیدا ہوتا جائے۔ غرض بادشاہ نے غزل انہیں دی۔ کہ استاد اس پر مصرع لگا دو

[۲۵] نواب سفر علیخان اصغر۔ شاگرد مومن۔ جنہوں نے پھر نسیم تخلص کیا یہ ان کے والد تھے۔

www.urduchannel.in

انہوں نے قلم اٹھاکر ایک شعر پر نظر کی۔ اور فوراً مصرع لگا دیا۔ اسی طرح دوسرے میں تیسرے میں۔ مسلسل غزل تمام کرکے جتنی دیر میں نظر ڈالی بے تامل ساتھ ہی مصرع لکھتے گئے اور اسی وقت پڑھکر سنائی۔ سب حیران ہوگئے۔ بلکہ مرزا شاہرخ نے کہا کہ استاد آپ گھر سے کہکر لائے تھے۔ بادشاہ بولے بھلا انہیں کیا خبر تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ خصوصاً جس حال میں ایجاد بھی ایسا نیا ہو۔ دیکھو صفحہ ۴۷۲

نقل۔ برسات کا موسم تھا۔ بادشاہ بموجب معمول کے قطب صاحب گئے ہوئے تھے مرزا فخرو بادشاہ کے صاحبزادے (کہ اخیر کو ولیعہد بھی ہوگئے تھے) ایک دن وہاں چاندنی رات میں تلاؤ کے کنارے چاندنی کی بہار دیکھ رہے تھے۔ استادِ مرحوم پاس کھڑے تھے انہیں بھی شعر کا شوق تھا۔ اور استاد کے شاگرد تھے۔ ان کی زبان سے یہ مصرع نکلا ع چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبیں تالاب پر۔ ان سے کہا کہ استاد اس پر مصرع لگائے گا۔ انہوں نے فوراً کہا۔ ع۔ تاب عکسِ رُخ سے پانی پھیرے مہتاب پر۔ نواب حامد علی خاں کے خسر نواب فضل علی خاں سے اور شیخ مرحوم سے سابقہ محبت بھی تھا۔ اس لئے نواب حامد علی خاں مرحوم بھی محبت و اخلاق سے ملا کرتے تھے۔ ایک دن دیوانِ خاص میں کھڑے ہوئے شعر سنتے سناتے تھے۔ نواب موصوف نے خواجہ وزیر کا مطلع پڑھا۔

اصلاح

جا نور جو ترے صدقہ میں رہا ہوتا ہے	اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

استاد مرحوم نے کہا کہ صدقہ میں اکثر کوا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے زیادہ تر مناسب ہے۔

زاغ بھی گر ترے صدقہ میں رہا ہوتا ہے	اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

توارد

ایک دفعہ قلعہ میں مشاعرہ تھا۔ حکیم آغا جان عیش کہ کہن سال مشاق اور نہایت زندہ دل شاعر تھے۔ استاد کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ زمین غزل تھی۔ یار دے۔ بہار دے روزگار دے۔ حکیم آغا جان عیش نے ایک شعر اپنی غزل میں پڑھا۔ [۲۵]

[۲۵] ایسی بہت اصلاحیں روز ہوجاتی تھیں۔ لکھی جائیں تو ایک کتاب بن جائے۔

www.urduchannel.in

[۲۵] اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے

ان کے ہاں بھی اسی مضمون کا ایک شعر تھا۔ باوجود اس رُتبہ کے لحاظ اور پاس مروّت حد سے زیادہ تھا۔ میرے والد مرحوم پہلو میں بیٹھے تھے ان سے کہنے لگے کہ مضمون لڑ گیا۔ اب میں وہ شعر نہ پڑھوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہ پڑھو۔ نہ پہلے سے اُنہوں نے آپ کا مضمون سُنا تھا۔ نہ آپ نے ان کا۔ ضرور پڑھنا چاہئے!۔ اس سے بھی طبیعتوں کا اندازہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک منزل پر دونو فکر پہنچے۔ مگر کس کس انداز سے پہنچے۔ چنانچہ حکیم صاحب مرحوم کے بعد ہی ان کے آگے شمع آئی اُنہوں نے پڑھا۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے

زہے طبع حاضر

ایک دن معمولی دربار تھا۔ استاد بھی حاضر تھے۔ ایک مرشد زادے تشریف لائے وہ شاید کسی اور مرشدزادی کی یا بیگمات میں سے کسی بیگم صاحب کی طرف سے کچھ

[۲۵] **حکیم آغا جان صاحب عیش**۔ بادشاہی اور خاندانی طبیب تھے۔ زیور علم اور لباس کمال سے آراستہ۔ صاحب اخلاق۔ خوش مزاج۔ شیریں کلام۔ شگفتہ صورت۔ جب دیکھو یہی معلوم ہوتا تھا کہ مسکرا رہے ہیں۔ ساتھ اس کے شعر کا عشق تھا۔ طبیعت ایسی ظریف و لطیف۔ اور لطیفہ سنج پائی تھی۔ کہ جسے شاعری کی جان کہتے ہیں۔ غزل صفائی کلام۔ شوخی مضامین اور حسن محاورہ سے پھولوں کی چھڑی ہوتی تھی۔ اور زبان گویا لطایف و ظرایف کی پھلجھڑی۔ میں نے دو دفعہ استاد کے ساتھ مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ ہائے افسوس اس وقت تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ میانہ قد۔ خوش اندام۔ سر پر ایک ایک انگل بال سفید۔ ایسی ہی ڈارھی۔ اس گوری سرخ و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی تھی۔ گلے میں ململ کا کُرتہ۔ جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے۔ میں ان دنوں دہلی کالج میں پڑھتا تھا۔ اُستاد مرحوم کے بعد ذوق سخن اور ان کے کمال کی کشش نے کھینچ کر ان کی خدمت میں بھی پہنچایا۔ اب ان صورتوں کو آنکھیں ترستی ہیں اور نہیں پاتیں ۱۸۵۷ء کے غدر کے چند روز بعد دنیا سے انتقال کیا۔ خدا مغفرت کرے * بصفحہ دیگر۔

www.urduchannel.in

عرض لیکر آئے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ بادشاہ سے کچھ کہا اور رخصت ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خاں بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی صاحب عالم اِسقدر جلدی؟ یہ آنا کیا تھا اور تشریف لیجانا کیا تھا۔ صاحب عالم کی زبان سے اسوقت نِکلا کہ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے۔ بادشاہ نے استاد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اُستاد! دیکھنا کیا صاف مصرع ہوا ہے۔ استاد نے بے توقف عرض کی کہ حضور

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ اواخر عمر کی غزل ہے۔ اس کے دو تین ہی برس بعد انتقال ہوگیا۔

ایک دن دربار سے آکر بیٹھے تھے۔ جو میں پہنچا۔ افسردہ ہوکر کہنے لگے کہ آج عجیب ماجرا گذرا۔ میں جو حضور میں گیا تو محل میں تھے۔ وہیں بلا لیا اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے اُستاد۔ آج مجھے دیر تک ایک بات کا افسوس رہا۔ میں نے حال پوچھا۔ کہا کہ وہ ! جو قصیدہ

ہُدہُد الشعرا۔ ایک شخص عبدالرحمن نام پورب کی طرف سے دلی میں آئے۔ اور حکیم صاحب کے پاس ایک مکان میں مکتب تھا۔ اس میں لڑکے پڑھانے لگے۔ حکیم صاحب کے خویش و اقارب میں سے بھی بعض لڑکے وہاں پڑھتے تھے۔ ان میں ایک لڑکا سکندر نامہ پڑھا کرتا تھا۔ حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں ساتویں دن رات کو ہر ایک لڑکے کا سبق سُنا کرتے تھے۔ سکندر نامہ کا سبق جو سُنا تو عجائب و غرایب مضامین سُننے میں آئے۔ فرمایا کہ اپنے مولوی صاحب کو کسی وقت ہمارے پاس بھیجنا۔ وہ دوسرے ہی دن تشریف لائے۔ حکیم صاحب آخر حکیم تھے۔ ملاقات ہوئی تو اول قیافہ سے پھر گفتگو سے نبض دیکھی۔ معلوم ہوا کہ شُد بُد سے زیادہ مادہ نہیں مگر یہ طرفہ معجون انسان تھوڑی سی ترکیب میں رونق محفل ہوسکتا ہے۔ پوچھا کہ آپ کچھ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ کیا مشکل بات ہے! ہو سکتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہے ۸-۹ دن باقی ہیں۔ یہ طرح کا مصرع ہے۔ آپ بھی غزل کہئے تو مشاعرہ میں لے چلیں وہ مشاعرہ کو بھی نہ جانتے تھے اسکی صورت بیان کی۔ مولویصاحب نے کہا کہ اس عرصہ میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ غزل کہہ کر لائے تو سبحان اللہ اور مولویصاحب ہی تخلص رکھا۔ حکیم صاحب کی طبع ظریف کے شغل کو ایسا الو خدا نے بھیجو دیگر

www.urduchannel.in

تم نے ہمارے لئے کہا تھا۔ اس کے وہ اشعار آج مجھے یاد آگئے۔ ان کے خیالات سے طبیعت کو عجب لطف حاصل ہوا۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ اب تم یہ قصیدے ہمارے لئے کہتے ہو۔ ہم مر جائینگے تو جو تخت پر بیٹھیگا۔ اس کے لئے کہوگے۔ میں نے عرض کی کہ حضور کچھ تردد نہ فرمائیں۔ خیمہ پیچھے گرتا ہے میخیں اور طنابیں پہلے ہی اُکھڑ جاتی ہیں۔ ہم حضور سے پہلے ہی اُٹھ جائینگے۔ اور حضور خیال فرمائیں کہ عرش آرامگاہ کے دربار کے لوگ حضور کے دربار میں کہاں تھے؟ فردوس منزل کے اُمرا ان کے عہد میں کہاں تھے۔ عرش منزل کے فردوس منزل کے دربار میں کہاں تھے۔ فردوس منزل کے امیر عرش آرامگاہ کے دربار میں کہاں تھے۔ عرش آرامگاہ کے امرا آج حضور کے دربار میں کہاں ہیں! بس یہی خیال فرمایئے جو جیسے ہوتے ہیں وہ اسی کے ساتھ جاتے ہیں۔ نیا امیر مجلس نئی ہی مجلس جما تا ہے اور اپنا

بہت تعریف کی۔ غزل کو جابجا اصلاحیں دے کر خوب لون مرچ چھڑکا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے یہ دیکھ کر حکیم صاحب کو اطمینان ہُوا۔ مولویصاحب کی کھچڑی داڑھی۔ اس پر لمبی اونچی نکیلی۔ سر منڈا ہوا۔ اس پر اُنکو عمامہ۔ فقط گھٹ بڑہیٔ نظر آتے تھے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شعرا کو تخلص بھی ایسا چاہئے کہ ظریفانہ و لطیفانہ ہو۔ اور خوشنما ہو۔ اور شان و شکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو۔ بہتر ہے کہ آپ ہُدہُد تخلص کریں۔ حضرت سلیمان کا رازدار تھا۔ اور قاصد خجستہ کام تھا۔ وغیرہ وغیرہ چنین وچنان۔ مولویصاحب نے بہت خوشی سے منظور فرمایا۔

مشاعرہ کے دن جلسہ میں گئے۔ جب اُن کے سامنے شمع آئی تو حکیم صاحب نے ان کی تعریف میں چند فقرہ مناسب وقت فرمائے۔ سب متوجہ ہوئے۔ جب انہوں نے غزل پڑہی تو تمسخر نے تالیاں بجائیں۔ ظرافت نے ٹوپیاں اُچھالیں۔ اور قہقہوں نے اتنا شور و غل مچایا کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا جوش نہ ہوا تھا۔ مولویصاحب بہت خوش ہوئے۔ چند روز اس طرح مشاعرہ کو اور بعض امراء کے جلسوں کو رونق دیتے رہے۔ مگر مکتب کے کام سے جاتے رہے۔ حکیم صاحب نے سوچا کہ ان کے گذارہ کے لئے کوئی نسخہ ضرور تجویز کرنا چاہئے۔ ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہو۔ بعوض دیگر

ہُدہُد دربار شاہی کی طرف پرواز کرتا ہے

www.urduchannel.in

سامانِ مجلس بھی اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ یہ سُنکر حضور بھی آبدیدہ ہوئے۔ میں بھی آبدیدہ ہوُا مگر خیال مجھے یہ آیا کہ دیکھو ہم ہمیشہ نماز کے بعد حضور کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ خدا شاہد ہے اپنا خیالِ اس طرح آجتک کبھی نہیں آیا۔ حضور کو ہمارا خیال بھی نہیں۔ میاں! دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔

حسبِ حال

شیخ مرحوم ضعف جسمانی کے سبب سے روزہ نہ رکھتے تھے۔ مگر اس پر بھی کسی کے سامنے کھاتے پیتے نہ تھے۔ کبھی دوا یا شربت یا پانی بھی پینا ہوتا تو یا کوٹھے پر جاکر یا گھر میں جاکر پی آتے ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ کہا کہ۔ میاں خدا کے گنہگار ہیں۔ وہ عالم نہان و آشکار کا ہے اسکی تو شرم نہیں ہوسکتی۔ بھلا بندے کی تو شرم رہے۔

تو تمہیں ایک دن دربار میں لیچلیں۔ دیکھو رزاق مطلق کیا سامان کرتا ہے۔ قصیدہ تیار ہوا۔ اور حکیم صاحب نے ہُد ہُد کو اڑا کر دربار میں پہنچادیا۔ افسوس کہ اب نہیں مل سکتا۔ یہ شعر یاد ہیں مُشتے نمونہ از خروارے۔ تحفۂ احباب کرتا ہوں۔

جو تیری مدح میں چونچ اپنی وا کر دوں
تو رشکِ باغِ ارم اپنا گھونسلا کر دوں

جو تنکے ریزکرے میرے آگے موسیقار
تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سُرا کر دوں

جو سرکشی کرے آگے مرے ہُما آکر
تو اس کے پیچ کے پر شکل نیولا کر دوں

میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور میرے لئے
فلک کہے ہے مقدر میں باجرا کر دوں

بادشاہوں اور امیروں کو سنواین بلکہ زمانہ کی طبیعت کو یہ غذا موافق ہے۔ **ظفر** تو خود شاعر تھے خطاب عطا فرمایا۔ طایر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہُدہُد الشعرا۔ منقار جنگ بہادر اور مورچھینا بھی کر دیا۔ کہ ان کی شاعری کی بُنیاد قائم ہوگئی۔ پھر تو سر پر لمبے لمبے بال ہوگئے اُن میں چنبیلی کا تیل پڑنے لگا۔ اور ڈاڑھی دوشاخہ ہوکر کانوں سے باتیں کرنے لگی۔

ڈھہتے آشیانہ باندھا

ایک برس برسات نے ان کا مکان گرا دیا۔ گھونسلے کی تلاش میں بھٹکتے پھرے مکان ہاتھ نہ آیا حکیم صاحب سے شکایت کی۔ فرمایا کہ بادشاہی مکانات شہر میں بہتیرے پڑے ہیں۔ کیا ہُد ہُد کے گھونسلے کو بھی اُن میں جگہ نہ ملیگی۔ دیکھو بندوبست کرتے ہیں۔ جھٹ عرضی موزون ہوئی۔ چند متفرق

رمضان کا مہینا تھا۔ گرمی کی شدت۔ عصر کا وقت۔ نوکر نے شربت نیلوفر کوزے میں گھول کر کوٹھے پر تیار کیا۔ اور کہا کہ ذرا اوپر تشریف لے چلئے۔ چونکہ وہ اس وقت کچھ لکھوا رہے تھے۔ مصروفیت کے سبب سے نہ سمجھے اور سبب پوچھا۔ اس نے اشارہ کیا۔ فرمایا کہ لے آؤ یہیں۔ یہ ہمارے یار ہیں۔ ان سے کیا چھپانا۔ جب اس نے کوزا لاکر دیا تو یہ مطلع کہا کہ فی البدیہہ واقع ہوا تھا۔

پلا مے آشکارا ہمکو کسکی ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

حسب حال
محبوب علیخاں خواجہ سرا سرکار بادشاہی میں مختار تھے۔ اور کیا محل کیا دربار دونوں جگہ اختیار کلی رکھتے تھے۔ مگر بشدت جُوا کھیلتے تھے۔ کسی بات پر ناخوشی ہوئی۔ میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا۔ ایک دن میں اُستاد مرحوم کے پاس بیٹھا تھا کہ کسی شخص نے آکر کہا میاں صاحب کعبۃ اللہ جاتے ہیں۔ آپ ذرا تامل کر کے مُسکرائے۔ اور یہ مطلع پڑھا

جو دل قمار خانہ میں بُت سے لگا چکے
وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

والد مرحوم نے بہ نیت وقف امام باڑہ تعمیر کیا۔ ایک دن تشریف لائے۔ اُن سے تاریخ کے لئے کہا۔ اُسی وقت تامل کر کے کہا۔ تعزیت گاہِ امام دارین۔ پُوری تاریخ ہے۔ حکیم میر فیض علی مرحوم ان کے استاد بھی تھے۔ اور انہی کا آپ علاج بھی کیا کرتے تھے بدیہہ

شعر اس کے بھی یاد ہیں۔

جُز تیرے شاہنشاہا کب کسکے آگے روئیے
کس سے کہئے جاکے یہ غم کو ہائے کھوئیے

تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہا
ہیں بجا گرنے سمند طبع کو یہاں پوئیے

حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئی عمر
کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے بوئیے

سنگلاخ ایسی زمیں ہے پیچ اید ل تا کجا
فکر کیجے صرف اسمیں اور پتھر ڈھوئیے

رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز
یا خدا کھلتے رہیں دنیا میں جبتک موئیے

دیدے اسکو بھی زمین تھوڑی کریں گھر گھونسلے
مارتا پھرتا تیرا ہُدہُد ہے ٹانک ٹوئیے

ایک سال سرکار شاہی میں تنخواہ کو دیر لگی۔ ہُدہُد نے حکیم صاحب سے شکایت کی۔ یہاں جس طرح امر منی

www.urduchannel.in

ایک دن میں بھی موجود تھا۔ نوکر نے آکر کہا کہ آج میر فیض علی کا انتقال ہوا۔ بار بار پوچھا اور ایسا اضطراب ہوا کہ اُٹھ کر ٹہلنے لگے۔ کچھ سوچ کر دفعتہً بولے کہ ہائے میر فیض علی۔ مجھ سے کہا کہ دیکھو تو یہی تاریخ ہے؟ حساب کیا تو عدد برابر تھے۔

ایک شخص نے آکر کہا کہ میرے دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ کا نام غلام محمد ہے۔ اس نے نہایت تاکید سے فرمایش لکھی ہے کہ حضرت سے ایسا سجع کہوا دو کہ جس میں دونوں نام آجائیں۔ آپ نے سُن کر تامل کیا اور کہا کہ دو تین دن میں آپ آئیگا انشاء اللہ ہوجائیگا وہ رخصت ہو کر چلے۔ ڈیوڑھی کے باہر نکلے ہونگے۔ جو نوکر سے کہا کہ محمد بخش بُلانا انہیں لینا لینا۔ خوب ہُوا ان کے تقاضے سے جلدی مخلصی ہوگئی۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ع

پدر غلام محمد پسر غلام علی۔

شکم کیلئے علاج تھے۔ اسیطرح بھوک کے تدارک کا بھی نسخہ تیار رہتا۔ ایک قطعہ راجہ دیبی سنگھ کی مدح میں موزوں ہُوا کہ اُنہی دنوں میں خانسامانی کی تنخواہ انہیں سپرد ہوئی تھی۔ ۴ شعر اسوقت یاد ہیں وہی لکھتا ہوں۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے
سلیماں نے ہے تیرے ہاتھ میں ہی رزق کی کُنجی
شکم اہلِ جہاں کے سب ہی شکر انے بجا لاتے
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اس کا

خدا کا فضل ہے جو قلعہ میں تو آ براجا ہے
تو سردار وں کا سردار اور مہاراجوں کا راجہ ہے
دمامہ تیرا جا کر گُنبدِ گردوں پہ باجا ہے
مگر ہُدہُد کو دیوے۔ کیوں؟ یہی ہُدہُد کا کھاجا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ فکرِ سخن میں رہتے تھے۔ اس میں جو ظرافت کے مضامین خیال میں آتے۔ اُنہیں موزوں کر کے ہُدہُد کی چونچ میں دیدیتے تھے۔ وہ ان کے بلکہ دو چار اور جانوروں کے لئے بھی بہت ہے۔ چند شعر یاد ہیں۔ تفریح طبع کے لئے لکھتا ہوں۔

رُباعی ہُدہُد کا مذاق ہے نرالا سب سے
سر دفترِ لشکرِ سلیماں ہے یہ
راست آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے
آشیاں سے جو غزل پڑھتے کہ ہُدہُد آیا ۔۔

انداز ہے ایک نکلا سب سے
اُڑتا بھی ہے دیکھو بالا بالا سب سے
تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
غُل پڑا پیشِ رہِ مَوکبِ سلیماں آیا

دیوان چند دلال نے ان کا کلام مُنکر مصرع طرح بھیجا اور بُلا بھیجا۔ آپ نے غزل کہکر بھیجی اور مقطع میں لکھا۔

آجکل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیاں چھوڑکر

اُنہوں نے خلعت اور پانسو روپے بھیجے۔ مگر یہ نہ گئے۔ ایک دن میں نے نہ جانے کا سبب پوچھا۔ فرمایا۔

نقل۔ کوئی مسافر دلّی میں مہینہ بیس دن رہ کر چلا۔ یہاں ایک کتا ہل گیا تھا۔ وہ وفا کا مارا ساتھ ہولیا۔ شاہدرہ پہنچکر دلّی یاد آئی اور رہ گیا۔ وہاں کے کُتّوں کو دیکھا گردنیں فربہ۔ بدن تیار چکنی چکنی پشم۔ ایک کتا انہیں دیکھکر خوش ہوا۔ اور دلّی کا سمجھکر بہت خاطر کی۔ دلہائیوں کے بازار میں لے گیا۔ حلوائی کی دوکان سے ایک بالوشاہی اُڑا کر سامنے رکھا۔ بھٹیارہ کی دوکان سے ایک کلہ جھپٹا۔ یہ ضیافتیں کھاتے اور دلّی کی باتیں

حکیم صاحب کے اشارہ پر ہُدہُد بلبلانِ سخن کو ٹھونگیں بھی مارتا تھا۔ چنانچہ بعض غزلیں سرِ مشاعرہ پڑھتا تھا۔ جسکے الفاظ نہایت سستہ اور رنگین۔ لیکن شعر بالکل بے معنے۔ اور کہدیتا تھا کہ یہ غالبؔ کے انداز میں غزل لکھی ہے۔ ایک مطلع یاد ہے۔

مرکزِ محورِ گردون بہ لبِ آب نہیں
ناخنِ قوسِ قزح شبہۂ مضراب نہیں

غالب مرحوم تو ہنستے دریا تھے سنتے تھے اور ہنستے تھے۔ مومن خاں وغیرہ نے ہُدہُد کے شکار کو ایک باز تیار کیا۔ انہوں نے اس کے بھی پر نوچے۔ مشاعرے میں خوب خوب جھپٹے ہوئے۔ مگر اس کے شعر مشہور نہیں ہوئے۔ ہُدہُد کا کوئی شعر یاد ہے۔ پہلا مطلع بھول گیا۔

جسے کہتے ہیں ہُدہُد وہ تو نر شیروں کا داما ہے
مقابل تیرے کیا ہو۔ تُو تو ایک جرّہ کی مادہ ہے

گر اب کے باز ہی میداں میں آئی سامنے میرے
تو دُم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے
ہوا معلوم یہ تب سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے

ادب لے بے ادب۔ اب تک نہیں تجکو خبر اسکی
کہ ہُدہُد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہے

چند روز کے بعد **باز** اُڑ گیا یاروں نے ایک کوّا تیار کیا **زاغ** تخلص رکھا۔ بصنوِ دیگر

www.urduchannel.in

سُناتے رہے۔ تیسرے دن رخصت مانگی۔ اس نے روکا۔ انہوں نے دِلّی کے سیر تماشے اورخوبیوں کے ذکر کئے۔ آخر چلے اور دوست کو بھی دِلّی آنے کی تاکید کر آئے۔ اُسے بھی خیال رہا اور ایک دن دِلّی کا رُخ کیا۔ پہلے ہی مرگھٹ کے کُتّے مردارخوار۔ خونی آنکھیں کالے کالے منہ نظر آئے۔ یہ لڑتے بھڑتے نکلے۔ دریا ملا۔ دیر تک کنارہ پر پھرے۔ آخر کُود پڑے۔ مر کھپ کر پار پہنچے۔ شام ہوگئی تھی۔ شہر میں گلی کوچوں کے کُتّوں سے بچ بچاکر ڈیڑھ پہر رات گئی تھی جو دوست سے ملاقات ہوئی۔ یہ بیچارے اپنی حالت پر شرمائے بظاہر خوش ہوئے اور کہا اہو اسوقت تم کہاں؟ دلمیں کہتے تھے کہ رات نے پردہ رکھا ورنہ دن کو یہاں کیا دھرا تھا۔ اُسے لیکر اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ یہ چاندنی چوک ہے۔ یہ دریبہ ہے۔ جامع مسجد ہے۔ مہمان نے کہا۔ یار بھوک کے مارے جان نکلی جاتی ہے سیر ہوجائیگی۔ کچھ کھلواؤ تو سہی۔ انہوں نے کہا عجب وقت تم آئے ہو اب کیا کروں۔ ہائے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جاتی کبابی مرچوں کی ہانڈی بھول گئے تھے۔ انہوں نے کہا لو یار بڑے قسمت والے ہو۔ وہ دِن بھر کا بھوکا تھا۔ مُنہ پھاڑ کر گرا۔ اور ساتھ ہی منہ سے

اِنہوں نے اسکی بھی خوب خبر لی۔ وہ بھی چند روز میں آندھی کا کوّا ہوکر غایب غُلا ہوگیا۔

جون آیا ہے بدل اب کے عدو کوّے کی
اسکی ہے پاؤں سے تا سر وہی خو کوّے کی

وہی کاں کاں وہی کھیں کھیں وہی ٹاں ٹاں اسکی
بات چھوڑی نہیں ہاں ایک سرِ مو کوّے کی

پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوّا ہوگا
پھر جو معلوم کیا۔ ہے یہ بہو کوّے کی

بنکے کوّا جو یہ آیا ہے تو لے ہُدہُد شاہ
دُم کتر دینے کو کچھ کم نہیں تو کوّے کی

جو جانور ہُدہُد کے مقابل ہوتے تھے انہیں استقلال نہ تھا۔ چند روز میں ہوا ہوجاتے تھے۔ کیونکہ اپنے والوں کی طبیعتوں میں استقلال اور مادّہ نہ تھا۔ ہمیشہ ان کے ڈھب کی غزل کہکر مشغلہ جاری کہنا اور مشاعرہ کی غزل کا حسبِ حال تیار کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انکے آذوقہ کو استقلال نہ تھا۔ ان کا آذوقہ سرکار بادشاہی سے تو مقرر ہی تھا۔ اور اِدھر اُدھر سے چر چُگ کر جو بُرّہ و مادہ لاتے تھے۔ وہ انکی چاٹ تھی۔

www.urduchannel.in

مغز تک گویا باروت اُڑ گئی۔ چھینک کر پیچھے ہٹا اور جلکر کہا واہ یہی دِلّی! انہوں نے کہا اس چٹخارے ہی کے مارے تو پڑے ہیں۔

عادت تھی کہ سات آٹھ بجے مکان ضرور جاتے تھے اور تین چار چلمیں حقہ کی وہاں پیتے تھے۔ میں چھٹی کے دن اس وقت جایا کرتا تھا۔ اور دن بھر وہیں رہتا تھا۔ مکان ضرور ڈیوڑھی میں تھا۔ پانو کی آہٹ پہچانتے تھے۔ پوچھتے کہ تم ہو؟ میں تسلیم عرض کرتا چھوٹی سی انگنائی تھی۔ پاس ہی چار پائی۔ وہیں بیٹھ جاتا۔ فرماتے۔ ابی ہمارا وہ شعر اُستاد نے کیا پڑھا تھا؟۔ ایک دو لفظ اسکے پڑھتے۔ میں سارا شعر عرض کرتا۔ فرماتے۔ ہاں اب اسے یوں بنا لو۔ ایک دن ہنستے ہوئے پاخانے سے نکلے۔ فرمایا کہ لوجی ۳۲ برس کے بعد آج اصلاح دینی آئی ہے۔ حافظ ویراں نے کہا۔ حضرت کیونکر؟۔ فرمایا۔ ایکدن شاہ نصیر مرحوم کسی شاگرد کو اصلاح دے رہے تھے۔ اسمیں مصرع تھا۔ ع کھاتی کمر ہے تین بل ایک گدگدی کیساتھ۔ ابتدائے مشق تھی۔ اتنا خیال میں آیا کہ یہاں کچھ اور ہونا چاہئے اور جب سے اکثر یہ مصرع کھٹکتا رہتا تھا۔ آج وہ نکتہ حل ہوا۔ عرض کی۔ حضرت پھر کیا؟۔ فرمایا۔ ع کھاتی ہے تین تین بل ایک گدگدی کیساتھ۔ کمر کو اوپر ڈالدو۔ عرض کی پھر وہ کیونکر۔ ۳۔ ۴ مصرع اُلٹ پلٹ کئے تھے۔ ایک اسوقت خیال میں ہے۔

بل بے کمر کہ زلفِ مسلسل کے پیچ میں
کھاتی ہے تین تین بل ایک گدگدی کیساتھ

کابلی دروازہ پاس ہی تھا۔ شام کو باہر نکلکر گھنٹوں ٹہلتے تھے۔ میں اکثر ساتھ ہوتا تھا مضامین کتابی۔ خیالات علمی۔ افادہ فرماتے۔ شعر کہتے۔ ایکدن بادشاہ کی غزل کہہ رہے تھے۔ تیر ہمیشہ۔ تصویر ہمیشہ۔ سوچتے سوچتے کہنے لگے۔ تم بھی تو کچھ کہو۔ میں نے کہا کیا عرض کروں۔ فرمایا۔ میاں! اسی طرح آتا ہے۔ ہُوں ہاں۔ غوں غاں کچھ تو کہو۔ کوئی مصرع ہی سہی۔ میں نے کہا ع سینہ سے لگائے تری تصویر ہمیشہ۔ ذرا تامل کرکے کہا ہاں درست ہے۔

آجائے اگر ہاتھ تو کیا چین سے رہئے
سینہ سے لگائے تری تصویر ہمیشہ

www.urduchannel.in

اب جو کبھی دلی جانا ہوتا ہے اور اس مقام پر گذر ہوتا ہے تو آنسو نکل پڑتے ہیں۔
اس مطلع پر حضور نے کئی دفعہ جال ڈالے مگر یہ ٹال گئے۔ مضمون آنہ سکا۔ مطلع انھوں نے دیا

کیا کہوں اُس ابروئے پیوستہ کے دل بس میں ہے   ایک طعمہ مچھلیاں دو کشمکش آپسمیں ہے

بادشاہ کے چار دیوان ہیں۔ پہلے میں کچھ غزلیں۔ شاہ نصیرؔ کی اصلاحی ہیں۔ کچھ میر کاظم حسین بیقرارؔ کی ہیں۔ غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سراپا حضرت مرحوم کے ہیں جن سنگلاخ زمینوں میں قلم کو چلنا مشکل ہے۔ ان کا نظام وسرانجام اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ دل شگفتہ ہوتے ہیں۔ والد مرحوم کہا کرتے تھے کہ بادشاہ تمہارا زمین کا بادشاہ ہے۔ طرحیں خوب نکالتا ہے مگر تم سرسبز کرتے ہو۔ ورنہ شورزار ہو جائے۔ مسودۂ خاص میں کوئی شعر پورا۔ کوئی ڈیڑھ مصرع۔ کوئی ایک۔ کوئی آدھا مصرع فقط بحر اور ردیف قافیہ معلوم ہو جاتا تھا۔ باقی بخیر۔ یہ اُن ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھا کر حسن وعشق کی پُتلیاں بنا دیتے تھے۔ ایجادی فرمائشوں کی حد نہ تھی۔ چند شعر اُس غزل کے لکھتا ہوں۔ جسکے ہر شعر کے نیچے مصرع لگایا ہے۔

یا تو افسر میرا شاہانہ بنایا ہوتا   یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
ورنہ ایسا جو بنایا نہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ذوق دیا تھا مجکو   عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا
دل کو میرے خم و خمخانہ بنایا ہوتا

اس خرد نے مجھے سرگشتہ و حیران کیا   کیوں خردمند بنایا نہ بنایا ہوتا
تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ   ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا
بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

ایک بڈّھا چُورن مرچن کی پُڑیاں بیچتا پھرتا تھا۔ اور آواز دیتا تھا۔ ترے مُن چلیکا سودا ہے لکھتا اور میٹھا۔ حضور نے سُنا۔ ایک دو مصرع اسپر لگا کر اُستاد کو بھیج دیئے۔ انہوں نے

www.urduchannel.in

دس دوہرے لگا دیئے۔ حضور نے نے رکھی کئی کنچنیاں ملازم تھیں۔ اُنہیں یاد کروا دیئے۔ دوسرے دن بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ دو بند یاد رہ گئے۔

لے ترے من چلیکا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

گنجڑے کی سی ہاٹ ہے دنیا جس ہے ساری اٹکھی
میٹھی چاہے میٹھی لے لے کھٹی چاہے کھٹی

لے ترے من چلیکا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

روپ رنگ پہ بھولے ولیکن یہ عقل کے بیری
اوپر میٹھی نیچے کھٹی۔ اَنبوا کی سی کیری

لے ترے من چلیکا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

ایک فقیر صدا کہتا تھا۔ کچھ راہِ خدا دیجا۔ جا تیرا بھلا ہوگا۔ حضور کو پسند آئی۔ ان سے کہا انہوں نے بارہ دوہرے اُس پر لگا دیئے۔ مدتوں تک گھر گھر سے اسی کے گانے کی آواز آتی تھی۔ اور گلی گلی لوگ گاتے پھرتے تھے۔ (حافظ ویراں کو خدا اسلامت رکھے اُنہی نے یہ شعر بھی لکھوائے)

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

محتاج خرابات یا پاک نمازی ہے
کچھ کر نہ نظر اس پر۔ وہاں بندہ نوازی ہے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا کے کیا کرتا ہے سینکڑوں تو دھندے
پر کام خدا ابھی کرلے کوئی یہاں بندے

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا ہے سرا اسمیں تو بیٹھا مسافر ہے
اور جانا ہے یہاں سے۔ جانا تجھے آخر ہے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھکو تو نام پہ رب کے دے
گر یہاں نہ دیا تونے۔ وہاں دیویگا کیا بندے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دیویگا اسی کو تو وہ جسکو ہے دلواتا
پر ہے یہ ظفر مجھکو۔ آواز سنا جاتا

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

www.urduchannel.in

اس طرح کی ہزاروں چیزیں تھیں۔ ٹپے ٹھمریاں۔ پہیلیاں۔ سیٹھنیاں۔ کہاں تک لکھوں ایک دن ٹہل رہے تھے۔ حافظ ویراں ساتھ تھے۔ بہ تقاضائے استنجا بیٹھ گئے۔ اور وقت معیّن سے زیادہ دیر ہوئی۔ انہوں نے قریب جاکر خیال کیا۔ تو کچھ گنگنا رہے ہیں اور چٹکی سے جُوتی پر کھٹ کھٹ کرتے جاتے ہیں۔ پوچھا۔ کہ ابھی آپ فارغ نہیں ہوئے؟ فرمایا کہ حضور رستے چلتے چلتے ایک ٹھمری کے دوتین انترے سُنائے تھے۔ کہ اسے پورا کر دینا اسوقت اس کا خیال آگیا۔ پوچھا کہ یہ جوتی پر آپ چٹکی کیوں مارتے تھے؟ فرمایا کہ دیکھتا تھا اس کے لفظ تال پر ٹھیک بیٹھتے ہیں یا نہیں۔

حافظ ویراں کہتے ہیں ایک دن عجب تماشہ ہوا۔ آپ بادشاہ کی غزل کہہ رہے تھے مطلع ہوا کہ

ابرو کی اُسکے بات ذرا چل کے تھم گئی
تلوار آج ماہ لقا چل کے تھم گئی

دوتین شعر ہوئے تھے کہ خلیفہ اسمٰعیل دربار سے پھر کر آئے اور کہا کہ اسوقت عجب معرکہ دیکھا استاد مرحوم متوجہ ہوئے۔ اُنہوں نے کہا کہ جب میں بھوانی شنکر کے چھتّے کے پاس پہنچا تو کھاری باولی کے رُخ پر دیکھا کہ دوتین آدمی کھڑے ہیں اور آپسمیں تکرار کر رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں ایسی بگڑی کہ تلوار کھچ گئی۔ اور دوتین آدمی زخمی بھی ہوئے۔ یہاں جو غزل کے شعر حافظ ویراں سُن رہے تھے۔ ہنسکر بولے کہ حضرت آپ کیا وہاں موجود تھے آہستہ سے فرمایا کہ یہیں بیٹھے بیٹھے سب کچھ ہوجاتا ہے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ انہیں کرامات تھی یا وہ غیب داں تھے۔ ایک حُسنِ اتفاق تھا۔ اہلِ ذوق کے لطف طبع کے لئے لکھ دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک دن حضور میں غزل ہوئی جس کا مطلع تھا۔

آج ابرو کی ترے تصویر کھچکر رہ گئی
سُنتے ہیں بھوپال میں شمشیر کھچکر رہ گئی

پھر معلوم ہوا کہ اُسی دن بھوپال میں تلوار چلی تھی۔ ایسے معاملے کتب تاریخ اور تذکروں میں اکثر منقول ہیں۔ طول کلام کے خیال سے قلم انداز کرتا ہوں۔

ایک دفعہ دوپہر کا وقت تھا۔ باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ آنکھ کھلی تو فرمایا کہ ابھی خواب

www.urduchannel.in

میں دیکھا کہیں آگ لگی ہے۔ اتنے میں خلیفہ صاحب آئے اور کہا کہ پیر بخش سوداگر کی کوٹھی میں آگ لگ گئی تھی۔ بڑی خیر ہوئی کچھ نقصان نہیں ہوا۔

ایک شب والدِ مرحوم کے پاس آکر بیٹھے۔ کہا کہ بادشاہ کی غزل کہنی ہے لاؤ یہیں کہہ لیں۔ کئی فرمائشیں تھیں۔ ان میں سے یہ طرح کہنی شروع کی۔ محبت کیا ہے۔ صورت کیا ہے مصیبت کیا ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت۔ زمین شگفتہ نہیں۔ سکوت کر کے فرمایا۔ کہنے والے شگفتہ کر ہی لیا کرتے ہیں۔ پھر یہ دو مطلع پڑھے۔

(سودا) نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے	نہیں ہے اعتبار اسکا یہ منہ دیکھے کی اُلفت ہے
(میر) بگولے سے جسے آسیب اور صرصر سے نکبت ہے	ہماری خاکیوں برباد ہو اے ابر رحمت ہے

اتفاق۔ فرماتے تھے کہ ایک دن بادشاہ نے غزل کا مسودہ دیا اور فرمایا کہ اسے ابھی درست کر کے دے جانا۔ موسم برسات کا تھا۔ ابر آرہا تھا۔ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ میں دیوانِ خاص میں جا کر اُسی رُخ پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اور غزل لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو پُشت پر ایک صاحب دانائے فرنگ کھڑے ہیں مجھ سے کہا آپ کیا لکھتا ہے؟ میں نے کہا غزل ہے پوچھا آپ کون ہے؟ میں نے کہا کہ نظم میں حضور کی دُعا گوئی کیا کرتا ہوں۔ فرمایا۔ کس زبان میں؟ میں نے کہا اُردو میں۔ پوچھا آپ کیا کیا زبانیں جانتا ہے؟ میں نے کہا فارسی۔ عربی بھی جانتا ہوں۔ فرمایا۔ اُن زبانوں میں بھی کہتا ہے؟ میں نے کہا کوئی خاص موقع ہو تو اُسمیں بھی کہنا پڑتا ہے ورنہ اردو ہی میں کہتا ہوں کہ یہ میری اپنی زبان ہے۔ جو کچھ انسان اپنی زبان میں کر سکتا ہے غیر کی زبان میں نہیں کر سکتا پوچھا۔ آپ انگریزی جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیوں نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کہ ہمارا لب و لہجہ اُسکے موافق نہیں۔ وہ ہمیں آتی نہیں ہے۔ صاحب نے کہا۔ وَل یہ کیا بات ہے۔ دیکھئے ہم آپکا زبان بولتے ہیں۔ میں نے کہا پختہ سالی میں غیر زبان نہیں آسکتی۔ بہت مشکل معاملہ ہے۔ اُنہوں نے پھر کہا کہ وَل ہم آپکی تین زبان ہندوستان میں آکر سیکھا۔ آپ ہمارا ایک زبان نہیں سیکھ سکتے۔ یہ کیا بات ہے؟ اور تقریر کو طول دیا۔ میں نے کہا

صاحب ہم زبان کا سیکھنا اسے کہتے ہیں کہ اسمیں بات چیت ہر قسم کی تحریر تقریر اسطرح کریں جس طرح خود اہلِ زبان کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ام آپکا تین زبان سیکھ لیا بھلا یہ کیا زبان ہے اور کیا سیکھنا ہے۔ اسے زبان کا سیکھنا اور بولنا نہیں کہتے۔ اسے تو زبان کا خراب کرنا کہتے ہیں۔

غزلیں

مرے سینہ سے تیرا تیر جب اے جنگجو نکلا
دہانِ زخم سے خوں ہو کے حرفِ آرزو نکلا

مرا گھر تیری منزل گاہ ہو ایسے کہاں طالع
خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا

پھرا گر آسماں تو شوق میں تیرے ہے سرگرداں
اگر خورشید نکلا تیرا گرمِ جستجو نکلا

مئی عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسماں سے ہم
کہ آخر جب اسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا

ترے آتے ہی آتے کام آخر ہو گیا میرا
رہی حسرت کہ دم میرا نہ تیرے روبرو نکلا

کہیں تجھکو نہ پایا گرچہ ہمنے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا

خجل اپنے گناہوں سے ہوں میں یہاں تک کہ جب رویا
تو جو آنسو مرے آنکھوں سے نکلا سرخرو نکلا

گھسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹی سرِ سوزن
مگر تھا دل میں جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

اُسے عیّار پایا یار سمجھے **ذوق** ہم جسکو
جسے یہاں دوست اپنا ہمنے جانا وہ عدو نکلا

لکھئے اُسے خط میں کہ ستم اُٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اُٹھ نہیں سکتا

بیمار ترا صورتِ تصویر نہالی
کیا اُٹھے سرِ بسترِ غم اُٹھ نہیں سکتا

آتی ہے صدائے جرسِ ناقۂ لیلیٰ
پر حیف کہ مجنوں کا قدم اُٹھ نہیں سکتا

جوں دانۂ روئیدہ تہِ خاک ہمارا
سر زیرِ گرانبارِ الم اُٹھ نہیں سکتا

ہر داغ معاصی مرا اس دامنِ تر سے
جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اُٹھ نہیں سکتا

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

پردہ درِ کعبہ سے اٹھانا تو ہے آساں
پر پردۂ رخسارِ صنم - اٹھ نہیں سکتا

کیوں اتنا گرانبار ہے - جو خفتِ سفر بھی
نے راہروِ ملکِ عدم - اٹھ نہیں سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق!
کچھ فائدہ بے دستِ کرم اٹھ نہیں سکتا

قوم کی غزل بھی دیکھو

الٰہی کس بے گنہ کو مارا سمجھ کے قاتل نے کشتنی ہے
کہ آج کوچہ میں اسکے شور بایِّ ذنبٍ قُتِلَتْ ہے

زمیں پہ نورِ قمر کے گرنے میں صاف اظہار روشنی ہے
کہ جو ہیں روشن ضمیر انکو فروغ انکی فروتنی ہے

غمِ جدائی میں تیرے ظالم کہوں کیا مجھ پہ کیا بنی ہے
جگر گدازی ہے سینہ کاوی ہے دلخراشی ہے جانکنی ہے

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اسکی فروتنی ہے
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اسی کے جلوہ کی روشنی ہے

ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے ہم آشنا جنگ و آشتی ہے
اگر نہ ہو یہ تو پھر کسی سے نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے

کوئی ہے کافر کوئی مسلماں جدا ہر ایک کی ہے راہِ ایماں
جو اسکے نزدیک بہتری ہے وہ اسکے نزدیک بہتری ہے

ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اسقدر آستین و دامن
کہ میری تر دامنی کے آگے عرق عرق پاکدامنی ہے

نہیں ہے قانع کو خواہشِ زر - وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں ناکیمیا گر ہمیشہ محتاج و دل غنی ہے

لگا نہ اس بتکدہ میں تو دل کہ ہے طلسمِ شکست غافل
کہ کوئی کیسا ہی خوش شمائل صنم ہے آخر شکستنی ہے

تکلفِ منزلِ محبت نکر چلا چل تو بے تکلف
کہ جا بجا خار زارِ وحشت سے زیرِ پا فرش سوزنی ہے

خدنگِ مژگاں سے ذوق اسکے دل اپنا سینہ سپر جب ہے
مثالِ آئینہ سخت جانی سے سینہ دیوارِ آہنی ہے

دریائے اشکِ چشم سے جس آن بہ گیا
سن لیجیو کہ عرش کا ایوان بہ گیا

بل بے گدازِ عشق کہ خوں ہو کے دل کے ساتھ
سینہ سے تیرے تیر کا پیکان بہ گیا

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں؟
کیا ڈیڑھ چلو پانی سے ایمان بہ گیا

ہے موجِ بحرِ عشق وہ طوفاں کہ الحفیظ
بیچارہ مشتِ خاک تھا انسان بہ گیا

دریائے عشق میں دمِ تحریرِ حالِ دل
کشتی کی طرح میرا قلمدان بہ گیا

یہ روئے پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے
نالہ سا ایک سوئے بیاباں بہ گیا

www.urduchannel.in

تھا تو بہا میں بیش پر اس لب کے سامنے
سب مول تیرا لعل بدخشاں بہ گیا

کشتی سوارِ عمر ہے بحرِ فنا میں جسم
جس دم بہا کے لے گیا طوفان بہ گیا

پنجاب میں بھی وہ نہ رہی آب و تابِ حسن
اے ذوق پانی اب تو وہ ملتان بہ گیا

پاک رکھ اپنا دہاں ذکرِ خدائے پاک سے
کم نہیں ہرگز زباں منہ میں ترے مسواک سے

جب بنی تیرِ حوادث کی کماں افلاک سے
خاک کا تودہ بنا انساں کی مشتِ خاک سے

جسطرح دیکھے قفس سے باغ کو مرغِ اسیر
جھانکتا ہے یوں تجھے دل سینۂ صد چاک سے

تیرے صیدِ نیم جاں کی جاں نکلتی ہی نہیں
باندھ رکھا ہے اسے بھی تو نے کیا فتراک سے

مجکو دوزخ۔ رشکِ جنت ہو اگر میرے لئے
وہاں بھی آتش ہو کسی کے روئے آتشناک سے

آفتابِ حشر ہے یارب کہ نکلا گرم گرم
کوئی آنسو دل جلوں کے دیدۂ نمناک سے

چشم کو بے پردہ ہو کسطرح نظارہ نصیب
جبکہ وہ پردہ نشیں پردہ کرے ادراک سے

ہیت ساقی نامہ کی لکھو کو بھی جائے دعا
مے پرستوں کے کفن پر چوبِ کلکِ تاک سے

عیبِ ذاتی کو کوئی کھوتا ہے حسنِ عارضی!
زیب بد اندام کو ہو ذوق کیا پوشاک سے

جینا ہمیں اصلا نظر اپنا نہیں آتا
گر آج بھی وہ رشکِ مسیحا نہیں آتا

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

دینا دلِ مضطر کو تری کچھ تو نشانی
پر خط بھی ترے ہاتھ کا لکھا نہیں آتا

کیا جانے اسے وہم ہے کیا میری طرف سے
جو خواب میں بھی رات کو تنہا نہیں آتا

آیا ہے دم آنکھوں میں دمِ حسرتِ دیدار
پر لب پہ کبھی حرف تمنا نہیں آتا

کس دم نہیں ہوتا قلقِ ہجر ہے مجکو
کس وقت مرا منہ کو کلیجہ نہیں آتا

میں جاتا جہاں سے ہوں تو آتا نہیں ہیہات
کافر تجھے کچھ خوف خدا کا نہیں آتا؟

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہائیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

www.urduchannel.in

ہستی سے زیادہ ہے کچھ آرام عدم میں
جو جاتا ہے یہاں سے وہ دوبارہ نہیں آتا

آتا ہے تو آجا کہ کوئی دم کی ہے فرصت
پھر دیکھئے آتا بھی ہے دم یا نہیں آتا

غافل ہے بہارِ چمنِ عمرِ جوانی!
کر سیر کہ موسم یہ دوبارہ نہیں آتا

ساتھ ان کے ہیں ہم سایہ کی مانند ولیکن
اس پر بھی جدا ہیں کہ لپٹنا نہیں آتا

دُنیا ہے وہ صیاد کہ سب دام میں اسکے
آجاتے ہیں لیکن کوئی دانا نہیں آتا

دل مانگا مفت اور یہ پھر اس پہ تقاضا
کچھ قرض تو بندہ پہ تمہارا نہیں آتا

بے جا ہے دلا اس کے نہ آنیکی شکایت
کیا کیجے گا فرمائیے اچھا نہیں آتا

جاتی رہی زلفوں کی لٹک دل سے ہمارے
افسوس کچھ ایسا ہمیں ٹکا نہیں آتا

جو کوچۂ قاتل میں گیا پھر وہ نہ آیا
کیا جانے مزا کیا ہے کہ جیتا نہیں آتا

آئے تو کہاں جائے نہ آجی سے کوئی جائے
جب تک اسے غصہ نہیں آتا نہیں آتا

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

مزے یہ دل کیلئے تھے نہ تھے زباں کیلئے
سو ہمنے دلمیں مزے سوزشِ نہاں کیلئے

نہیں ثبات بلندیٔ عزّ و شاں کے لئے
کہ ساتھ ابر کے پستی ہے آسماں کے لئے

ہزار لطف ہیں جوہر ستم میں جاں کے لئے
ستم شریک ہوا کون آسماں کے لئے

فروغ عشق سے ہے روشنی جہاں کیلئے
یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کیلئے

صبا جو آئے خس و خار گلستاں کے لئے
قفس میں کیونکہ نہ پھڑکے دل آشیاں کیلئے

دمِ عروج ہے کیا فکر نردباں کے لئے
کمندِ آہ تو ہے بام آسماں کے لئے

سدا تپش پہ تپش ہے دلِ تپاں کے لئے
ہمیشہ غم پہ ہے غم جانِ ناتواں کے لئے

مجھ کے چومنے ہی پر ہے حج کعبہ اگر
تو بوسہ ہمنے بھی اس سنگ آستاں کیلئے

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شئے
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کیلئے

جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں بکتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کیلئے

www.urduchannel.in

خلش سے عشق کے ہے خارِ پیرہن تنِ زار
ہمیشہ اس ترے مجنون ناتواں کے لئے

تپش سے عشق کی یہ حال ہے میرا گویا
بجائے مغز ہے سیماب استخواں کیلئے

مرے مزار پہ کس دھج سے نہ برسے نور
کہ جان دی ترے روئے عرق فشاں کیلئے

الٰہی کان میں کیا اس صنم نے پھونک دیا
کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کیلئے

نہیں ہے خانہ بدوشوں کو حاجتِ سامان
اثاثہ چاہیئے کیا خانۂ کماں کے لئے

نہ دل رہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے
رہا ہے سینہ میں کیا چشمِ خونفشاں کیلئے

نہ لوحِ گور پہ سنتوں کے ہو نہ ہو تعویذ
جو ہو تو خشتِ خمِ مے کوئی نشاں کے لئے

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس
بہشت ہے ہمیں آرامِ جاوداں کیلئے

وہ مول لیتے ہیں جسدم کوئی نئی تلوار
لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحاں کے لئے

صریحِ چشمِ سخنگو تری کہے نہ کہے
جواب صاف ہے پر طاقت و تواں کے لئے

رہے ہے ہول کہ برہم نہ ہو مزاج کہیں
بجا ہے ہولِ دل ان کے مزاجداں کیلئے

مثال نے ہے میرا جبتلک کہ دم میں دم
فغاں ہے میرے لئے اور میں فغاں کیلئے

بلند ہووے اگر کوئی میرا شعلۂ آہ
تو ایک اور ہو خورشید آسماں کے لئے

چلیں ہیں دیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم
شکست توبہ لئے ارمغاں مغاں کیلئے

وبال دوش ہے اس ناتواں کو سر لیکن
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لئے

بیانِ دردِ محبت جو ہو تو کیونکر ہو
زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کیلئے

اشارہ چشم کا تیرے یکایک اے قاتل
ہوا بہانہ میری مرگ ناگہاں کے لئے

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

نواب اصغر علیخان نسیم کے مشاعرہ میں غزل مذکورۂ بالا طرح ہوئی تھی۔ وہ اور مومن خاں صاحب کہ انکے اُستاد تھے۔ اُستادِ مرحوم کیخدمت میں آئے۔ اور بڑے اصرار سے لے گئے۔ یہ پہلا مشاعرہ تھا۔ جو بندۂ آزاد نے دیدۂ شوق سے دیکھا۔ غالب مرحوم تشریف نہیں لئے

سحر غزل لکھی تھی۔ ان دونوں اُستادوں کی غزلیں بھی لکھدی ہیں۔ اہل نظر لطف حاصل کریں۔

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب

مرزا صاحب کو اصلی شوق فارسی کی نظم و نثر کا تھا۔ اور اسی کمال کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ تصانیف اُنکی اردو میں بھی چھپی ہیں اور جسطرح امرا و رؤسائے اکبر آباد میں علو خاندان سے نامی اور میرزائے فارسی ہیں۔ اسی طرح اُردوئے مُعلّیٰ کے مالک ہیں اس لئے واجب ہے کہ اُن کا ذکر اس تذکرہ میں ضرور کیا جائے۔ نام **اسد اللہ** تھا۔ پہلے **اسد** تخلص کرتے تھے۔ بعجز میں کوئی فرومایہ سا شخص اسد تخلص کرتا تھا ایکدن اس کا مقطع کسی نے پڑھا۔

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب	ارے او شیر رحمت ہے خدا کی

سُنتے ہی اس تخلص سے جی بیزار ہوگیا۔ کیونکہ انکا ایک یہ بھی قاعدہ تھا کہ عوام الناس کیساتھ اشتراکِ حال ہونے کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۴۵؁ھ و ۱۸۲۸؁ء میں اسد اللہ الغالب کی مناسبت سے **غالب** تخلص اختیار کیا لیکن جن غزلوں میں **اسد** تخلص تھا۔ انہیں اسی طرح رہنے دیا۔

خاندان کا سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے جب تورانیوں کا چراغ کیانیوں کی ہوائے اقبال سے گُل ہوا۔ تو غریب خانہ برباد جنگلوں۔ پہاڑوں میں چلے گئے۔ مگر جوہر کی کشش نے تلوار ہاتھ سے نہ چھوڑی۔ سپاہ گری ہمت کی بدولت رونق پیدا کرنے لگی سینکڑوں برس کے بعد پھر اقبال دھڑکا۔ اور تلوار سے تاج نصیب ہوا چنانچہ سلجوقی خاندانکی بادشاہی انہی میں قایم ہوگئی۔ مگر اقبال کا جھکنا بجھوکا ہوا کا ہے۔ کئی پشتوں کے بعد اسی نے پھر رُخ پلٹا۔ اور سمرقند میں جسطرح اور شرفا تھے اُس طرح سلجوقی شہزادوں کو بھی گھروں میں بٹھا دیا۔ مرزا صاحب کے دادا گھر چھوڑ کر نکلے۔ **شاہ عالم** کا زمانہ تھا۔ کہ **دہلی** میں آئے یہاں

۱؎ دیوان فارسی میں ہے۔ وہ شعر کا ایک قطعہ لکھا ہے بعض اشخاص کا قول ہے کہ ذوق کی طرف چشمک ہے۔ عرفی [illegible]
[illegible] کا ایک شعر ہے [illegible] در گفتار [illegible]

www.urduchannel.in

بھی سلطنت میں کچھ نہ رہا تھا۔ صرف پچاس گھوڑے اور نقارۂ نشان سے شاہی دربار میں عزت پائی۔ اور اپنی لیاقت اور خاندان کے نام سے ۶۰۰ سو کا ایک پرگنہ سیر حاصل ذات اور رسالے کی تنخواہ میں لیا۔ **شاہ عالم** کے بعد طوایف الملوکی کا ہنگامہ گرم ہوا وہ علاقہ بھی نہ رہا۔ اُنکے والد **عبداللہ بیگ خاں لکھنؤ** جا کر نواب **آصف الدولہ** مرحوم کے دربار میں پہنچے۔ چند روز بعد **حیدر آباد** میں جا کر نواب **نظام علیخان بہادر** کے سرکار میں ۳۰۰ سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہے۔ کئی برس کے بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں یہ صورت بھی بگڑی۔ وہاں سے گھر آئے اور **الور** میں راجہ **بختاور سنگھ** کی ملازمت اختیار کی۔ یہاں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ اُسوقت مرزا کی ۵ برس کی عمر تھی **نصر اللہ بیگ خاں** حقیقی چچا مرہٹوں کیطرف سے **اکبر آباد** کے صوبہ دار تھے انہوں نے دُرِ یتیم کو دامن میں لے لیا۔ ۱۸۰۶ء میں **جرنیل لیک صاحب** کا عمل ہوا تو صوبہ داری کمشنری ہو گئی۔ ان کے چچا کو سواروں کی بھرتی کا حکم ہوا۔ اور ۴۰۰ سو سوار کے افسر مقرر ہوئے ۱۷۰۰ سو روپیہ مہینا ذات کا۔ اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر۔ **سونک سون** کے پرگنہ پر حین حیات مقرر ہو گئی۔

مرزا چچا کے سایہ میں پرورش پاتے تھے۔ مگر اتفاق یہ کہ مرگ ناگہانی ۱۸۰۶ء میں مر گئے رسالہ[1] برطرف ہو گیا۔ جاگیر ضبط ہو گئی۔ بزرگوں نے **لاکھوں** روپیہ کی جائداد چھوڑی تھی قسمت سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ وہ امیر زادہ جو شاہانہ دل و دماغ لے کر آیا تھا۔ اسے **ملکِ سخن** کی حکومت اور مضامین کی دولت پر قناعت کرکے غریبانہ حال سے زندگی بسر کرنی پڑی۔ بہت تدبیریں اور وسیلے درمیان آئے۔ مگر سب کھیل بن بنکر بگڑ گئے۔ چنانچہ اخیر میں کسی دوست نے انہیں لکھا تھا۔ کہ **نظام دکن** کیلئے قصیدہ لکھکر فلاں ذریعہ سے بھیجو۔ اسکے جواب میں آپ فرماتے ہیں"۔ ۵ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا۔ ۹ برس کا اردوئے معلیٰ صفحہ ۱۴۳

[1] اصل حال یہ ہے کہ جب مرزا نے اپنا دعویٰ کلکتہ میں پیش کیا تو سرکار نے اسکا فیصلہ سرجان مالکم صاحب گورنر بمبئی کو سپرد کیا کیونکہ جب جاگیر دی گئی تھی سندیں انہی کی لکھی گئی تھیں تو وہ اور ڈیلک صاحب کیا ندرا نچیف ہندوستان کے سکرتری تھے

www.urduchannel.in

تھا کہ چچا مرا ۔ اُسکی جاگیر کے عوض میں میرے اور میرے شرکائے حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں ۱۰ ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے ۔ اُنہوں نے نہ دیئے مگر تین ہزار روپیہ سال انمیں سے خاص میری ذات کا حِصّہ ساڑھے سات سو روپیہ سال فقط۔ میں نے سرکار انگریزی میں غبن ظاہر کیا۔ کولبرک صاحب بہادر رزیڈنٹ دہلی ۔ اور استرلنگ صاحب بہادر سکرتر گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے ۔ میرا حق دلانے پر۔ رزیڈنٹ معزول ہو گئے سکرتر گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے ۔ بعد ایک زمانہ کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینا مقرر کیا ان کے ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے ۔ واجد علیشاہ بادشاہِ اودھ کی سرکار سے بصلۂ مدح گستری ۵۰۰ روپیہ سال مقرر ہوئے ۔ وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیئے یعنے اگرچہ اب تک جیتے ہیں ۔ مگر سلطنت جاتی رہی ۔ اور تباہی سلطنت دوہی برس میں ہوئی ۔ دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی ۔ ۷ برس مجھکو روٹی دے کر بگڑی ایسے طالع مربی کش ۔ اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں ۔ اب جو میں والیِ دکن کی طرف رجوع کروں یاد رہے کہ متوسط ۔ یا مر جائیگا ۔ یا معزول ہو جائے گا ۔ اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش اسکی ضایع جائیگی ۔ والئ شہر مجھکو کچھ نہ دیگا اور احیاناً اگر اس نے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائیگی ۔ ملک میں گدھے کے ہل پھر جائینگے "۔

مرزا کلکتہ جاتے ہیں

غرضکہ نواب احمد بخش خان بہادر کی تقسیم سے مرزائے مرحوم نالاں ہو کر سنہ ۱۸۳۰ء میں کلکتہ گئے ۔ اور گورنر جنرل سے ملنا چاہا ۔ وہاں دفتر دیکھا گیا ۔ اسمیں سے ایسا کچھ معلوم ہوا کہ اعزاز خاندانی کے ساتھ ملازمت ہو جائے ۔ اور ۷ پارچہ خلعت تین رقم جیغۂ مرصّع ۔ مالائے مروارید ۔ ریاستِ دو دمانی کی رعایت سے مقرر ہوا ۔

غرض مرزا کلکتہ سے ناکام پھرے ۔ اور ایام جوانی ابھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بزرگوں

اور انہیں کے دستخط سے اسناد جاری ہوئے تھے جب انکے پاس یہ مقدمہ اور اسکے کاغذات پہنچے تو انہوں نے لکھا کہ مدعی غلط کہتا ہے ۔ نواب احمد بخش خاں ہمارا قدیمی دوست تھا ۔ اور بڑا راستباز امیر تھا ۔ اسکی یہ اتہام ہے

کا سرمایہ تمام کرکے دلی میں آئے۔ یہاں اگرچہ گزران کا طریقہ امیرانہ شان سے تھا اور امیروں سے امیرانہ ملاقات بھی۔ مگر اپنے علو حوصلہ اور بلند نظری کے ہاتھوں سے تنگ رہتے تھے۔ پھر بھی طبیعت ایسی شگفتہ پائی تھی۔ کہ ان دقتوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اور ہمیشہ ہنس کھیل کر غم غلط کر دیتے تھے۔ کیا خوب فرمایا ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو	اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

جب دلی تباہ ہوئی تو زیادہ تر مصیبت پڑی۔ اِدھر قلعہ کی تنخواہ جاتی رہی۔ اُدھر پنشن بند ہو گئی۔ اور انہیں رامپور جانا پڑا۔ نواب صاحب سے ۳۰ - ۲۵ برس کا تعارف تھا۔ یعنی سنہ ۵۵ء میں ان کے شاگرد ہوئے تھے۔ اور ناظم تخلص قرار پایا تھا۔ وہ بھی گاہے گاہے غزل بھیجا کرتے تھے۔ یہ اصلاح دیکر بھیجدیتے تھے۔ کبھی کبھی روپیہ بھی آتا تھا۔ اُسوقت قلعہ کی تنخواہ جاری سرکاری پنشن کھلی ہوئی تھی۔ اُنکی عنایت فتح غیبی گنی جاتی تھی۔ جب دِلی کی صورت بگڑی۔ تو زندگی کا مدار اس پر ہو گیا۔ نواب صاحب نے سنہ ۵۹ء سے سو روپیہ مہینا کر دیا۔ اور انہیں بہت تاکید سے بُلایا۔ یہ گئے تو تعظیم خاندانی کیساتھ دوستانہ و شاگردانہ بغلگیر ہو کر ملاقات کی۔ اور جب تک رکھا۔ کمال عزت کے ساتھ رکھا۔ بلکہ سو روپیہ مہینا ضیافت کا زیادہ کر دیا۔ مرزا کو دلی کے بغیر چین کہاں؟ چند روز کے بعد رخصت ہو کر پھر وہیں چلے آئے۔ چونکہ پنشن سرکاری بھی جاری ہو گئی تھی اسلئے چند سال زندگی بسر کی۔

رامپور کا تعلق

آخر عمر میں بڑھاپے نے بہت عاجز کر دیا۔ کانوں سے سُنائی نہ دیتا تھا۔ نقشِ تصویر کی طرح بیٹھے رہتے تھے۔ کسی کو کچھ کہنا ہوتا تھا تو لکھکر رکھ دیتا تھا۔ وہ دیکھکر جواب دیدیتے تھے۔ خوراک دو تین برس پہلے یہ رہ گئی تھی کہ صبح کو پانچ سات بادام کا شیرہ۔ ۱۲ بجے

کہا گیا ہے۔ انہیں پانچ ہزار روپے سالانہ لکھا تھا جس میں سے ۳ ہزار مدعی اور اسکے متوسلین کے لئے تھے اور دو ہزار خواجہ حاجی اور اسکے وارثوں کے نام تھے۔ پھر مرزا صاحب نے ولایت میں مرافعہ کیا۔ وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔ یہ جب کہ پنشن نواب ضیاء الدین خان بہادر دام ظلہم العالی کے تحریر ہوا۔

آب گوشت۔ شام کو ہم کباب تلے ہوئے۔ آخر ۷۳ برس کی عمر ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۵ھ میں جہان فانی سے انتقال کیا۔ اور بندۂ آثم نے تاریخ لکھی۔ آہ غالب بمرد۔ مرنے سے چند روز پہلے یہ شعر کہا تھا۔ اور اکثر یہی پڑھتے رہتے تھے۔

دم واپسیں برسر راہ ہے	عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مرزا صاحب کے حالات اور طبعی عادات

اسمیں کچھ شک نہیں کہ مرزا اہل ہند میں فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ مگر علوم دینی کی تحصیل طالب علمانہ طور سے نہیں کی۔ اور حق پوچھو تو یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ ایک امیرزادہ کے سر سے بچپن میں بزرگوں کی تربیت کا ہاتھ اُٹھ جائے۔ اور وہ فقط طبعی ذوق سے اپنے تئیں اس درجۂ کمال تک پہنچائے۔ وہ کیسی طبع خداداد لایا ہوگا جس نے اسکے فکر میں یہ بلند پروازی۔ دماغ میں یہ معنی آفرینی۔ خیالات میں ایسا انداز۔ لفظوں میں نئی تراش۔ اور ترکیب میں انوکھی روش پیدا کی۔ جابجا خود اُن کا قول ہے۔ اور درحقیقت لطف سے خالی نہیں کہ۔ زبان فارسی سے مجھے مناسبت ازلی ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ میری طبیعت کو اس زبان سے ایک قدرتی لگاؤ ہے۔ مفتی میر عباس صاحب کو قاطع برہان بھیجکر خط لکھا ہے۔ اُسمیں فرماتے ہیں "دیباچہ اور خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جُدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ گذارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ علم و ہُنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں۔ مبدءِ فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی اور سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا مزہ بھی ابدی لایا ہوں۔

[illegible] ہرمزد۔ نام ایک پارسی ژند و پاژند کا عالم تھا۔ اس نے اسلام اختیار کرکیا اور عبدالصمد
[illegible] اپنا نام رکھا۔ ایام سیاحت میں ہندوستان کیطرف آنکلا۔ اور مرزا سے بھی ملاقات ہوئی اگرچہ

www.urduchannel.in

ان کی عمر اسوقت ۱۴ برس کی تھی۔ مگر وہی مناسبت ازلی طبیعت میں تھی۔ جس نے اُسے کھینچا اور دو برس تک گھر میں مہمان رکھکر اکتسابِ کمال کیا۔ اس روشن ضمیر کے فیضان صحبت کا اُنہیں فخر تھا۔ اور حقیقت میں یہ امر فخر کے قابل ہے۔

تصویر کا قصہ کرد — مَیں نے چاہا کہ مرزا صاحب کی تصویر الفاظ و معانی سے کھینچوں۔ مگر پھر یاد آیا کہ اُنہوں نے ایک جگہ اسی رنگ روغن سے اپنی تصویر آپ کھینچی ہے۔ مَیں اس سے زیادہ کیا کرونگا۔ اسکی نقل کافی ہے۔ مگر اوّل اتنا سُن لو کہ مرزا حاتم علی مہر تخلص ایک شخص آگرہ میں تھے۔ مرزا کے اواخر عمر میں اس ہموطن بھائی سے خط و کتابت جاری ہوئی۔ وہ ایک وجیہ اور طرحدار جوان تھے۔ اِن سے اُنکے دید وا دید نہوئی تھی۔ لیکن کسی زمانہ کی ہموطنی شعر گوئی ہم مذہبی اور اتحادِ خیالات کے تعلق سے شاید کسی جلسہ میں مرزا نے کہا کہ مرزا حاتم علی مہر کو سُنتا ہوں۔ کہ طرحدار آدمی ہیں۔ دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اُنہیں جو یہ خبر پہنچی تو مرزا کو خط لکھا اور اپنا حلیہ بھی لکھا۔ اب اسکے جواب میں جو مرزا آپ اپنی تصویر کھینچتے ہیں۔ لے دیکھنا چاہئے "بھائی تمہاری طرحداری کا ذکر مینے مغل جان سے سُنا تھا۔ جس زمانہ میں کہ وہ حامد علیخاں کی نوکر تھی۔ اور اُسمیں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا۔ تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہُوا کرتے تھے۔ اُس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھکو دکھائے۔ بہرحال تمہارا حلیہ دیکھکر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھکو رشک آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر رشک آیا۔ کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اسکی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھکو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ ہاں مجھکو رشک آیا اور مَینے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ (تمہاری) ڈاڑھی خوب گھنی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آگئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گذری۔ بقول شیخ علی حزین +

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں		شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم	

(میرے) جب ڈاڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر

نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار (مینے) مسّی بھی چھوڑ دی۔ اور ڈاڑھی بھی۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ اس بھونڈے شہر میں (یعنے دہلی میں) ایک وردی ہے عام۔ مُلّا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہہ۔ کنجڑہ۔ منہ پر ڈاڑھی۔ سر پر بال۔ مینے جسدن ڈاڑھی رکھی۔ اُسی دن سر مُنڈایا"۔ اس فقرہ سے بھی معلوم ہوا کہ اپنا انداز سب سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔

لباس

لباس اُنکا اکثر اہلِ ولایت کا ہوتا تھا۔ سر پر اگرچہ کلاہ پاپاخ نہ تھی۔ مگر لمبی ٹوپی سیاہ پوستین کی ہوتی تھی۔ اور ایسا ضرور چاہئے تھا کیونکہ وہ فارسی نویسی کو نہ فقط ذوق بلکہ عشق دلی کیساتھ نباہتے تھے۔ اور لباس و گفتار کی کچھ خصوصیت نہیں۔ وہ اپنی قدامت کی ہر بات سے محبت رکھتے تھے۔ خصوصاً خاندان کے

خاندان کی محبت

اعزازوں کو ہمیشہ جانکاہ۔ عرق ریزیوں کیساتھ بچاتے رہے۔ اس اعزاز پر کہ جو اُن کے پاس باقی تھا۔ دو دفعہ آسمانی صدمہ پہنچے۔ اوّل جبکہ چچا کا انتقال ہوا۔ دوسرے جب ۱۸۵۷ء میں ماکردہ گناہ بغاوت کے جرم میں پنشن کیساتھ کرسی دربار اور خلعت بند ہوا۔ اُردوئے معلّیٰ میں بیسیوں دوستوں کے نام خط ہیں کوئی اس کے ماتم سے خالی نہیں۔ ان کے لفظوں سے اس غم میں خون ٹپکتا ہے۔ اور دل پر جو گذرتی ہوگی وہ تو خدا ہی کو خبر ہے۔ آخر پھر اُنکی جگہ اور اپنا حق لیا۔ اور بزرگوں کے نام کو قائم رکھا۔

کیا آن تان ہے

۱۸۴۲ء میں گورنمنٹ انگلشیہ کو دہلی کالج کا انتظام از سرِ نو منظور ہوا۔ ٹامسن صاحب جو کئی سال تک اضلاع شمال و مغرب کے لفٹنٹ گورنر بھی رہے۔ اُسوقت سیکرٹری تھے وہ مدرّسین کے امتحان کیلئے دلّی آئے۔ اور چاہا کہ جسطرح سو روپیہ مہینے کا ایک مدرّس عربی ہے۔ ایسا ہی ایک فارسی کا بھی ہو۔ لوگوں نے چند کاملوں کے نام بتائے۔ انہیں مرزا کا نام بھی آیا۔ مرزا صاحب حسب الطلب تشریف لائے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی مگر یہ پالکی سے اُتر کر اس انتظار میں ٹھیرے کہ حسب دستور قدیم صاحب سکرٹری استقبال کو تشریف لائینگے۔ جبکہ نہ وہ ادھر سے آئے۔ نہ یہ ادھر سے گئے۔ اور دیر ہوئی تو صاحب سکرٹری نے جمعدار سے پوچھا وہ پھر باہر آیا کہ آپ کیوں نہیں چلتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب

استقبال کو تشریف نہیں لائے۔ میں کیونکر جاتا۔ جمعدار نے جاکر پھر عرض کی۔ صاحب باہر آئے۔ اور کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں بحیثیتِ ریاست تشریف لائینگے۔ تو آپ کی وہ تعظیم ہوگی۔ لیکن اس وقت آپ نوکری کیلئے آئے ہیں۔ اُس تعظیم کے مستحق نہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ گورنمنٹ کی ملازمت باعث زیادتی اعزاز سمجھتا ہوں۔ نہ یہ کہ بزرگوں کے اعزاز کو بھی گنوا بیٹھوں! صاحب نے فرمایا کہ ہم آئین سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب رخصت ہو کر چلے آئے۔ صاحب موصوف نے مومن خاں صاحب کو بلایا۔ اُن سے کتاب پڑھوا کر سنی۔ اور زبانی باتیں کر کے اسّی روپیہ تنخواہ قرار دی۔ انہوں نے سو روپیہ سے کم منظور نہ کئے۔ صاحب نے کہا سو روپے لو تو ہمارے ساتھ چلو۔ اُنکے دل نے نہ مانا۔ کہ دلی کو ایسا سستا بیچ ڈالیں۔ مرزا کے کھلے ہوئے دل اور کھلے ہوئے ہاتھ نے ہمیشہ مرزا کو تنگ رکھا۔ مگر اس تنگدستی میں بھی امارت کے تمغے قائم تھے۔ چنانچہ اُردوئے معلّٰی کے اکثر خطوط سے یہ حال آئینہ ہے۔ ؎ مرزا تفتہ اپنے شاگرد رشید کو ایک خط میں لکھتے ہیں "سو روپیہ کی ہنڈی وصول کر لی۔ ۴۴ روپیہ داروغہ کی معرفت اُٹھے تھے وہ دیئے۔ ۵ روپے محل میں بھیج دیئے۔ ۲۰ باقی رہے وہ بکس میں رکھ لئے۔ کلیان سودا لینے بازار گیا ہے جلد آگیا تو آج ورنہ کل یہ خط ڈاک میں بھیج دوں گا۔ نہ اتنکو جتنا رکھتے اور اجڑے ہوئی بڑی آبنی ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا۔"

گدر نامہ آپ کا دیوان تھا۔ اسی عالم میں ماہ بماہ آکر جھٹا باٹ دیتا تھا۔ آپ کہیں سفر میں گئے ہیں۔ تو اسکے لئے خطوں میں بار بار احکام بھیجتے ہیں۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں "ہنڈوی میں ۱۲ دن کی میعاد تھی، ۲ دن گذر گئے تھے ۱۰ دن باقی تھے۔ مجھکو صبر کہاں جتنی کاٹ کر روپے لے لئے۔ قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہوگیا آج میرے پاس ۵۰ روپے نقد بکس میں ہیں۔ اور ۴۲ بوتل شراب کی۔ اور ۳ شیشے

؎ مرزا صاحب سے بھی عمر میں بڑے معلوم ہوتے تھے۔ فارسی کے عاشق تھے۔ سنا باوجود پندرہ ہونے کے مرزا تفتہ کے نام سے بڑے خوش ہوتے تھے۔ دیوان قصاید اور دیوان غزلیات چھپوا دیا تھا۔ فارسی ہی شعر کہتے تھے

گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ۔"

ایک اور جگہ اپنی بیماری کا حال کسی کو لکھتے ہیں۔ "محل سرا اگرچہ دیوانخانہ کے بہت قریب ہے پر کیا امکان جو چل سکوں۔ صبح کو نو بجے کھانا یہیں آجاتا ہے پلنگ پر سے کھسل پڑا ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا۔ پھر ہاتھ دھوئے کلی کی۔ پلنگ پر جا پڑا۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے۔ اٹھا اور حاجتی میں پیشاب کر لیا اور پڑ رہا۔"

نواب الٰہی بخش خان مرحوم کی صاحبزادی سے مرزا صاحب کی شادی ہوئی تھی۔ اور اس وقت ۱۳ برس کی عمر تھی۔ باوجودیکہ اوضاع و اطوار خاندانی رکھتے تھے لیکن آخر صاحب خاندان تھے۔ گھر والے کی مزاج پر خیال کر کے بی بی کا پاس خاطر بہت مدنظر رکھتے تھے۔ مگر گھر کی قید سے کہ خلاف طبع تھی سبب بہت دق ہوتے تھے اور اسی کو بیڑی جانتے تھے۔ چنانچہ دوستوں سے بعض نقلیں بھی سنیں۔ اور ان کے خطوط سے بھی اکثر جگہ پایا جاتا ہے۔ ایک شاگرد سے ایسے معاملات میں خصوصیت تعلق تھی۔ جس نے امراؤ سنگھ نام ایک اور شاگرد کی بی بی کے مرنے کا حال ... اور یہ بھی لکھا کہ اس کے بچے ہیں۔ اب اور شادی ہو سکے گی ... پھر بچے کون پالے۔ اس شخص کی ... دوسری بی بی مر گئی تھی۔ اس ... کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔"

جب ان کی ... تو ایک اور شخص کو لکھتے ہیں ... جان کی ... اگر ... تو اس ... میں کیسا فارغ البال و خوشحال رہتا ... فرزندان ... خیالات اور ... ایک ... اپنی ... اس ... ہوتا۔ مگر ... خوش نصیب ہوئے۔ ... فرزندان ظاہری کی طرف ... ایک جگہ فرماتے ہیں "سات بچے ہوئے۔ مگر ... ان کے ...

www.urduchannel.in

کو چلے گئے۔" اُن کے بی بی کے بھانجے الٰہی بخش خان مرحوم کے نواسے زین العابدین خاں تھے اور عارف تخلص کرتے تھے۔ عارف جوان مرگئے۔ اور دو ننھے ننھے بچے یادگار چھوڑے۔ بی بی اِن بچوں کو بہت چاہتی تھیں۔ اسلئے مرزا نے اُنہیں اپنے بچوں کی طرح پالا۔ بڑھاپے میں اُنہیں گلے کا ہار کئے پھرتے تھے۔ جہاں جاتے وہ پالکی میں ساتھ ہوتے تھے۔ ان کے آرام کیلئے آپ بے آرام ہوتے تھے۔ اُنکی فرمائشیں پوری کرتے تھے۔ افسوس کہ مرزا کے بعد دونوں جوان مرگئے۔ نواب احمد بخش خان مرحوم کے رشید فرزند مرزا صاحب کی تکلیف دیکھ سکتے تھے۔ کمال کی دولت اُنسے لیتے تھے۔ دنیا کی ضرورتوں میں اُنہیں آرام دیتے تھے۔ چنانچہ **نواب ضیاء الدین خاں** صاحب شاگرد ہیں۔ **نواب امین الدین خاں** مرحوم والیٔ لوہارو بھی آداب خوردانہ کے ساتھ خدمت کرتے تھے۔ نواب علاء الدین خاں والیٔ حال اُسوقت ولیعہد تھے۔ بچپن سے شاگرد ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب **نواب علاء الدین خاں** صاحب کو لکھتے ہیں "میاں! بڑی مصیبت میں ہوں۔ محلسرا کی دیواریں گر گئی ہیں۔ پاخانہ ڈہ گیا۔ چھتیں ٹپک رہی ہیں۔ تمہاری پھوپھی[1] کہتی ہیں کہ ہائے دَبی ہائے مری۔ دیوان خانہ کا حال محل سرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ فقدانِ راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہے۔ ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔ مالک اگر چاہے کہ مرمّت کرے تو کیونکر کرے۔ مینہ کھُلے تو سب کچھ ہو۔ اور پھر اثنائے مرمّت میں مَیں بیٹھا کس طرح رہوں۔ اگر تم سے ہو سکے تو برسات تک بھائی سے مجھکو وہ حویلی جسمیں میر حسن رہتے تھے۔ اپنی پھوپھی کے رہنے کو۔ اور کوٹھی میں سے وہ بالاخانہ مع دالان زیرین جو الٰہی بخش خاں مرحوم کا مسکن تھا۔ میرے رہنے کو دلوا دو۔ برسات گذر جائیگی۔ مرمّت ہو جائیگی۔ پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ[2] اپنے قدیم مسکن میں آ رہینگے۔ تمہارے والد کے ایثار و عطا کے جہاں مجھ پر احسان ہیں۔ ایک یہ مروّت کا احسان میرے پایان عمر میں اور بھی سہی۔ غالب۔"

---

[1] نواب الٰہی بخش خان مرحوم کی بیٹی۔ نواب احمد بخش خان مرحوم کی حقیقی بھتیجی ہوئیں وہ انکی بی بی تھیں۔ [2] چونکہ کوٹھی کا مکان رہنے کو مانگا ہے۔ اسلئے اپنے تئیں صاحب[1] بی بی کو میم صاحب اور بچوں کو بابا لوگ بنایا۔

www.urduchannel.in

مرزا کثیر الاحباب تھے۔ دوستوں سے دوستی کو ایسا نباہتے تھے کہ اپنائیت سے زیادہ ان کی دوست پرستی خوش مزاجی کے ساتھ رفیق ہو کر ہر وقت ایک دائرہ شرفا اور رئیس زادوں کا ان کے گرد دکھاتی تھی۔ انہی سے غم غلط ہوتا تھا۔ اور اسی میں اُن کی زندگی تھی۔ لطف یہ کہ دوستوں کے لڑکوں سے بھی وہی باتیں کرتے تھے۔ جو دوستوں سے۔ اُدھر ہونہار نوجوانوں کا مؤدب بیٹھنا۔ اِدھر سے بزرگانہ لطیفوں کا پھول برسانا۔ اُدھر سادتمندوں کا چُپ مُسکرانا۔ اور بولنا تو حدِ ادب سے قدم نہ بڑھانا اِدھر پھر بھی شوخی طبع سے باز نہ آنا۔ ایک عجیب کیفیت رکھتا تھا۔ بہرحال انہی لطافتوں اور ظرافتوں میں زمانے کی مصیبتوں کو ٹالا۔ اور ناگوار کو گوارا کر کے ہنستے کھیلتے چلے گئے۔ چنانچہ میر مہدی۔ میر سرفراز حسین۔ نواب یوسف مرزا وغیرہ اکثر شریف زادوں کے لئے خطوط اُردوئے معلّٰی میں ہیں۔ جو کہ ان جلسوں کے فوٹو گراف دکھاتے ہیں۔

زمانہ کی بیوفائی نے مرزا کو وہ فارغ البالی نصیب نہ کی۔ جو اُن کے خاندان اور کمال کے لئے شایاں تھی۔ اور انہی دونوں باتوں کا مرزا کو بہت خیال تھا لیکن اس کے لئے وہ اپنے جی کو جلا کر دل تنگ بھی نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ہنسی میں اُڑا دیتے تھے۔ اِن دونوں باتوں کی سند میں دو خط[1] نقل کرتا ہوں۔ ایک خط میر مہدی صاحب کے نام ہے کہ ایک شریف عالی خاندان ہیں۔ اور ان کے رشید شاگرد ہیں۔ دوسرا خط منشی ہرگوپال صاحب تفتہ تخلص کے نام ہے جن کا ذکر خیر مجملاً پہلے لکھا گیا ہے۔

"میر مہدی تم میری عادات کو بھول گئے۔ ماہِ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینے میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آ پہنچا۔ یکشنبہ کو غرۂ ماہِ مقدس ہوا۔ اُسی دن سے ہر صبح کو حامد علیخان کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علیصاحب سے قرآن سُنتا ہوں

[1] دیکھو اُردوئے معلّٰی کے خطوط۔

www.urduchannel.in

شب کو مسجد جامع جاکر نماز تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے اب اصل حقیقت سُنو۔ لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں انہوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیجدینے میں وہم آیا کہ خدا جانے اگر کوئی امر حادث ہو تو بدنامی عمر بھر ہے اس سبب سے جلد چلا آیا۔ ورنہ گرمی برسات وہیں کاٹتا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا۔ اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔ قرار داد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینا ہے۔ سو روپیہ مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب میں جو وہاں گیا۔ تو سو روپیہ مہینا بنام دعوت اَور دیا۔ یعنے رامپور رہوں تو دو سو روپیہ مہینا پاؤں۔ اور دلّی رہوں تو سو روپے۔ بھائیٔ! سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں مجکو نوکر نہیں سمجھتے ہیں۔ ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہے وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی تھی۔ پس بہرحال غنیمت ہے۔ رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہئے۔ کمی کا شکوہ کیا؟ انگریزی سرکار سے دس ہزار روپیہ سال ٹھیرے۔ اُس میں سے مجھکو ملے ساڑھے سات سو روپیہ سال۔ ایک صاحب نے نہ دیئے مگر تین ہزار روپیہ سال۔ عزت میں وہ پایا جو رئیس زادوں کے واسطے ہوتا ہے بنا رہا۔ خان صاحب بسیار مہربان دوستان القاب۔ خلعت سات پارچہ۔ اور جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید۔ بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر پیار کرتے تھے بخشی۔ ناظر۔ حکیم کسی سے توقیر کم نہیں۔ مگر فائدہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ سو میری جان! یہاں بھی وہی نقشہ ہے۔ کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آ رہی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے۔ حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنیکو جی چاہا؛ یہ باتیں کرلیں[۲۵]

راجہ صاحب سے پوری دوستی / ملاقات نہ ملنے تھے

القاب سرکار اور / خلعت ۱۱

۲۵ غزہ رمضان سے لیکر یہاں تک فقط شوخی طبع ہے۔ کیونکہ جو باتیں یہاں مذکور نہیں ہیں۔ مرزا اُن سے کوسوں بھاگتے تھے۔ اور یہ خط غدر کے بعد کا ہے۔ اُس وقت یہ باتیں دلّی میں خواب خیال ہو گئی تھیں۔

www.urduchannel.in

خط بنام منشی ہرگوپال تفتہ۔ بس اب تم اسکندر آباد میں رہے کہیں اور کیوں جاؤگے بنک گھر کا روپیہ کھاچکے ہو۔ اب کہاں سے کھاؤگے میاں! نہ میرے سمجھانے کو دخل ہے نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے۔ ایک چرخ ہے کہ وہ چلا جاتا ہے جو ہونا ہے وہ ہوا جاتا ہے۔ اختیار ہو تو کچھ کیا جائے۔ کہنے کی بات ہو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبد القادر بیدل خوب کہتا ہے:—

رغبتِ جاہ چہ و نفرتِ اسباب کدام	زین ہوسہا بگذر یا نگذر میگذرد

مجکو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید۔ نہ رنجور ہوں نہ تندرست۔ نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مردہ ہوں نہ زندہ۔ جئے جاتا ہوں۔ باتیں کئے جاتا ہوں۔ روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ پئے جاتا ہوں۔ جب موت آئیگی مر بھی رہونگا۔ نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بسبیل حکایت ہے۔

مرزا صاحب کا مذہب کیا تھا

مرزا کے تمام خاندان کا اور بزرگوں کا مذہب سنت وجماعت تھا۔ مگر اہل راز اور تصنیفات سے بھی ثابت ہے کہ ان کا مذہب شیعہ تھا۔ اور لطف یہ تھا کہ ظہور اسکا جوشِ محبت میں تھا۔ نہ کہ تبرا و تکرار میں۔ چنانچہ اکثر لوگ انہیں نصیری کہتے تھے۔ اور وہ سُنکر خوش ہوتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

منصور فرقۂ علیُ اللّٰہیان منم	آوازۂ انا اسد اللہ برافگنم

تمام اقربا اور حقیقی دوست سنت وجماعت تھے۔ لیکن اُنکی اپنائت میں کسی طرح کی دوئی نہ معلوم ہوتی تھی۔ مولینا فخر الدین کے خاندان کے مرید بھی تھے۔ دربار اور اہلِ دربار میں کبھی اس معاملہ کو نہیں کھولتے تھے۔ اور یہ طریقہ دہلی کے اکثر خاندانوں کا تھا۔

دیوان اردو ر لئے

تصنیفات اُردو میں تقریباً ۱۰۰۰ اشعر کا ایک دیوان انتخابی ہے کہ سنہ ۱۸۴۹ء میں مرتب ہو کر چھپا۔ اس میں کچھ تمام اور کچھ ناتمام غزلیں ہیں۔ اور کچھ متفرق اشعار ہیں۔ غزلوں کے تخمیناً ۵۰۰ شعر۔ قصیدوں کے ۱۶۲ شعر۔ مثنوی ۳۳ شعر۔ متفرقات قطعوں کے ۱۱ اشعر۔ رباعیاں ۱۶۔ دو تاریخیں جن کے ۴ شعر۔ جس قدر عالم میں مرزا کا

www.urduchannel.in

نام بلند ہے۔ اُس سے ہزاروں درجہ عالمِ معنے میں کلام بلند ہے۔ بلکہ اکثر شعر ایسے اعلیٰ درجۂ رفعت پر واقع ہوئے ہیں کہ ہمارے نارسا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب ان شکایتوں کے چرچے زیادہ ہوئے تو اُس ملک بے نیازی کے بادشاہ نے کہ اقلیم سخن کا بھی بادشاہ تھا اپنی غزل کے ایک شعر سے سب کو جواب دیدیا۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

اور ایک رباعی بھی کہی۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایک دن اُستاد مرحوم سے مرزا صاحب کے اندازِ نازک خیالی کا۔ اور فارسی ترکیبوں کا

اچ تخلص عبداللہ خان نام۔ ۴۰۔ ۵۰ برس کے مشاق تھے۔ ایسے بلند مضمون اور نازک خیال پیدا کرتے تھے کہ قابو میں نہ لا سکتے تھے۔ اور انہیں عمدہ الفاظ میں ایسی چُستی اور درستی سے باندھتے تھے کہ وہ مضمون سما بھی نہ سکتا تھا۔ اس لئے کبھی تو مطلب کچھ کا کچھ ہوجاتا تھا اور کبھی کچھ بھی نہ رہتا تھا۔ سنگلاخ اور مشکل زمینوں میں غزل کہتے تھے۔ فکرِ مضامین اور تلاش الفاظ میں تن بدن کا ہوش نہ تھا غور کے ساتھہ کاوش کرتے تھے۔ اور آپ ہی آپ مزے لیتے تھے۔ ہونٹ چباتے چباتے ایک طرف سے سفید ہوگیا تھا۔ بعض شعر پڑھکر کہتے تھے کہ آنکھوں سے لہو ٹپک پڑا تھا جب یہ شعر کہا تھا بعضے پر کہتے تھے کہ ۶ مہینے تک برابر پڑھتا رہا۔ پڑھتے اس زور شور سے تھے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مشاعروں میں غزل سُناتے تھے تو صفِ مجلس سے گز گز بھر آگے نکل جاتے تھے۔ بعض اشخاص شہر کے اور قلعہ میں اکثر مرشد زادے (شہزادے) شاگرد تھے۔ مگر اُستاد سب کہتے تھے۔ شعرائے باکمال کو جاکر سُناتے تھے۔ اور واہ واہ کی چیخیں اور تعریفوں کے فغان و فریاد لیکر چھوڑتے تھے۔ کیونکہ اُسے اپنا حق سمجھتے تھے۔ ذوق مرحوم باوجود کم سخنی اور عادت خاموشی کے خوب خوب بہت خوب کہتے اور مکرر پڑھواتے تھے مُسکراتے اور چہرہ پر سرور ظاہر کرتے گویا شعر کی کیفیت میں بیٹھے ہیں۔ اور مرزا تو ایسے دل لگی کے مصالح ڈھونڈتے رہتے تھے۔ یہ نعمت خدا دے۔ شعر سنتے اور کہتے تھے کہ یہ سب بصفو دیگر

www.urduchannel.in

اور لوگوں کی مختلف طبیعتوں کا ذکر تھا۔ میں نے کہا کہ بعض شعر صاف بھی نکل جاتا ہے تو قیامت ہی کر جاتا ہے۔ فرمایا۔ خوب! پھر کہا کہ جو مرزا کا شعر ہوتا ہے۔ اسکی لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ شعر اُن کے میں تمہیں سُناتا ہوں۔ کئی متفرق شعر پڑھے تھے۔ ایک اب تک خیال میں ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک ۔۔۔ میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

اسمیں کلام نہیں کہ وہ اپنے نام کی تاثیر سے مضامین و معانی کے بیشہ کے شیر تھے۔ دو باتیں ان کے انداز کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ اول یہ کہ معنی آفرینی اور نازک خیالی اُن کا شیوۂ خاص تھا۔ دوسرے چونکہ فارسی کی مشق زیادہ تھی اور اس سے انہیں طبعی تعلق تھا۔ اسلئے اکثر الفاظ اس طرح ترکیب دے جاتے تھے کہ بول چال میں اسطرح بولتے نہیں

کافر ہیں جو تمہیں اُستاد کہتے ہیں۔ شعر کے حذا ہو خدا! سجدہ کا اشارہ کرتے اور کہتے سبحان اللہ سبحان اللہ نہیں اُن دنوں میں مبتدی شوقین تھا۔ اپنا مشتاق سمجھکر مجھسے بہت خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بس تم ہمارے کلام کو سمجھتے ہو۔ ستیر اٹھاتے تو دس قدم دور سے دیکھکر کھڑے ہوجاتے اور جو نیا شعر کہا ہوتا اُسے وہیں سے اکڑ کر پڑھتے۔ پھر شعر سُنتے سناتے چلتے۔ قلعہ کے نیچے میدان میں گھنٹوں ٹہلتے اور شعر پڑھتے رہتے غریب خانہ پر بھی تشریف لاتے اور پہر بھر سے کم نہ بیٹھتے۔ ایکدن رستہ میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ آج گیا تھا۔ اُنہیں بھی سُنا آیا۔ میں نے کہا کیا؟ کڑک کر کہا۔

ڈیرھ جزو پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب ۔۔۔ غالبؔ آسان نہیں صاحبِ دیوان ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسہ میں مومن خاں بھی موجود تھے۔ مجھسے سبنے شعر کی فرمایش کی۔ مینے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی۔ وہ سُنائی۔ مقطع پر بہت حیران ہوئے ع کہ جسکو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں؟ مینے کہا کہ ہاں اب تو آٹھواں ہے۔ چپ ہوگئے۔

عمومی واقعات پر اکثر شعر کہا کرتے تھے۔ مومن خاں کو کنور اجیت سنگھ نے ہتنی دی۔ دیکھو صفحہ ۹۰۔ ہم آپنے کہا

جہنمیوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے ۔۔۔ نجومی بن کے جو ہتنی کا دان لیتا ہے

دلّی میں شیر میں ایک بڑی نامی رنڈی تھی۔ وہ حج کو چلی آپ نے کہا۔ بصفحہ دیگر

لیکن جو شعر صاف صاف نکل گئے ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ جواب نہیں رکھتے۔ اہل ظرافت بھی اپنی نوک جھوک سے چوکتے نہ تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مرزا مشاعرہ میں تشریف لے گئے حکیم آغا جان عیش ایک خوش طبع شگفتہ مزاج شخص تھے۔ دیکھو صفحہ ۴۷۶ غزل طرحی میں یہ قطعہ پڑھا۔

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اِک کہے اور دوسرا سمجھے

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اسی واسطے اواخر عمر میں نازک خیالی کے طریقہ کو بالکل ترک کر دیا تھا چنانچہ دیکھو اخیر کی غزلیں صاف صاف ہیں۔ دونوں کی کیفیت جو کچھ ہے معلوم ہو جائیگی۔ سن رسیدہ اور معتبر

بجا ہے شیریں اگر چھیڑ دلی چج کو چلی
مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

تیس۔ تیس برس ہو گئے وہ چرچے نہ رہے اکثر شعر یاد تھے۔ حافظے نے بیوفائی کی۔ شاید حروف کا غذ وفا کریں۔ جو یاد ہے لکھدیتا ہوں۔ اور اُنکی جان خراشی اور بربادی کا افسوس کرتا ہوں۔

ہیں مچھلیاں بھووں کی چینِ جبیں کے اندر
اُلٹی ہے بہتی گنگا۔ مچھلی بھون کے اندر

دنیائے منقلب کا اُلٹا ہے کارخانہ
ہے مہر شمع وارژون۔ اِس انجمن کے اندر

میں ہوں نخلِ جیسے سلسبیلِ دریائی
میری ہے کشتی گل نارجیلِ دریائی

مجھے اُترتی ہے گردابِ آسمان کے رحی
ہے راہبر خضر جبرئیلِ دریائی

میں کالا پانی چڑھا تا پیتا ہوں ہر شب روز
زمیں کا گز ہے مرا کلکِ سیلِ دریائی

بنا ہے کنگرۂ خارو۔ ملک دشت حصار
مرا ہے آبلہ بُرجِ فصیلِ دریائی

ہے آبشاری کی مضمونِ آبدار کو دہت
ہمارا خامہ ہے خرطومِ فیلِ دریائی

جہاز ہے مرا ایک تارِ لنگرِ دم پر
مرے عمل میں ہے جرِ ثقیلِ دریائی

میں اپنے کج کی ہوں موج میں بہا جاتا
حباب وار ہوں کوس رحیلِ دریائی

ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے
یہ آبِ شور ہے دیتا رفیلِ دریائی

ہے اوج مردمک دیدہ مردم آبی
نکال دیدۂ تر سے سبیلِ دریائی

[illegible]

www.urduchannel.in

لوگوں سے معلوم ہُوا کہ حقیقت میں ان کا دیوان بہت بڑا تھا۔ یہ منتخب ہے۔ مولوی فضل حق صاحب کہ فاضل بیعدیل تھے۔ ایک زمانہ میں دہلی کی عدالت ضلع میں سرشتہ دار تھے۔ اُسی عہد میں مرزا خان عُرف مرزا خانی صاحب کوتوال شہر تھے۔ وہ مرزا قتیل صاحب کے شاگرد تھے۔ نظم۔ نثر فارسی اچھی لکھتے تھے۔ غرضکہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے۔ ہمیشہ باہم دوستانہ جلسے اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ اُنہوں نے اکثر غزلوں کو سُنا۔ اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئینگے۔ مرزا نے کہا اتنا کچھ کہہ چکا۔ اب تدارک کیا ہوسکتا ہے اُنہوں نے کہا کہ خیر ہوا سو ہُوا۔ انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالہ کر دیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا۔ وہ یہی دیوان ہے جو کہ آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں۔

عود ہندی۔ کچھ تقریظیں کچھ اور نثریں اور خطوط ہیں۔ اکثر خطوں میں اُن لوگوں کے جواب ہیں۔ جنہوں نے کسی مشکل شعر کے معنے پُوچھے یا کوئی امر تحقیق طلب فارسی یا اُردو کا دریافت کیا۔

اُردوئے مُعلّیٰ۔ ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۹ء چند شاگردوں اور دوستوں نے جسقدر اُردو کے خطوط اُن کے ہاتھ آئے ایک جگہ ترتیب دیئے۔ اور اُس مجموعہ کا نام مرزا نے خُود

وحشت مجھے زنجیر بپا ہی تھی کہ شر
جب تھا زِ رگِ گل کیشہ غنچہ کی گرہ میں
دم کا جو دمدمہ یہ باندھے خیال اپنا
طفلی ہی سے ہے مجکو وحشت سراے لغت
کسبِ شہادت اپنا۔ ہے یاد کسکو قاتل
بھاتا ہے جوشِ عشقِ شیرین شوخیں رونا
چیچک کے آبلونکی میں باگ مڑتا ہوں

طفلی میں بھی شغلی سیری جاتی ہی تھی اکثر
بُلبل پڑی گُھگھرے اُڑاتی ہی تھی اکثر
بے پُل ہر اطا اُتریں یہ ہے کمال اپنا
شُمہ میں گرا ہوا ہے۔ آہو کے نال اپنا
سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں حال اپنا
ہے آبِ شورِ گریہ آبِ زلال اپنا

www.urduchannel.in

اُردُوی مُعلّیٰ رکھا۔ ان خطوط کی عبارت ایسی ہے گویا آپ سامنے بیٹھے گل افشانی کر رہے ہیں۔ مگر کیا کریں کہ اُن کی باتیں بھی خاص فارسی کی خوشنما تراشوں اور عمدہ ترکیبوں سے مُرصّع ہوتی تھیں۔ بعض فقرے کم استعداد ہندوستانیوں کے کانوں کو نئے معلوم ہوں تو وہ جانیں۔ یہ علم کی کم رواجی کا سبب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کیا جگر خون کن اتفاق ہے۔ اب درنگ درزی کی تقصیر معاف کیجئے۔ پس چاہئے کو دل کی آرائش کا ترک کرنا۔ اور خواہی نخواہی بابو صاحب کے ہمراہ رہنا۔ یہ رُتبہ میری ارزش کے فوق ہے۔ سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو۔ بعض جگہ خاص محاورۂ فارسی کا ترجمہ کیا ہے۔ جیسے میرؔ۔ اور سوداؔ وغیرہ اُستادوں کے کلام میں لکھا گیا ہے۔ چنانچہ انہی خطوں میں فرماتے ہیں۔ اسقدر عذر چاہتے ہو۔ یہ لفظ ان کے قلم سے اس واسطے نکلا۔ کہ عذر خواستن جو فارسی کا محاورہ ہے وہ اس باکمال کی زبان پر چڑھا ہُوا ہے۔ ہندوستانی عذر کرنا یا عذر معذرت کرنی بولتے ہیں۔ نظر اس دستور پر اگر دیکھو تو مجھے اُس شخص سے خس برابر علاقہ عزیز داری کا نہیں۔ یہ بھی ترجمہ۔ نظر برین ضابطہ کا ہے۔ منشی نبی بخش تمہارے خط نہ لکھنے کا گلہ رکھتے ہیں۔ گلہ دارند وشکوہ دارند فارسی کا محاورہ ہے۔ کیوں مہاراج کول میں آنا! منشی نبی بخش کے ساتھ غزل خوانی کرنی!۔ اور ہمکو یاد نہ دلانا!۔ یاد آوردن خاص ایران کا سکّہ ہے۔ ہندوستانی یاد کرنا بولتے ہیں۔ جو آپ پر معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے۔ ہرچہ بر شما منکشف است بر من مخفی نماند۔

اِن خطوں کی طرزِ عبارت بھی ایک خاص قسم کی ہے کہ ظرافت کے چٹکلے اور لطافت کی شوخیاں اس میں خوب ادا ہو سکتی ہیں۔ یہ انہی کا ایجاد تھا کہ آپ مزا لے لیا اور اوروں کو لطف دے گئے۔ دوسرے کا کام نہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ ایک تاریخی حال یا اخلاقی خیال۔ یا علمی مطالب۔ یا دنیا کے معاملاتِ خاص میں مُراسلے لکھے تو اس انداز میں ممکن نہیں۔ اس کتاب میں جو نکہ اصلی خط لکھے ہیں۔ اسلئے وہ انکی ظاہر و باطن

www.urduchannel.in

کی حالت کا آئینہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے غم والم ہمیشہ اُنہیں ستاتے تھے۔ اور وہ علوِ حوصلہ سے ہنسی ہی میں اُڑاتے تھے۔ پُورا لطف اِن تحریروں کا اُس شخص کو آتا ہے کہ جو خود اُنکے حال سے اور مکتوب الیہوں کی چال ڈھال سے اور طرفین کے ذاتی معاملات سے بخوبی واقف ہو۔ غیر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس لئے اگر ناواقف اور بے خبر لوگوں کو اسمیں مزا نہ آئے تو کچھ تعجب نہیں۔

اس کتاب میں قلم۔ التماس۔ کومونث۔ پشن۔ بیداد۔ بارک کو مذکر فرمایا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں "میرا اُردو بہ نسبت اوروں کے صحیح ہوگا"

لطائفِ غیبی۔ اس رسالہ میں منشی سعادت علی کی طرف روئے سخن ہے۔ اگرچہ اُسکے دیباچہ میں سیف الحق کا نام لکھا ہے۔ مگر اندازِ عبارت اور عبارت کے چٹکلے صاف کہتے ہیں کہ مرزا ہیں۔ وہ درحقیقت وہی میاں داد خاں ہیں۔ جن کے نام چند رقعے مرزا صاحب کے اُردوئے معلی میں ہیں۔ چنانچہ ایک رقعہ میں اُنہیں فرماتے ہیں کہ صاحب نے تمکو سیف الحق خطاب دیا۔ تم میری فوج کے سپہ سالار ہو۔

تیغ تیز۔ مولوی احمد علی پروفیسر مدرسۂ دہلی نے قاطع بُرہان کے جواب میں مؤید البرہان لکھی تھی۔ اسکے بعض مراتب کا جواب مرزا صاحب نے تحریر فرما کر تیغ تیز نام رکھا۔

ساطعِ برہان کے اخیر میں چند ورق سید عبداللہ کے نام سے ہیں۔ وہ بھی مرزا صاحب کے ہیں۔

تصنیفاتِ فارسی

فارسی کی تصنیفات کی حقیقت حال کا لکھنا اور اُن پر رائے لکھنی اردو کے تذکرہ نویس کا کام نہیں ہے۔ اس لئے فقط فہرست لکھتا ہوں۔

قصائد۔ حمد و نعت میں۔ آئمہ معصومین کی مدح میں۔ بادشاہ دہلی۔ شاہ اودھ۔ گورنر دہلی اور بعض صاحبان عالیشان کی تعریف میں ہیں۔

www.urduchannel.in

غزلون کا دیوان معہ دیوان قصائد کے ۱۲۵۳ھ میں مرتب ہوکر نقلوں کے ذریعہ سے اہل ذوق میں پھیلا اور اب تک کئی دفعہ چھپ چکا ہے۔

پنج آہنگ - اس میں پانچ آہنگ کے پانچ باب - فارسی کے انشاپردازوں کیلئے جو کہ ان کے انداز میں لکھنا چاہیں۔ ایک عمدہ تصنیف ہے۔

۱۲۶۲ھ میں قاطع بُرہان چھپی - بعد کچھ کچھ تبدیلی کے اسی کو پھر چھپوایا - اور درفش کاویانی نام رکھا - بُرہان قاطع کی غلطیاں نکالی ہیں - مگر اس پر فارسی کے دعویداروں نے سخت حملوں کیساتھ مخالفت کی۔

نامۂ غالب - قاطع بُرہان کے کئی شخصوں نے جواب لکھے - چنانچہ میرٹھ میں حافظ عبدالرحیم نام ایک معلّم نابینا تھے - اُنہوں نے اسکا جواب ساطع برہان لکھا - مرزا صاحب نے خط کے عنوان میں حافظ صاحب موصوف کو بطور جواب کے چند ورق لکھے اور اُن کا نام نامۂ غالب رکھا۔

مہر نیمروز - حکیم احسن اللہ خاں طبیب خاص بادشاہ کے تھے - اُنہیں تاریخ کا شوق تھا اور اہل کمال کے ساتھ عموماً تعلق خاطر رکھتے تھے - مرزا نے اُن کے ایما سے اول کتاب مذکور کا ایک حصّہ لکھا - اسی کے ذریعہ سے ۱۲۵۸ھ میں باریاب حضور ہوکر خدمت تاریخ نویسی پر مامور ہوئے - اور نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب بہادر نظام جنگ خطاب ہوا - چنانچہ پہلی جلد میں امیر تیمور سے ہمایوں تک کا حال بیان کرکے مہر نیمروز نام رکھا - ارادہ تھا کہ اکبر سے لیکر بہادر شاہ تک کا حال دوسری جلد میں لکھیں اور ماہ نیم ماہ نام رکھیں کہ غدر ہوگیا۔

دستنبو - ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک حال بغاوت - روداد تباہی شہر - اپنی سرگذشت - غرض کُل ۱۵ مہینے کا حال لکھا ہے۔

سبد چین - دو تین قصیدے - چند قطعے - چند خطوط - فارسی کے اسمیں ہیں کہ دیوان میں درج نہ ہوئے تھے۔

www.urduchannel.in

اواخر عمر میں اپنا کلام اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ اردو کی تصنیفات نواب حسین مرزا صاحب کے پاس رہتی تھیں اور وہ ترتیب کرتے جاتے تھے۔ فارسی نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب کو بھیج دیتے تھے۔ کہ اُنہیں نیّرِ رخشاں تخلص کر کے اپنا رشید شاگرد اور خلیفہ اوّل قرار دیا تھا۔ خلیفہ دوم۔ نواب علاء الدین خاں صاحب تھے۔

اُن کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی انشا پردازی کے شوق کو بڑی کاوش اور عرق ریزی سے نباہتے تھے۔ اسی واسطے مرنے سے ۱۰-۱۵ برس پہلے ان کی تحریریں اردو میں ہوتی تھیں چنانچہ ایک دوست کے خط میں خود فرماتے ہیں

"بندہ نواز! زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت عزیزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے کہ

مضمحل ہو گئے قُویٰ غالب	وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جنسے کتابت رہتی ہے اردو ہی میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط لکھے اور بھیجے تھے اُن میں سے جو صاحب اِلےآلان موجود ہیں۔ اُن سے بھی عند الضرورت اسی زبان مروّج میں مکاتیبِ مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔"

اُردوئے معلّی میں مرزا حاتم علی بیگ مہر کو تحریر فرماتے ہیں "میرا ایک قطعہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین ایک میرے دوست تھے اُنہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پہ رکھکر مجھ سے کہا کہ اسکی کچھ تشبیہات نظم کیجے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر ان کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی۔"

قطعہ

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی	زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہئے

www.urduchannel.in

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلیٰ کہئے

حجرالاسود و دیوارِ حرم کیجئے فرض
نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہئے

صومعہ میں اسے ٹھیرائیے گر مُہرِ نماز
میکدہ میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہئے

مستی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھئے
سرِ پستانِ پریزادسے مانا کہئے

اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض
اور اس چکنی سُپاری کو سُویدا کہئے

معرکۂ اتفاقی

غرضکہ بیس بائیس پھبتیاں ہیں۔ اشعار سب کب یاد آتے ہیں۔ بھول گیا[۲۵]۔ نواب زینت محل کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا۔ مرزا جواں بخت ان کے بیٹے تھے اور باوجودیکہ بہت مرشد زادوں سے چھوٹے تھے۔ مگر بادشاہ اُنہی کی ولیعہدی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ جب اُن کی شادی کا موقع آیا تو بڑی دھوم کے سامان ہوئے۔ مرزا نے یہ سہرا کہکر حضور میں گذرانا۔

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حُسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ
مجکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رُخ پہ دولہ کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بےادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہئے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رُخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

[۲۵] دیکھو خط اردوئے معلیٰ میں۔

www.urduchannel.in

تارِ ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابرِ بہار　　لائیگا تابِ گرانباریِ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

مقطع کو سُنکر حضور کو خیال ہوا کہ اسمیں ہم پر چشمک ہے۔ گویا اس کے معنے یہ ہوئے کہ اس سہرے کے برابر کوئی سہرا کہنے والا نہیں۔ ہمنے جو شیخ ابراہیم ذوق کو اُستاد اور ملک الشعرا بنایا ہے یہ سخن فہمی سے بعید ہے۔ بلکہ طرفداری ہے۔ چنانچہ اسی دن اُستاد مرحوم جو حسبِ معمول حضور میں گئے۔ تو بادشاہ نے وہ سہرا دیا۔ کہ اُستاد اسے دیکھئے۔ اُنہوں نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی۔ پیرو مرشد درست۔ بادشاہ نے کہا کہ اُستاد! تم بھی ایک سہرا کہدو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ ابھی لکھدو۔ اور ذرا مقطع پر بھی نظر رکھنا۔ اُستاد مرحوم وہیں بیٹھ گئے۔ اور عرض کیا۔ سہرا۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا　　آج ہے یُمن و سعادت کا ترے سر سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک　　کشتیِ زر میں مہِ نو کی لگا کر سہرا
تابشِ حُسن سے مانندِ شعاعِ خورشید　　رُخِ پُر نُور پہ ہے تیرے منور سہرا
وہ کہے صَلِّ علیٰ۔ یہ کہے سبحان اللہ　　دیکھے مُکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا
تا ابَد اور بنے میں رہے اِخلاص بہم　　گوندھئے سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا
دُھوم ہے گُلشنِ آفاق میں اس سہرے کی　　گائیں مُرغانِ نواسنج نہ کیونکر سہرا
روئے فرّخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار　　تارِ بارش سے بنا ایک سراسر سہرا
ایکو ایک پہ تزئین ہے دمِ آرائش　　سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا
ایک گوہر بھی نہیں صدکانِ گہر میں چھوڑا　　تیرا بنوایا ہے لے لیکے جو گوہر سہرا
پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی بادِ بہار　　اللہ اللہ رے پھولوں کا معطّر سہرا
سر پہ طُرّہ ہے مزیّن تو گلے میں بدّھی　　کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو مُنہ پر سہرا
رونمائی میں تجھے دے مہ و خورشید فلک　　کھولدے مُنہ کو جو تو مُنہ سے اُٹھا کر سہرا

www.urduchannel.in

کثرتِ تارِ نظر سے ہے تماشائیوں کے — دمِ نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا
دُرِ خوش آبِ مضامین سے بنا کر لایا — واسطے تیرے ترا ذوقِ ثنا گر سہرا

جسکو دعویٰ ہے سخن کا یہ سُنا دے اُس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

اربابِ نشاط حضور میں ملازم تھیں۔ اُسی وقت اُنہیں ملا۔ شام تک شہر کی گلی گلی کوچہ کوچہ میں پھیل گیا۔ دوسرے ہی دن اخباروں میں مشتہر ہو گیا۔ مرزا بھی بڑے ادا شناس اور سخن فہم تھے۔ سمجھے کہ سقا کچھ اور ہو گیا کچھ اور یہ قطعہ حضور میں گذرانا۔

قطعۂ در معذرت

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی — اپنا بیان حُسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پُشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رَو ہوں اور مرا مسلک ہے صُلحِ کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہی کی حاجت نہیں مجھے
ہیں کون اور ریختہ۔ ہاں اس سے مُدّعا — جُز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا زرہ امتثالِ امر — دیکھا کہ چارۂ غیرِ اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

www.urduchannel.in

کلکتہ کا معرکہ

کلکتہ میں بہت سے اہل ایران اور بڑے بڑے علماء و فضلا موجود تھے۔ مگر افسوس ہے کہ وہاں مرزا کے کمال کے لئے ایسی عظمت نہ ہوئی جیسی کہ اُن کی شان کیلئے شایاں تھی حقیقت میں اُنکی عظمت ہونی چاہئے تھی۔ اور ضرور ہوتی مگر ایک اتفاقی پیچ پڑگیا۔ اسکی داستان یہ ہے کہ مرزا نے کسی جلسہ میں ایک فارسی کی غزل پڑھی۔ جسمیں ایک لفظ پر بعض اشخاص نے اعتراض کیا۔ اور اعتراض بموجب اُس قاعدے کے تھا جو مرزا قتیل نے ایک اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ مرزا نے سُنکر کہا کہ قتیل کون ہوتا ہے؟ اور مجھے قتیل سے کیا کام؟ ایک فرید آباد کا کھتری تھا۔ میں اہل زبان کے سوا کسی کو نہیں سمجھتا۔ وہ لوگ اکثر مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔ اس لئے آئین مہمان نوازی سے آنکھیں بند کرلیں۔ اور جوش خروش خاص وعام میں پیدا ہوا۔ مرزا کو تعجب ہوا اور اس خیال سے کہ یہ فتنہ کسی طرح فرد ہوجائے سلامت روی کا طریقہ اختیار کرکے ایک مثنوی لکھی۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ داد سخنوری کی دی ہے۔ معرکہ کا سارا ماجرا نہایت خوبی کے ساتھ نظم میں ادا کیا۔ اعتراض کو سند سے دفع کیا۔ اپنی طرف سے انکسار مناسب کے ساتھ معذرت کا حق پورا کیا۔ لیکن زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ جب مثنوی حریفوں کے جلسہ میں پڑھی گئی تو بجائے اسکے کہ کمال کو تسلیم کرتے۔ یا مہمان سے اپنی زیادتیوں کا عذر کرتے۔ ایک نے عمداً کہا کہ اس مثنوی کا نام کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ **بادِ مخالف** دوسرے نے گلستاں کا فقرہ پڑھا۔ کہ ارسطا را باد مخالف در شکم پیچید اور سب نے ہنس دیا۔

لطیفہ دلی میں مشاعرہ تھا۔ مرزا نے اپنی فارسی غزل پڑھی۔ مفتی صدرالدین خاں صاحب اور مولوی امام بخش صاحب صہبائی جلسہ میں موجود تھے۔ مرزا صاحب نے جس وقت یہ مصرع پڑھا۔ ع بوادیئے کہ دران خضر را عصا خفت است۔ مولوی صہبائی کی تحریک سے مفتی صاحب نے فرمایا کہ عصا خفت است میں کلام ہے۔ مرزا نے کہا کہ حضرت! میں ہندی نژاد ہوں۔ میرا عصا پکڑ لیا۔ اس شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا۔ ع وے بجائے اوّل عصائے شیخ بخفت۔ انہوں نے کہا کہ اصل محاورہ میں کلام نہیں کلام اسمیں ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہیں۔

www.urduchannel.in

لطیفہ۔ ایک دفعہ مرزا بہت قرضدار ہو گئے۔ قرض خواہوں نے نالش کر دی۔ جوابدہی میں طلب ہوئے۔ مفتی صاحب کی عدالت تھی۔ جس وقت پیشی میں گئے یہ شعر پڑھا۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

مرزا صاحب کو ایک آفتِ ناگہانی کے سبب سے چند روز جیل خانہ میں اس طرح رہنا پڑا کہ جیسے حضرت یوسفؑ کو زندانِ مصر میں۔ کپڑے میلے ہو گئے۔ جوئیں پڑ گئی تھیں۔ ایکدن بیٹھے اُن میں سے جوئیں چُن رہے تھے۔ ایک رئیس وہیں عیادت کو پہنچے۔ پوچھا کیا حال ہے۔ آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ہم غم زدہ جسدن سے گرفتارِ بلا ہیں
کپڑوں میں جوئیں بخیوں کے ٹانکوں سے سوا ہیں

جسدن وہاں سے نکلنے لگے۔ اور لباس تبدیل کرنے کا موقع آیا تو وہاں کا کُرتہ وہیں پھاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا۔

ہائے اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

حسین علیخاں چھوٹا لڑکا ایک دن کھیلتا کھیلتا آیا کہ دادا جان مٹھائی منگا دو۔ آپ نے فرمایا کہ پیسے نہیں۔ وہ صندوقچہ کھولکر ادھر اُدھر پیسے ٹٹولنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ بدیہ

درم و دام اپنے پاس کہاں
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

پنشن سرکار سے ماہ بماہ ملتی تھی۔ بغاوتِ دہلی کے بعد حکم ہُوا کہ ششماہی ملا کرے اس موقع پر ایک دوست کو لکھتے ہیں۔ تقسیم ششماہی میں لطیفہ

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھکو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

مگر یہ دو شعر حقیقت میں ایک قصیدے کے ہیں جسکی بدولت بادشاہ دہلی کے دربار سے ششماہی تنخواہ کے لئے ماہواری کا حکم حاصل کیا تھا۔ فارسی کے قصائد میں بھی اس قسم کی غزل و نصب اُنہوں نے اکثر کئے ہیں۔ اور یہ کچھ عجب بات نہیں۔ انوری وغیرہ اکثر شعرا نے ایسا کیا ہے۔

www.urduchannel.in

لطیفہ۔ مولوی فضل حق صاحب مرزا کے بڑے دوست تھے۔ ایک دن مرزا اُنکی ملاقات کو گئے۔ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا یہ مصرع پڑھا کرتے تھے۔ ع بیا برادر آو رے بھائی۔ چنانچہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہی مصرع کہکر بٹھایا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی صاحب کی رنڈی دوسرے دالان سے اُٹھکر پاس آن بیٹھی۔ مرزا نے فرمایا۔ ہاں صاحب اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجئے۔ ع بنشین مادر بیٹھ ری مائی۔

لطیفہ۔ مرزا کی قاطع برہان کے بہت شخصوں نے جواب لکھے ہیں۔ اور بہتیری بانی درازیاں کی ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضرت آپنے فلاں شخص کی کتاب کا جواب نہ لکھا۔ فرمایا بھائی اگر کوئی گدھا تمہارے لات مارے تو تم اسکا کیا جواب دوگے۔

لطیفہ۔ بہن بیمار تھیں۔ آپ عیادت کو گئے۔ پوچھا کیا حال ہے۔ وہ بولیں کہ مرتی ہوں قرض کی فکر ہے کہ گردن پر لئے جاتی ہوں۔ آپ نے کہا کہ بوا! بھلا یہ کیا فکر ہے! خدا کے ہاں کیا مفتی صدرالدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کرکے پکڑوا بلائینگے۔

لطیفہ۔ ایک دن مرزا کے شاگرد رشید نے آکر کہا حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اُسکی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کر گویا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھئے تو میں کیسا فصیح ہوگیا۔ مرزا نے کہا کہ ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیپلیاں کیوں نہ کھالیں چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

لطیفہ۔ بعض بعض شاگرد [illegible] مرزا سے کہا کہ آپ نے حضرت علیؑ کی مدح میں بہت قصیدے اور بڑے بڑے زور کے قصیدے کہے صحابہ میں سے کسی کی تعریف میں کچھ نہ کہا مرزا نے ذرا تامل کرکے کہا کہ انہیں کوئی ایسا دکھا دیجئے تو اسکی تعریف بھی کہہ دوں۔ مرزا صاحب کی شوخیٔ طبع ہمیشہ انہیں اس رنگ میں شور بور رکھتی تھی جس سے ناواقف

ـــہ یہ لطیفہ کئی شاعروں کی طرف منسوب ہے۔

www.urduchannel.in

لوگ اُنہیں الحاد کی تہمت لگائیں۔ اور چونکہ یہ رنگ ان کی شکل وشان پر عجیب معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کے دوست ایسی باتوں کو سُنکر چونکتے تھے۔ جون جون وہ چونکتے تھے وہ اور بھی زیادہ چھینٹے اڑاتے تھے۔ اُن کی طبیعت سرور شراب کی عادی تھی۔ لیکن اُسے گناہ الٰہی سمجھتے تھے اور یہ بھی عہد تھا کہ محرم میں ہرگز نہ پیتے تھے۔

لطیفہ۔ غدر کے چند روز بعد پنڈت موتی لعل کہ اُن دنوں میں مترجم گورنمنٹ پنجاب کے تھے۔ صاحب چیف کمشنر پنجاب کے ساتھ دلّی گئے۔ اور حُبّ الوطن اور محبّت فن کے سبب سے مرزا صاحب کی ملاقات کی۔ اُن دنوں پنشن بند تھی۔ دربار کی اجازت نہ تھی مرزا بسبب دل شکستگی کے شکوہ شکایت سے لبریز ہو رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں کہنے لگے کہ عمر بھر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر۔ اور ایکدفعہ بھی نماز پڑھی تو مسلمان نہیں پھر میں نہیں جانتا کہ مجھے سرکار نے باغی مسلمانوں میں کسطرح شامل سمجھا۔

لطیفہ۔ بھوپال سے ایک شخص دلّی کی سیر کو آئے۔ مرزا صاحب کے بھی مُشتاق ملاقات تھے چنانچہ ایک دن ملنے کو تشریف لائے۔ وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ نہایت پرہیزگار اور پارسا شخص ہیں۔ اُنسے بکمال اخلاق پیش آئے۔ مگر معمولی وقت تھا۔ بیٹھے سرور کر رہے تھے گلاس اور شراب کا شیشہ آگے رکھا تھا۔ اُن بیچارہ کو خبر نہ تھی کہ آپ کو یہ شوق بھی ہے انہوں نے کسی شربت کا شیشہ خیال کرکے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ کوئی شخص پاس سے بولا کہ جناب یہ شراب ہے۔ بھوپالی صاحب نے جھٹ شیشہ ہاتھ سے رکھدیا اور کہا کہ میں نے تو شربت کے دھوکے میں اُٹھایا تھا۔ مرزا صاحب نے مُسکرا کر اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ زہے نصیب دھوکے میں نجات ہوگئی۔

لطیفہ۔ ایک دفعہ رات کو انگنائی میں بیٹھے تھے۔ چاندنی رات تھی۔ تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ آپ آسمان کو دیکھکر فرمانے لگے کہ جو کام بے صلاح ومشورہ ہوتا ہے بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ خدا نے تارے آسمان پر کسی سے مشورہ کرکے نہیں بنائے جبھی بکھرے ہوئے

www.urduchannel.in

ہیں۔ نہ کوئی سلسلہ نہ زنجیر نہ بیل نہ بوٹہ۔

لطیفہ۔ ایک مولوی صاحب جن کا مذہب سنت وجماعت تھا۔ رمضان کے دنوں میں ملاقات کو آئے۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ مرزا نے خدمتگار سے پانی مانگا۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت غضب کرتے ہیں رمضان میں روزے نہیں رکھتے۔ مرزا نے کہا سُنی مسلمان ہوں۔ چار گھڑی دن سے روزہ کھول لیا کرتا ہوں۔

لطیفہ۔ رمضان کا مہینا تھا۔ آپ نواب حسین مرزا کے ہاں بیٹھے تھے۔ پان منگا کر کھایا۔ ایک صاحب فرشتہ سیرت۔ نہایت متقی و پرہیزگار اُسوقت حاضر تھے۔ اُنہوں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ قبلہ آپ روزہ نہیں رکھتے۔ مُسکرا کر بولے شیطان غالب ہے۔

یہ لطیفہ اہل ظرافت میں پہلے سے بھی مشہور ہے کہ عالمگیر کا مزاج سرمد سے مکدر تھا۔ اسلئے ہمیشہ اُس کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ قاضی قوی جو اس عہد میں قاضی شہر تھا اس نے ایک موقع پر سرمد کو بھنگ پیتے ہوئے جا پکڑا۔ اوّل بہت سے لطائف و ظرائف کے ساتھ جواب سوال ہوئے۔ آخر جب قاضی نے کہا کہ نہیں! شرع کا حکم اسی طرح ہے۔ کیوں حکم الٰہی کے برخلاف باتیں بناتا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا کروں! یا شیطان قوی ہے۔

لطیفہ۔ جاڑے کا موسم تھا۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں صاحب مرزا کے گھر آئے آپ نے ان کے آگے شراب کا گلاس بھر کر رکھدیا۔ وہ ان کا منہ دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ لیجئے چونکہ وہ تائب ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تو توبہ کی۔ آپ متعجب ہو کر بولے کہ ہیں کیا جاڑے میں بھی۔

لطیفہ۔ ایک صاحب نے اُن کے سُنانے کو کہا کہ شراب پینی سخت گناہ ہے۔ آپ نے ہنسکر کہا کہ بھلا جو پیئے تو کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ادنیٰ بات یہ ہے کہ دعا نہیں قبول ہوتی۔ مرزا نے کہا کہ آپ جانتے ہیں شراب پیتا کون ہے؟ اول تو وہ کہ ایک بوتل اولڈ ٹام کی۔ باسامان سامنے حاضر ہو۔ دوسرے بیفکری۔ تیسرے صحت۔ آپ فرمایئے

کہ جسے یہ سب کچھ حاصل ہو اُسے اور چاہیئے کیا جسکے لئے دُعا کرے۔

مرزا صاحب کو مرنے سے ۲۰ برس پہلے اپنی تاریخ فوت کا ایک مادہ ہاتھ آیا وہ بہت بھایا اور اسے موزون فرمایا۔

تاریخ فوت

من کہ باشم کہ جاوداں باشم — چوں نظیری نماند و طالب مرد
در بپرسند در کدامیں سال؟ — مُرد غالب - بگو کہ غالب مُرد

اس حساب سے سنہ ۱۲۷۷ھ میں مرنا چاہیئے تھا۔ اسی سال شہر میں سخت وبا آئی۔ ہزاروں آدمی مر گئے۔ ان دنوں دلّی کی بربادی کا غم تازہ تھا چنانچہ میر مہدی صاحب کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو؟ قدر انداز قضا کے ترکش میں یہی ایک تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام۔ لوٹ ایسی سخت۔ کال ایسا بڑا۔ وبا کیوں نہ ہو لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے[25]

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام — ایک مرگِ ناگہانی اور ہے۔

میاں ۱۸۶۱ء کی بات غلط نہ تھی۔ مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اسمیں میری کسرِ شان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا کے سمجھ لیا جائیگا۔

غزلین

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا — تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا
بفیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے — کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریٔ قاتل — کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ قاتل پسند آیا
دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا — ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

[25] اپنے تئیں لسان الغیب قرار دیا۔

www.urduchannel.in

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گذرگاہِ خیالِ مئے و ساغر ہی سہی
گر نفسِ جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پہ بھی راضی کہ کبھی
گوشِ منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دمِ عیسی نہ ہوا

کل کیلئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدِ ہے کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرۂ موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرایشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دامِ ہر حلقہ میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب۔ اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

www.urduchannel.in

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائینگے ہم تمکو خبر ہوتے تک

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے ایک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

تیرے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرِ نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غمِ اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بیمزہ نہ ہوا

ہے خبر گرم انکے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

www.urduchannel.in

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اُسیکی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھمنا
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے
لیکے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

داغ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی؟

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

حسن مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

بے طلب دیں تو مزا اسمیں سوا ملتا ہے
وہ گدا جسکو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

www.urduchannel.in

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو مِلجائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جسکا کہ مآل اچھا ہے

خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دلکے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قدِ و رخ کے ظہور کی

اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سُنی نہیں آواز صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اُسنے شکایت ضرور کی

غالبؔ گر اس سفر میں مجھے ساتھ لیجلیں
حج کا ثواب نذر کرونگا حضور کی

نوید امن ہے بیدادِ دوست جاں کیلئے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کیلئے

وہ زخم ہم ہیں کہ ہیں رشکِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک
بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے

فلک دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
دراز دستیٔ قاتل کے امتحاں کے لئے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

www.urduchannel.in

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کیلئے

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک
بنا ہے چرخِ بریں جسکی آستاں کیلئے

زمانہ عہد میں اُسکی ہے محوِ آرائش
بنینگے اور ستارے اب آسماں کیلئے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کیلئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

مرزا سلامت علی دبیر

خاندانی شاعر نہ تھے[۲۵]۔ لڑکپن میں مرثیہ پڑھتے تھے۔ اس شوق نے منبر کی سیڑھی سے مرثیہ گوئی کے عرش الکمال پر پہنچا دیا۔ میر مظفر حسین ضمیر کے شاگرد ہوئے اور جو کچھ اُستاد سے پایا اُسے بہت بلند اور روشن کر کے دکھایا۔ تمام عمر میں کسی اتفاقی سبب سے کوئی غزل یا شعر کہا ہو! ۔ ورنہ مرثیہ گوئی کے فن کو لیا اور اس درجہ تک پہنچا دیا جس سے آگے ترقی کا رستہ بند ہو گیا۔ ابتدا سے اس شغل کو زادِ آخرت کا سامان سمجھا۔ اور نیک نیتی سے اس کا ثمرہ لیا۔ طبیعت بھی ایسی گداز پائی تھی۔ جو کہ اس فن کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھی۔ انکی سلامت روی۔ پرہیزگاری۔ مسافر نوازی اور سخاوت نے صفت کمال کو زیادہ تر رونق دی تھی۔

[۲۵] تذکرہ سراپا سخن میں لکھا ہے کہ ان کے والد مرزا آغا جان کاغذ فروش تھے۔ پھر ایک جگہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔ دبیر ولد غلام حسین متعلقان مرزا آغا جان کاغذ فروش سے ہیں۔ مصنف موصوف کو شوق ہے کہ ہر شخص کے باب میں کچھ نہ کچھ نکتہ مضر کا نکال لیتے ہیں۔ اسلئے خاندان کے باب میں نہ یقین ہے نہ شک۔

www.urduchannel.in

شاگردانِ الٰہی کی طبیعت میں جذبۂ الٰہی کا جوش رکھتی ہے بچپن سے دل چونچال تھا ابتدائے مشق میں کسی لفظ پر اُستاد کی اصلاح پسند نہ آئی۔ شیخ ناسخ زندہ تھے۔ مگر بوڑھے ہو گئے تھے۔ ان کے پاس چلے گئے۔ وہ اُسوقت گھر کے صحن میں مونڈھے بچھائے جلسہ جمائے بیٹھے تھے انہوں نے عرض کی کہ حضرت! اس شعر میں مَیں نے تو یہ کہا ہے اور اُستاد نے یہ اصلاح دی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اُستاد نے ٹھیک اصلاح دی ہے۔ انہوں نے پھر کہا کہ حضرت کتابوں میں تو اس طرح آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جو تمہارے اُستاد نے بنایا ہے وہی درست ہے۔ انہوں نے پھر عرض کی کہ حضرت آپ کتاب کو ملاحظہ تو فرمائیں۔ شیخ صاحب نے جھنجھلا کر کہا ارے تو کتاب کو کیا جانے! ہمارے سامنے کتاب کا نام لیتا ہے! ہم کتابیں دیکھتے دیکھتے خود کتاب بن گئے ہیں۔ ایسے غصے ہوئے کہ لکڑی سامنے رکھی تھی وہ لیکر اُٹھے یہ بھاگے۔ انہیں بھی ایسا جوش تھا کہ دروازہ تک ان کا تعاقب کیا۔

لکھنؤ کے لڑانے اور چمکانے والے غضب تھے۔ آخر مرزا کا عالم شباب تھا۔ اور کمال بھی عینِ شباب پر تھا۔ کہ جوانی کا بڑھاپے سے معرکہ ہُوا۔ نواب شرف الدولہ میر ضمیر کے بڑے قدردان تھے۔ اُن سے ہزاروں روپے کے سلوک رہتے تھے۔ ابتدا میں ان کے سبب سے اور پھر مرزا کے جواہر کمال کے باعث سے انکی بھی قدردانی کرتے تھے۔ انکی مجلس میں اول مرزا۔ بعد ان کے میر ضمیر پڑھا کرتے تھے۔

ایک موقع پر مرزا نے ایک مرثیہ لکھا جسکا مطلع ہے ع دستِ خدا کا قوتِ بازو حسین ہے میر ضمیر کے سامنے جب اصلاح کیلئے پیش کیا تو اُنہیں اسکے نئے خیالات اور طرزِ بیان اور ترتیب مضامین پسند آئی۔ اسے توجہ سے بنایا۔ اور اُسی اثنا میں نواب کے ہاں ایک مجلس ہونیوالی تھی۔ رشید شاگرد سے کہا کہ بھئی اس مرثیہ کو ہم اُس مجلس میں پڑھینگے۔ یہ تسلیم کرکے تسلیم بجا لائے اور مرثیہ انہی کو دیدیا۔

گھر میں آئے تو بعض احباب سے حال بیان کیا۔ مُسوّدہ پاس تھا وہ بھی سُنایا۔ کچھ تو یار دل کا چمکانا۔ کچھ اس سبب سے کہ ذوق و شوق کے پھول ہمیشہ شبنم تعریف کے پیاسے ہیں اور نواب

www.urduchannel.in

کو خبر پہنچگئی تھی۔ اُدھر کے اشاروں میں انعام کی ہوا آئی۔ غرض انجام یہ ہوا کہ اُستاد مرثیہ صاف کر کے لیگئے کہ وہی پڑہینگے۔

بموجب معمول کے اول مرزا صاحب منبر پر گئے اور وہی مرثیہ پڑہا۔ بڑی تعریفیں ہوئیں اور مرثیہ خوب سرسبز ہُوا۔ اُستاد کی ہمیشہ شاگرد کے پڑہنے پر باغ باغ ہوا کرتے تھے اور تعریفیں کر کے دل بڑہاتے تھے اب خاموش بیٹھے ہیں۔ کچھ غصہ کچھ بیوفائی زمانہ کا کچھ اپنی محنتوں کا افسوس۔ اور فکر یہ کہ اب میں پڑھونگا تو کیا پڑہونگا۔ اور اسسے بڑھکر کیا پڑہونگا جسمیں اُستادی کا رتبہ بڑہے۔ نہیں تو اپنے درجہ سے گرے بھی تو نہیں۔ غرض اُن کے بعد یہ پڑہے اور کمال کی دستار صحیح سلامت لیکر منبر سے اُترے۔ لیکن اسدن سے دل پھر گیا۔ یار لوگوں نے شاگرد کو نقطۂ مقابل کر کے بجائے خود اُستاد بنادیا اور وہی صورت ہوگئی کہ ایک مجلس میں دونوں کا اجتماع موقوف ہوگیا۔ زمانہ نے اپنے قاعدہ کے بموجب چند روز مقابلوں سے شاگرد کا دل بڑھایا۔ اور آخر بڑہاپے کی سفارش سے استاد کو آرام کی اجازت دی۔ وہ اپنے حریف میر خلیق کے سامنے کوشۂ عزلت کا مقابلہ کرنے لگے۔ اور یہاں میر انیس اور مرزا دبیر کے معرکے گرم ہوگئے۔

دونوں کے کمال نے سخن شناسوں کے ہجوم کو دو حصوں میں بانٹ لیا۔ آدھے انیسئے ہوگئے۔ آدھے دبیریئے۔ ان کے کلام میں محاکمہ کرنے کا لطف جب ہے کہ ہر اُستاد کے تہ تہ ۵ ۵ سو مرثیے بجائے خود پڑھو۔ اور پھر مجلسوں میں سُنکر دیکھو کہ ہر ایک کا کلام اہل مجلس پر کسقدر کامیاب یا ناکام رہا۔ بے اسکے مزا نہیں۔ میں اس نکتہ پر میر انیس کے حال میں کاوش کرونگا۔ مگر اتنا یہاں بھی کہتا ہوں کہ میر انیس صاحب صفائی کلام۔ لطفِ زبان۔ چاشنیِ محاورہ۔ خوبی بندش۔ حسنِ اسلوب۔ مناسبت مقام۔ طرزِ ادا اور سلسلہ کی ترتیب میں جواب نہیں رکھتے۔ اور یہی رعایتیں انکی کم گوئی کا سبب تھیں مرزا دبیر صاحب۔ شوکتِ الفاظ۔ مضامین کی آمد۔ اسمیں جابجا غم انگیز اشارے۔ دردخیز کنائے۔ المناک اور دلگداز انداز جو مرثیہ کی غرضِ اصلی ہے۔ ان وصفوں میں

www.urduchannel.in

بادشاہ تھے۔ یہ اعتراض حریفوں کا درست ہے کہ بعض ضعیف روایتیں اور واہی مضامین ایسے نظم ہو گئے ہیں جو مناسب نہ تھے۔ لیکن انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب ایک مقصود کو مدِ نظر رکھکر اس پر متوجہ ہوتا ہے تو اور پہلوؤں کا خیال بہت کم رہتا ہے۔ انہیں ایسی مجلسوں میں پڑھنا ہوتا تھا جہاں ہزار ہا آدمی دوست دشمن جمع ہوتا تھا۔ تعریف کی بنیاد گریہ و بکا اور لطفِ سخن اور ایجاد مضامین پر ہوتی تھی کمال یہ تھا کہ سب کو رُلانا اور سب کے مُنہ سے تحسین کا نکالنا۔ اس شوق کے جذبہ اور فکرِ ایجاد کی محویت میں جو کچھ قلم سے نکل جائے تعجب نہیں۔ نکتہ چینی ایک چھوٹی سی بات ہے، جہاں چاہا دو حرف لکھدیئے۔ جب انسان تمام عمر اُسمیں کھپا دے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ کتنا کہا اور کیسا کہا۔ ایجاد و اختراع کے لفظ پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ اصولِ فن سے متعلق ہے۔ اہلِ ذوق کے ملاحظہ کے لئے لکھتا ہوں۔

آتشی لطیفہ۔ مرزا دبیر کی جوانی تھی اور شاعری بھی عین جوانی پر تھی کہ ایک دھوم دھام کا مرثیہ لکھا۔ اُسکا نمودار تمہید سے چہرہ باندھا۔ رزمیہ و بزمیہ مضامین پر خوب زور طبع دکھایا۔ تازہ ایجاد یہ کیا کہ لشکرِ شام سے ایک بہادر پہلوان تیار کر کے میدان میں لائے۔ اسکی ہیبت ناک مورت بدہیئت۔ آمد کی آن بان۔ اسکے اسلحۂ جنگ ان کے خلاف قیاس مقادیر و وزن سے طوفان باندھے۔ پہلے اس سے کہ یہ مرثیہ پڑھا جائے مشہور میں شہرہ ہو گیا۔ ایک مجلس قرار پائی۔ اسمیں علاوہ معمولی سامعین کے سخن فہم اور اہل کمال اشخاص کو خاص طور پر بھی اطلاع دیگئی۔ روز معہود پر ہجوم خاص و عام ہوا طلب کی تحریکیں اس اسلوب سے ہوئی تھیں کہ خواجہ آتش باوجود پیری و آزادی کے تشریف لائے۔ مرثیہ شروع ہوا۔ سب لوگ بموجب عادت کے تعریفوں کے غل مچاتے رہے۔ گریہ و بکا بھی جب ہوا خواجہ صاحب خاموش سر جھکائے۔ دو زانو بیٹھے جھومتے رہے۔ مرزا صاحب مرثیہ پڑھکر منبر سے اُترے۔ جبڑوں کے جوش دھیمے ہوئے۔ تو خواجہ صاحب کے پاس جا بیٹھے اور کہا کہ حضرت! جو کچھ بندے نے عرض کیا آپنے سُنا۔ فرمایا ہاں بھئی سُنا۔ انہیں اتنی بات پر قناعت کب تھی؟ پھر کہا

www.urduchannel.in

آپکے سامنے پڑھنا گستاخی ہے۔ لیکن آپنے ملاحظہ فرمایا؟ انہوں نے فرمایا بھئی سُنا تو سہی مگر میں سوچتا یہ ہوں کہ یہ مرثیہ تھا یا لندھور[1] بن سعدان کی داستان تھی (داماد اُستاد کامل اتنے سے فقرہ میں عمر بھر کے لئے اصلاح دے گیا)

مرزا صاحب نے ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ کو ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اس مدت میں کم سے کم ۳ ہزار مرثیہ لکھا ہوگا۔ سلاموں اور نوحوں اور رباعیوں کا کچھ شمار نہیں۔ ایک مرثیہ بے نقط لکھا جسکا مطلع ہے ع ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا۔ اسمیں اپنا تخلص بجائے دبیر کے **عطارد** لکھا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ انکے ساتھ ہندوستان میں مرثیہ گوئی کا خاتمہ ہوگیا۔ نہ اب ویسا زمانہ آئیگا نہ ویسے صاحب کمال پیدا ہونگے۔

میر ببر علی انیس

لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی اور ضروریات فن سے آگاہی حاصل کی اپنے خاندانی کمال میں باپ کے شاگرد تھے اور جسطرح عمر میں دونوں بھائیوں سے بڑے تھے۔ اسیطرح کمال میں بھی فایق تھے۔ ابتدا میں انہیں بھی غزل کا شوق تھا۔ ایک دفعہ کہیں مشاعرہ میں گئے۔ اور غزل پڑھی۔ وہاں بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ خبر سُنکر دلمیں تو باغ باغ ہوا۔ مگر ہونہار فرزند سے پوچھا کہ کل رات کو کہاں گئے تھے؟ انہوں نے حال بیان کیا۔ غزل سُنی اور فرمایا کہ بھائی! اب اس غزل کو سلام کرو اور اس شغل میں زور طبع کو صرف کرو۔ جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔ سعادت مند بیٹے نے اُسی دن اُدھر سے قطع نظر کی۔ غزل مذکور کی طرح میں سلام لکھا۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کے دائرہ میں آگئے

[1] ملک لندھور کی خلافِ عقل طاقتیں اور خرق العادت کارروائیاں امیر حمزہ کے قصے کی شان و شکوہ اس طرح بڑھاتی ہیں کہ رستم و اسفندیار شاہنامہ کے صفحوں میں منہ چھپا لیتے ہیں۔

[2] مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام۔ انہی کے محلہ میں رہتے تھے اور پڑھایا کرتے تھے۔ میر انیس فرماتے تھے کہ ابتدائی کتابیں میں نے انہی سے پڑھی تھیں +

www.urduchannel.in

اور تمام عمر اسی میں صرف کر دی۔ نیک نیتی کی برکت لے اسی میں دین بھی دیا اور دنیا بھی اس حد تک یہ اور ان کے ہمعصر اپنے اُستادوں کی اطاعت کو طاعت سمجھتے تھے۔ سلام مرثیے۔ نوحے۔ رباعیاں کہتے تھے۔ اور مرثیہ کی مقدار ۳۵۔ ۴۰ سے ۵۰ بند تک تھی۔

زمانہ کی خاصیت طبعی ہے کہ جب نباتات پُرانے ہو جاتے ہیں تو انہیں نکال کر پھینک دیتا ہے اور نئے پودے لگاتا ہے۔ میر ضمیر اور میر خلیق کو بڑھاپے کے پلنگ پہ بٹھایا میر انیس کو باپ کی جگہ منبر پر ترقی دی۔ اُدھر سے مرزا دبیر انکے مقابلہ کیلئے نکلے یہ خاندانی شاعر نہ تھے۔ مگر میر ضمیر کے شاگرد رشید تھے۔ جب دونوں نوجوان میدان مجالس میں جولانیاں کرنے لگے تو فن مذکور کی ترقی کے بادل گرجتے اور برستے اُٹھے اور نئے اختراعوں اور ایجادوں کے مینہ برسنے لگے۔ بڑی بات یہ تھی کہ بادشاہ سے لیکر امرا اور غربا تک شیعہ مذہب رکھتے تھے نوجوانوں کے کمال کو جوش اعتقاد قدر دان ملے وہ بزرگوں سے شمار میں زیادہ اور وزن میں بہت بھاری تھے۔ کلام نے وہ قدر پیدا کی کہ اِتنے زیادہ بہشت ہی میں ہو تو ہو! قدر دانی بھی فقط زبانی تعریف اور تعظیم و تکریم میں ختم نہ ہو جاتی تھی۔ بلکہ نقد و جنس کے گراں بہا انعام تحائف اور نذرانوں کے رنگ میں پیش ہوتے تھے۔ ان ترغیبوں کی بدولت فکروں کی پرواز اور ذہنوں کی رسائی امید سے زیادہ بڑھ گئی۔ دونوں باکمالوں نے ثابت کر دیا۔ کہ حقیقی اور تحقیقی شاعر ہم ہیں اور ہم ہیں کہ ہر رنگ کے مضمون۔ ہر قسم کے خیال۔ ہر ایک حال کا اپنے الفاظ کے جوڑ بند سے ایسا طلسم باندھ دیتے ہیں کہ چاہیں رُلا دیں۔ چاہیں ہنسا دیں۔ چاہیں تو حیرت کی صورت بنا کر بٹھا دیں۔

یہ دعوے بالکل درست تھے کیونکہ مشاہدہ ان کی تصدیق کو ہر وقت حاضر رہتا تھا۔ دلیل کی حاجت نہ تھی۔ سکندر نامہ جسکی تعریف میں لوگوں کے لب خشک ہیں اسمیں چند میدان جنگ ہیں۔ رزم زنگبار۔ جنگ دارا۔ جنگ روس۔ جنگ فور۔ جنگ فغفور

www.urduchannel.in

اسی طرح بزم کی چند تمہیدیں اور جشن ہیں۔ شاہنامہ کہ ۶۰ ہزار شعر فردوسی کی عمر بھر کی کمائی ہیں۔ انہوں نے ایجادِ مضامین کے دریا بہا دیئے۔ ایک مقرری مضمون کو سینکڑوں نہیں ہزاروں رنگ سے ادا کیا۔ ہر مرثیہ کا چہرہ نیا۔ آمد نئی۔ رزم جُدا۔ بزم جُدا۔ اور ہر میدان میں مضمون اچھوتا۔ تلوار نئی۔ نیزہ نیا۔ گھوڑا نیا۔ انداز نیا مقابلہ نیا اور اس پر کیا منحصر ہے صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ۔ رات کی رخصت۔ سیاہی کا پھٹنا۔ نور کا ظہور۔ آفتاب کا طلوع۔ مرغزار کی بہار شام ہے تو شامِ غریباں کی اُداسی کبھی رات کا سناٹا۔ کبھی تاروں کی چھاؤں کو چاندنی اور اندھیرے کے ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے۔ غرض جس حالت کو لیا ہے۔ اس کا سما باندھ دیا ہے۔ آمد مضامین کی بھی انتہا نہ رہی۔ جن مرثیوں کے بند ۴۰-۵۰ سے زیادہ نہ ہوتے تھے وہ ۱۰۰ سے گذر کر ۲۰۰ سے بھی نکل گئے۔ میر صاحب مرحوم نے کم سے کم ۱۰ ہزار مرثیہ ضرور کہا ہوگا اور سلاموں کا تو کیا شمار ہے۔ رباعیاں تو باتیں تھیں۔

دونوں استادوں کے ساتھ طرفداروں کے دو جتھے ہو گئے۔ ایک انیسئے کہلاتے تھے ایک دبیرئے۔ اگرچہ ان کے فضول فخریوں اور اعتراضوں نے بے جا تکراریں اور جھگڑے پیدا کئے۔ مگر بہ نسبت نقصان کے فائدہ زیادہ ہوا۔ کیونکہ بے حد تعریفوں نے دونوں اُستادوں کے فکروں کو شوقِ ایجاد اور مشقِ پرواز میں عرش سے بھی اونچا اُچھال دیا دونوں اُمتیں جو اپنے دعووں پر دلیلیں پیش کرتی تھیں کوئی وزن میں زیادہ ہوتی تھی کوئی مساحت میں۔ اسلئے یکطرفی فیصلہ نہ ہوتا تھا۔

انیسی امت۔ اپنے سخن آفریں کی صفائی کلام۔ حُسنِ بیان اور لطفِ محاورہ پیش کر کے نظیر کی طلبگار ہوتی تھی۔

دبیری امت۔ شوکت الفاظ۔ بلند پروازی اور تازگی مضامین کو مقابلہ میں حاضر کرتی تھی۔

انیسی امت کہتی تھی کہ جسے تم فخر کا سرمایہ سمجھتے ہو یہ باتیں دربارِ فصاحت میں نامقبول

www.urduchannel.in

ہو کر خارج ہو چکی ہیں کہ فقط کوہ کندن اور کاہ بر آوردن ہے۔

دبیری امت کہتی تھی کہ تم اسے دشواری کہتے ہو۔ یہ علم کے جوہر ہیں۔ اسے بلاغت کہتے ہیں۔ تمہارے سخن آفریں کے بازو میں علم کی طاقت ہو تو پہاڑوں کو چیرے اور یہ جواہر نکالے۔ انیس کے کلام میں ہے کیا؟ فقط زبانی باتوں کا جمع خرچ ہے۔

ایمسی اُمت اس جواب پر چمک اٹھتی تھی اور کہتی تھی گو نسا خیال تمہارے سخن آفریں کا ہے جو ہمارے معنی آفرین کے ہاں نہیں ہے؟ تم نہیں جانتے! جسے باتوں کا جمع خرچ کہتے ہو یہ صفائی کلام اور قدرت بیان کی جزئی ہے! اسے سہل ممتنع کہتے ہیں! یہ جوہر خداداد ہے۔ کتابیں پڑھنے اور کاغذ سیاہ کرنے سے نہیں آتا۔

دبیریئے اس تقریر کو سُنکر کسی مرثیئے کی تمہید۔ یا میدان کی آمد۔ یا رجز خوانی کے بند پڑھنے شروع کر دیتے جنمیں اکثر آیتوں یا حدیثوں کے فقرے تضمین ہوتے تھے۔

ایمسیئے کہتے تھے۔ اسے کس کافر کو انکار ہے۔ مگر اتنا ہی پڑھیئے گا۔ آگے نہ بڑھیئے گا دوسرے مطلب کی طرف انتقال کیجئے گا تو سلسلہ میں ربط بھی نصیب نہوگا۔ حضرت! فقط لفاظی کی دھوم دھام سے کچھ نہیں ہوتا۔ ادائے مطلب اصل شئے ہے۔ اس پر گفتگو کیجئے گا تو پوری بات بھی نہو سکیگی۔ یہ قادر الکلام باکمالوں کا کام ہے۔ جن کو اس فن کے اُصول بزرگوں سے سینہ بسینہ پہنچے ہیں وہی اس کام کو جانتے ہیں۔

دبیریئے اسکے جواب میں اپنے سخن آفریں کی آمدِ طبیعت۔ مضامین کا وفور۔ لفظوں کی بہتات دکھاتے تھے۔ اور جا و بیجا کہتے جاتے تھے۔ کہ دیکھئے کیا محاورہ ہے! دیکھئے صاف بول چال ہے۔ ساتھ اسکے یہ بھی کہتے تھے کہ کس کا منہ ہے جو رات کو بیٹھے اور سو بند کہکر اُٹھے؟ برس دن تک خامہ فرسائی کی اور محرم پر ۱۰۔ ۱۵ مرثیئے لکھ کر تیار کئے تو کیا کئے۔ وہ بھی دو آذر بھائیوں کے مشورے ملا کر اور مباحثوں کے پسینے بہا کر۔

ایمسیئے کہتے تھے درست ہے جو رات بھر میں سو بند کہتے ہیں وہ بے ربط اور بے اصول

www.urduchannel.in

ہی ہوتے ہیں اور جب اوائے مطلب پر آتے ہیں تو اتنے بھی نہیں رہتے۔ ساتھ اس کے بعض مصرع بھی پڑھ دیتے تھے۔ جن پر بے محاورہ ہونے کا اعتراض ہوتا تھا۔ یا تشبیہیں ناقص ہوتی تھیں۔ یا استعارے بے ڈھنگے ہوتے تھے۔

اعتراضوں کی ردّ و بدل یہاں تک ہوتی تھی کہ دبیر نے کہتے تھے کہ جو قبولیت خدا نے ہمارے سخن آفریں کو عطا کی ہے کب کسی کو نصیب ہوتی ہے جس مجلس میں انکا کلام پڑھا گیا۔ کہرام ہوگیا۔ کیسے غم انگیز اور درد خیز مضامین ہیں۔ ان کے لفظوں کو دیکھو اعتقاد کے آبحیات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

انیسے کہتے تھے۔ وہ کیا پڑھینگے! ان کی آواز تو دیکھئے۔ اور انہیں مرثیہ پڑھنا تو آتا ہی نہیں۔ غرض جھگڑا لو دعویداروں کو کوئی تقریر خاموش نکر سکتی تھی۔ البتہ مجبوری کہ دونوں کے گلے تھکا کر آوازیں بند کر دیتی تھی۔ اور منصفی بیچ میں آکر کہتی تھی۔ دونوں اچھے۔ دونوں اچھے۔ کبھی کہتی وہ آفتاب ہیں یہ ماہ۔ کبھی یہ آفتاب وہ ماہ۔

لکھنؤ کے بے فکرے لڑانے میں کمال رکھتے تھے اور تماشے کے عاشق۔ دبیر تو غیر تھے۔ بھائی کو بھائی سے لڑا دیا۔ مدت تک بگڑی رہی۔ میر انیس کے پاس آتے تو کہتے حضور جب تک اصلاحی مرثیے ہیں۔ پڑھے جائیں۔ بسمل آپکا بن دیکھا مرثیہ پڑھا قلعی کھلجائیگی۔ دوسرے بھائی سے کہتے۔ حضور عمر کی بزرگی اور شئے ہے۔ لطفِ زبان اور شئے ہے۔ یہ نعمت آپکا حصہ ہے۔

الغرض یہ پاک روحیں جنکی بدولت ہماری نظم کو قوت اور زبان کو وسعت حاصل ہوئی۔ صلہ ان کا سخن آفرین حقیقی عطا کرے۔ ہمارے شکریہ کی کیا بساط ہے لیکن یہ بات جتانے کے قابل ہے کہ اقلیم سخن میں جو دائرہ ان کے زیر قلم تھا۔ ان کے جوش طبع میں اُس کا بہت سا حصہ سخن آرائی اور رزم و بزم لے دبا لیا۔ مرثیت کا میدان بہت تنگ رہ گیا۔ اور افسوس کہ اصل مدعا ان کا وہی تھا۔ جسے آپ کھو بیٹھے۔

جب تک لکھنؤ آباد رہا۔ جب کسی اور شہر میں جانے کا ذکر ہوتا تو دونوں صاحب یہی فرماتے

تھے کہ اس کلام کو اسی شہر کے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ اور کوئی اسکی قدر کیا جانے گا۔ اور ہماری زبان کے لطف کو کیا سمجھے گا۔ لیکن تباہی لکھنؤ کے بعد اول ۱۲۷۵ھ میں مرزا دبیر صاحب مرشد آباد بلائے گئے۔ وہ گئے۔ اور ہمیشہ الہ آباد اور بنارس میں جاتے رہے میر انیس مرحوم اول ۱۲۸۵ھ اور پھر ۱۲۸۶ھ میں نواب قاسم علیخاں کی طلب اور اصرار سے عظیم آباد بھی جاتے رہے۔ پھر ۱۲۸۷ھ میں جبکہ ارسطوجاہ غفران پناہ کے خلف الرشید مولوی سید شریف حسین خانصاحب جناب حیدر آباد میں تھے تو انکی تحریک سے نواب تہور بہادر نے میر انیس کو طلب فرمایا۔ اب بھی اُنکی پابندی وضع انہیں نکلنے نہ دیتی تھی مگر مولویصاحب موصوف کے کہنے کو بھی ٹال نہ سکتے تھے۔ اسلئے مجبور گئے۔ اہل حیدر آباد نے ان کے کمال کی ایسی قدر کی جیسی کہ چاہئے مجلسوں میں لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ عالیشان مکان کی وسعت بھی جگہ نہ دیسکتی تھی۔ دروازہ پر پہرے کھڑے کر دیتے تھے کہ مستند اور سخن فہم لوگوں کے سوا کسی کو آنے نہ دو۔ اور کسی امیر کیساتھ دو متوسلوں سے زیادہ آدمی نہ آنے پائیں۔ اسپر بھی لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ کھڑے رہنے کو غنیمت سمجھتے تھے! وراسی میں خوش تھے کہ ہمنے سُنا تو سہی۔

میر انیس صاحب جب وہاں سے پھرے توحسب وعدہ الہ آباد میں اُترنا پڑا ایک مجلس بڑی شان و شوکت کیساتھ منعقد ہوئی۔ میرے شفیق قدیم مولوی ذکاءاللہ صاحب جو میور کالج میں پروفیسر ہیں۔ نکتہ فہم و سخن شناس اُن سے زیادہ تر کون ہوگا؟ اس مجلس کا حال خود مجھ سے بیان کرتے تھے کہ خاص و عام ہزاروں آدمی جمع تھے۔ کمال اور کلام کی کیا کیفیت بیان کروں۔ محویت کا عالم تھا۔ وہ شخص منبر پر بیٹھا پڑھ رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ جادو کر رہا ہے۔ مقطع کی ٹیپ پڑھتے تھے اور مزے لیتے تھے۔

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں	پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

شیخ ابراہیم ذوق کے مطلع کے باب میں جو انہوں نے فرمایا دیکھو صفحہ ۴۵۶۔ چونکہ مینے اپنا حال ظاہر نہ کیا تھا اسلئے اُن سے پوچھا کہ شیخ موصوف کے باب میں آپکی کیا رائے ہے۔ فرمایا کہ میاں سید میر کے بعد پھر دلی میں ایسا شاعر (بصفحہ دیگر)

www.urduchannel.in

ان کی بلکہ ان کے گھرانے کی زبان اردوئے معلی کے لحاظ سے تمام لکھنؤ میں سند تھی۔ اور انہیں بھی اس بات کا خیال تھا لیکن طبیعت میں نہایت انکسار تھا۔ حسن اخلاق گفتگو میں ان کی تقریر کو اتنا بچائے ہوئے لے چلتا تھا کہ باتیں خط اعتدال سے بھی نیچے ہی نیچے رہتی تھیں۔ اس پر ایک ایک لفظ کانٹے کی تول۔ کسی جلسہ میں اپنا کلام سناتے تو بعض محاورہ پر اتنا کہہ اٹھتے تھے کہ یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں فرماتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب تک اپنے تئیں لکھنؤ کا باشندہ نہ کہنا چاہتے تھے۔

مولوی شریف حسین خانصاحب کہتے تھے کہ حیدرآباد میں ایک دن چند معزز اشخاص بیٹھے تھے۔ ایک صاحب انکی شاعری کی تعریف کرنے لگے۔ فرمایا۔ بھئی شاعر کون ہے؟ ڈکھڑے کا کہنے والا ہوں۔ وہ بھی نہیں معلوم کہ جسطرح چاہئے ہوتا ہے یا نہیں۔ میں ۵۸ء میں خود بھی اُن سے ملا۔ اور لوگوں سے بھی سُنا۔ کم سخن تھے اور بولتے تو وہ فقرہ کہ موتی کی طرح ٹانکنے کے قابل۔ ارسطوجاہ مولوی رجب علی خاں بہادر حسب الطلب صاحب چیف کمشنر بہادر لکھنؤ میں تھے۔ ایک دن بعض عمائد شہر موجود۔ میر انیس صاحب بھی تشریف رکھتے تھے کہیں سے آم آئے۔ چونکہ عمدہ تھے۔ مولویصاحب ممدوح نے طاسوں میں پانی بھروا کر رکھوا دیئے۔ اور سب صاحبوں کو متوجہ فرمایا۔ ایک حکیم صاحب اسی جلسہ میں حرارت کی شکایت کر رہے تھے۔ مگر شریک چاشنی ہوئے۔ کسی بزرگ نے کہا۔ حکیم صاحب! آپ تو ابھی علالت کی شکایت فرماتے تھے۔ حکیم جی تو بغلیں جھانکنے لگے۔ میر انیس نے فرمایا۔ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔

جسطرح ان کا کلام لاجواب دیکھتے ہو۔ اسی طرح انکا پڑھنا بھی بے مثال ہی تھا۔ ان کی آواز۔ ان کا قد و قامت۔ انکی صورت کا انداز۔ غرض ہر شئے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزون واقع ہوئی تھی۔ ان کا اور انکے بھائیوں کا بھی قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے

کون ہوتا ہے؟ بزرگوں سے زبان بزبان خواجہ میر درد کے لئے یہی نام انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا معلوم ہوا کہ اس عہد کے لوگ انہیں میاں خواجہ میر کہتے تھے۔

www.urduchannel.in

سامنے رکھکر خلوت میں بیٹھتے تھے۔ اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ وضع۔ حرکات سکنات۔ اور بات بات کو دیکھتے تھے۔ اور آپ اُسکی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے۔ ذوق

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر	ہنرور اپنے بھی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں

یہ بات درست ہے کہ مرزا دبیر کے پڑھنے میں وہ خوش ادائی نہ تھی۔ لیکن حسن قبول اور فیض تاثیر خدا نے دیا تھا۔ ان کا مرثیہ کوئی اور بھی پڑھتا تھا تو اکثر رونے رُلانے میں کامیاب ہوتا تھا کہ یہی اس کام کی علّت غائی ہے۔

خاتمۂ کتاب

پانچواں دور بھی ہو چکا مگر سب سوگوار بیٹھے ہیں کہ دور نہیں ہو چکا۔ ہندوستان کی پُرانی ہمہ یعنے عاشقانہ شاعری ہو چکی۔ اور اسکی ترقی کا چشمہ بند ہوا۔ اہل مشاعرہ نوحہ خوانی کر رہے ہیں کہ اے صدر نشینو! تم چلے اور حسن و عشق کے چرچے اپنے ساتھ لے چلے۔ کیونکہ متاع عشق کے بازار تھے تو تمہارے دم سے تھے۔ نگارِ حسن کے سنگار تھے تو تمہارے قلم سے۔ تمہی قیس و کوہکن کے نام لینے والے تھے۔ اور تمہی لیلیٰ و مجنوں کے جوبن کو جلوہ دینے والے۔ لیکن اجسام فانی کی پرستش کرنے والے ہیں جو کہتے ہیں کہ تم گئے اور مشاعرے ہو چکے۔ نہیں نہیں تمہاری تصنیفیں۔ تالیفیں۔ حکایتیں اور روایتیں جب تک موجود ہیں۔ تم آپ موجود ہو تمہارے فخر کی دستاریں ایسے تحسین و آفرین کے پھولوں سے تاجدار ہیں جو ہمیشہ لہلہاتے رہینگے۔ اور گلے میں اُن سدا بہار پھولوں کے ہار ہیں جن تک کبھی خزاں کا ہاتھ نہ پہنچیگا۔

حیاتِ دوام کا خدائی چشمہ جاری ہے جسکے کنارہ پر عہد بعہد پانچوں جلسے جمے ہوئے ہیں آبحیات کا دور چل رہا ہے۔ چشمہ کا پانی زمانہ کے گذرنے کی تصویر کھینچتا ہے۔ اور موجیں ظاہری زندگی کو الوداع کہتی چلی جاتی ہیں۔ تمہارے جلسے اپنے اپنے عہد کی حالت خاموشی کی بولی میں بیان کر رہے ہیں تمہارے مقالات و حالات اس زمانہ کی جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویریں

www.urduchannel.in

ہیں گویا بے زبان مورتیں مُنہ سے بول رہی ہیں۔خیالی صورتیں اپنی چال ڈھال ایسی بے تکلّف دکھا رہی ہیں کہ کوئی زندہ انسان اس طرح کھلے دل سے کام نہیں کرتا۔ تمہاری زندگی عجب لطف کی زندگی ہے۔کوئی بُرا کہے تمہیں رنج نہیں۔ اچھا کہے تو خوشی نہیں ۔ تمہیں کوئی آزار نہیں دے سکتا۔ تم سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ اللہ امن امان کی دنیا کے لوگ ہو کہ چُپ چاپ۔ آرام کے عالم میں مجہنت گذران کرتے ہو۔ تم میں آواز نہیں مگر رنگا رنگ کی بولیاں بول رہے ہو۔ تم وہ ہو کہ نہیں ہو۔ مگر ہو۔ مر گئے ہو۔ پھر بھی زندہ ہو اے کاغذی خانقاہوں کے بسنے والو۔ تمہاری تصنیفات تمہارے آباد گھر ہیں۔ جب آنکھیں کھولتا ہوں تم نقوش و حروف کے لباس پہنے ہنستے بولتے۔ پھرتے چلتے نظر آتے ہو۔ اور ویسے ہی نظر آتے ہو جیسے کہ تھے ۔زمانہ سالہا سال کی مسافت دور نکل آیا اور سینکڑوں برس آگے بڑھا اور بڑھ جائیگا۔ مگر تم اپنی جگہ بدستور قایم ہو۔ تمہارے اعمال و افعال کے پُتلے تمہاری تصنیفیں ہیں۔ انکی زبانی آیندہ نسلوں سے اپنے دل کی باتیں کہتے رہو گے نصیحتیں کرکے سمجھاتے رہو گے۔ غمگین دلوں کو بہلاؤ گے ۔مُردہ طبیعتوں میں جان ڈالو گے۔ مدہم آرزؤں کو چمکاؤ گے۔ سوتے دلوں میں گدگدی کرو گے ۔خوشی کو اُداسی کر دو گے۔ اُداسی کو خوشی کر دو گے۔

اے با اقبال گداؤ اور اے شاہ نشان خاکسارو! تمہاری نیک نیتی اچھے وقت تمہیں لائی۔ مگر افسوس کہ تمہاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے تمہیں اچھے سامان اور اچھے قدر دان دیئے ۔جنکی بدولت جوہر طبعی اور جوش اصلی کو اپنے اور اپنے شوق کے پورا کرنے کے سامان ملے۔ اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدر دان ہونگے ۔نہ کوئی اُس شاخ کو ہرا رکھ سکیگا۔ نہ تم سے بڑھکر اُسمیں پھل پھول لگا سکیگا۔ ہاں تمہاری لکیروں کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال کے مضمون لینگے۔ اُنہی لفظوں کو اُلٹیں پلٹینگے۔ اور تمہارے چبائے نوالوں کو مُنہ میں پھراتے رہینگے۔

تم نے شہرتِ عام اور بقائے دوام کے ایسے عالیشان محل تعمیر کئے ہیں کہ صد ہا

www.urduchannel.in

سال کی مسافت سے دکھائی دیتے رہینگے۔ وہ فلک کے صدموں اور انقلاب کے خوفناکوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اور زمانہ کے زلزلوں کو ہنسکر کہتے ہیں کہ بھلا آؤ تو سہی!

اگرچہ زیادہ تر عمارتیں تمہارے حسن و عشق کے جلوس کے لئے ہیں مگر اسمیں بھی تم نے ایسے سامان اور مصالح لگا دیئے ہیں کہ آیندہ نسلیں جس غرض سے چاہینگی عمارتیں بنائینگی اور تمہاری صنعتوں سے بہت کچھ مدد پائینگی جن پتھروں کو تمنے منبت اور گلکاری سے تراش کر فقط خوشنمائی کے لئے لگایا تھا۔ ہم اسے وہاں سے نکال لینگے۔ شکریہ کیساتھ آنکھوں سے لگائینگے۔ اور اسے کسی ایسی محراب کو زینت دینگے جو اپنی مضبوطی سے ایک ایک ملکی ایوان کو استحکام دے۔ اور دلوں کو خوشنمائی سے شگفتہ کرے۔ کیونکہ تمہارے انفظونکی عمدہ تراشیں اور انکی پسندیدہ ترکیبیں استعارے اور تشبیہیں اگرچہ عاشقانہ مضامین میں ہیں۔ پھر بھی اگر ہم سلیقہ اور امتیاز سے کام میں لائینگے تو علوم۔ فنون۔ تاریخ وغیرہ عام مطالب میں ہمارے ادائے مقاصد اور انداز بیان کے لئے عمدہ معاون اور کارآمد ہونگے۔ اے ہمارے رہنماؤ تم کیسے مبارک قدموں سے چلے تھے۔ اور کیسے برکت والے ہاتھوں سے رستہ میں چراغ رکھتے گئے تھے۔ کہ جہاں تک زمانہ آگے بڑھتا ہے تمہارے چراغوں سے چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔ اور جہاں تک ہم آگے جاتے ہیں تمہاری ہی روشنی میں جاتے ہیں۔ ذرا ان برکت والے قدموں کو آگے بڑھاؤ کہ میں آنکھوں سے لگاؤں۔ اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھو اور میرے سلام کا تحفہ قبول کرو۔